مطالعہ رباعیات

فراقؔ گورکھپوری

مع ''روپ''

(تجزیہ، تنقید اور تدوین)

سیّد تقی عابدی

مطالعہ رباعیات فراقؔ گورکھپوری
سیّد تقی عابدی

مطالعۂ رباعیات فراقؔ گورکھپوری

مع ''روپ''

(تجزیہ، تنقید اور تدوین)

سیّد تقی عابدی

ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی۶

© جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ

Mutala-e-Rubaiyat Firaq Gorakhpuri
by: **Dr. Syed Taqi Abedi**
Year of Edition 2021
ISBN 978-93-90789-21-4
₹400/-

کتاب : مطالعۂ رباعیات فراقؔ گورکھپوری (تجزیہ،تنقیداورتدوین)
مصنف ومولف : سیّدتقی عابدی
سن اشاعت : ۲۰۲۱ء
قیمت : ۴۰۰ روپے
کمپوزنگ : رہبرکمپیوٹرز، دہلی۔6
مطبع : روشان پرنٹرس، دہلی۔۶

Published by
EDUCATIONAL PUBLISHING HOUSE
H.o. D1/16, Ansari Road, Darya Ganj, New Delhi-110002 (INDIA)
B.o. 3191,Vakil Street, Kucha Pandit, Lal Kuan, Delhi-6 (INDIA)
Ph: 45678204, 45678286, 23216162
E-mail: info@ephbooks.com,ephindia@gmail.com
website: www.ephbooks.com

فہرست

1.	مقدمہ	سیّد تقی عابدی	5
2.	رو میں ہے رخشِ عمر		7
3.	زندگی نامہ	سیّد تقی عابدی	9
4.	رباعیاتِ فراقؔ کا سرسری مطالعہ	سیّد تقی عابدی	32
5.	''روپ'' کا تحقیقی تنقیدی اور تجلیلی تجزیہ	سیّد تقی عابدی	48
6.	منتخب شرینگار رس کی رُباعیات کا تفصیلی تجزیہ	سیّد تقی عابدی	81
7.	فراقؔ مشاہیریں اور مصاحبین کی نظر میں	سیّد تقی عابدی	98
8.	فہرست رباعیات		136
9.	رباعیات فراقؔ		
	''روح کائنات''		169
	''گلبانگ'' مادرِ ہند سے (خطاب)		187

’’گلبانگ‘‘ فکریات		212
’’رُوپ‘‘		228
چین		316
10. کتابیات	سیّد تقی عابدی	320

مقدمہ

فراقؔ گورکھپوری اُردو رباعی کے ممتاز شعرا میں شمار کیے جاتے ہیں۔فراقؔ کی اُردو رباعیات میں شہرت شرینگار رس کی رباعیات کے مجموعے ’’روپ‘‘ سے ہے۔ جس پر مشاہیر شعر و ادب نے اپنے اپنے خاص خیالات کا اظہار کیا ہے۔ چناں چہ ’’روپ‘‘ کی مدح اور قدح پر خاصی تحریری نظر آتی ہیں۔

راقم نے اپنے اس مطالعے میں ’’روپ‘‘ کی رباعیات کے علاوہ فراقؔ کی دوسری رباعیات بھی جو تقریباً ڈھائی سو کے قریب ہیں۔ شعرأ شامل کر کے تشریح، تنقید اور تبصرہ بھی کیا ہے، جس کی وجہ ہماری اُردو شعرا رباعیات سے دلچسپی بھی ہے اسی لیے ہم نے رباعیاتِ انیسؔ، رباعیاتِ دبیر، رباعیاتِ رشیدؔ لکھنوی اور رباعیاتِ حالیؔ وغیرہ وغیرہ کو کتابی شکل میں پیش کر کے ان کا تجزیہ اور ان کی تنقید و تشریح بھی کی۔

فراقؔ کی رباعیات میں ان کی غزلوں، نظموں اور دوہوں کی طرح موضوعات میں بوقلمونی ہے، چناں چہ ان مطالب کو یہاں مختلف مضامین میں پیش کیا گیا ہے تا کہ عامی اور عالم دونوں مستفید ہوسکیں۔ اس مطالعے میں فراقؔ کی سوانح اور شخصیت کو بھی شامل کیا گیا ہے اس کے علاوہ فراقؔ کو مشاہیر شعر و ادب کی نظر میں بھی زیب داستان کیا گیا ہے۔

اُمید ہے کہ اُردو کے پرستار ہماری اس کوشش کو پسند کریں گے۔ ہم ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس کے ناشرین محمد مجتبیٰ خان اور محمد مصطفیٰ خان صاحبان اور ان کے اراکین کے مشکور ہیں جنھوں نے بہت کم وقت میں اس نسخۂ کو زیور طباعت سے آراستہ کیا۔

سیّد تقی عابدی
ٹورنٹو۔ کینیڈا
فروری ۲۰۲۱ء

رو میں ہے رخشِ عمر

نام	:	سیّد تقی حسن عابدی
ادبی نام	:	تقی عابدی
تخلص	:	تقؔی
والد کا نام	:	سیّد سبط نبی عابدی (مرحوم)
والدہ کا نام	:	سنجیدہ بیگم (مرحومہ)
تاریخ پیدائش	:	یکم مارچ 1952ء
مقام پیدائش	:	دہلی [انڈیا]
تعلیم	:	ایم بی بی ایس (حیدر آباد، انڈیا)____ ایم ایس (برطانیہ)
	:	ایف سی اے پی (امریکہ)______ ایف آر سی پی (کینیڈا)
پیشہ	:	طبابت
ذوق	:	شاعری، ادبی تحقیق وتنقید
شریکِ حیات	:	گیتی
اولاد	:	دو بیٹیاں (معصوما اور رویا)
		دو بیٹے (رضا و مرتضیٰ)

تصانیف : (68) شہید (1982)، جوشِ مودّت، گلشنِ رویا، اقبالؔ کے عرفانی زاویے، انشاء اللہ خاں انشاؔء رموزِ شاعری، اظہارِ حق، مجتہدِ نظم مرزا دبیرؔ، طالع مہر، سلکِ سلام دبیرؔ، تجزیہ یادگارِ انیسؔ، ابواب المصائب، ذکرِ دُرباران، عروسِ سخن، مصحف فارسی دبیرؔ، مثنویاتِ دبیرؔ، کائناتِ نجمؔ، روپ کنوار کماری، دُربارِ رسالت فکرِ مطمئنہ، خوشۂ انجم، دُرِ دریائے نجف، تاثیر ماتم، نجمی مایا، روشِ انقلاب، مصحفِ تغزل، ھوالنجم، تعشقؔ لکھنوی، ادبی معجزہ، غالبؔ دیوان نعت ومنقبت، چوں مرگ آید، رباعیاتِ دبیرؔ، سبدِ سخن، دیوانِ غالبؔ فارسی، فیضؔ فہمی، مطالعہ دبیرؔ کی روایت، اُردو کی دوشاہکار نظمیں، رباعیاتِ رشیدؔ لکھنوی، رباعیاتِ انیسؔ، فیضؔ شناسی، حالیؔ فہمی، مسدس حالیؔ، کلیاتِ حالیؔ بچوں کے حالیؔ، کلام وسلام انیسؔ، کلیاتِ سعید شہیدیؔ، تروینی، باقیات و نادرات فیضؔ احمد فیض، برج شرف، منشی بال مکند بےصبرؔ، مطالعۂ رباعیات فراقؔ گورکھپوری، حالیؔ کی نظمیں، حالیؔ کی نعتیہ شاعری، حالیؔ کی غزلیں اور قطعات، گلستان ہند۔

زیرِ تصنیف : حالیؔ کے قصیدے اور حالیؔ کے شخصی مرثیے، تجزیۂ شکوہ جوابِ شکوہ فانیؔ لافانی، اقبالؔ کے چار مصرے، رباعیات بیدلؔ،
رباعیاتِ صادقین، دیوانِ فارسی حالیؔ، فراقؔ فہمی،
دیوان کامل فراقؔ گورکھپوری،

زندگی نامہ

رگھوپتی سہائے فراقؔ ۲۸/اگست ۱۸۹۶ء کو شہر گورکھ پور میں پیدا ہوئے اور پچاسی سال عمر بسر کرکے ۳/مارچ ۱۹۸۲ء کو دہلی میں انتقال کیا۔ فراقؔ کے والد منشی گورکھ پرشاد عبرتؔ اُردو فارسی کے ادیب تھے اور شاعری بھی کرتے تھے۔ مطرب نظامی کا یہ بیان کہ ''فراقؔ کے والد گورکھ پرساد عبرتؔ اُردو، فارسی اور ہندی کے علاوہ سنسکرت پر عبور رکھتے تھے۔'' فراقؔ ''اُردو کی عشقیہ شاعری'' میں لکھتے ہیں: ''ان کے والد کی مثنوی حُسن فطرت کے علاوہ خیالِ یار اور کچھ نظمیں بھی تھیں، جو سراسر عشقیہ ہیں۔'' گورکھ پرساد وکیل تھے وہ بعد میں ترقی کرکے بار ایسوسی ایشن کے پریسیڈنٹ بن گئے۔ عبرتؔ شاعر تھے۔ حالیؔ اور آزادؔ کے ہم عصر تھے۔ ان کی مثنوی ''حُسنِ فطرت'' عمدہ تخلیق ہے۔ ان ہی غزل کے چند شعر جو فراقؔ نے سُنائے تھے وہ ذیل میں نقل کیے جا رہے ہیں۔

زمانے کے ہاتھوں سے چارہ نہیں ہے
زمانہ ہمارا تمہارا نہیں ہے
میرے اشک پیہم کی تہہ داریوں میں
سمندر تو ہے تیز دھارا نہیں ہے
وہ چاہے تو خوش کردے دم بھر میں ہم کو
پر ایسا مقدّر ہمارا نہیں ہے
شبِ آہنگ جس کو سمجھ لوں میں عبرتؔ
اب آنکھوں میں ایسا سِتارا نہیں ہے

گورکھ پرساد نے یکے بعد دیگر تین شادیاں کیں۔فراقؔ آخری بیوی دُلاری دیوی کے بطن سے تھے جن کا انتقال ۱۹۴۸ء میں ہوا۔

فراقؔ زندگی بھر اپنے باپ کا ذکر بہت محبّت واحترام کرتے تھے۔انھوں نے ''میری زندگی کی دھوپ چھاؤں'' میں لکھتے ہیں:-

''۱۹۱۸ء، ۱۷رجون کی شام کو میرے والد کو چند جھٹکے آئے اور اُلٹی سانسیں چلنے لگیں۔ مجھے زندگی بھر کبھی وہ رات بھول نہیں سکتی، جب آدھی رات کے قریب سیول سرجن کے بنگلے پر مجھے کئی میل تنہا پیدل جانا پڑا اور ڈاکٹر کو اپنے ساتھ لانا پڑا......۱۸رتاریخ کی صبح کو ہمیشہ کے لیے ان کی آنکھیں بند ہوگئیں......میرے والد کے انتقال کے بعد چڑیوں کے مدھر نغمے کچھ زیادہ بڑھ گئے تھے۔ فضاء غیر معمولی طور پر سُہانی ہوگئی تھی۔ میرے والد بستر پر ابدی نیند سو رہے تھے۔میری والدہ نے کہا: تیرا باپ نرجھل (بے گناہ،معصوم) تھا جب ہی تو اس کی رحلت کے بعد یہاں کی فضاء اتنی پاکیزہ اور سہانی معلوم ہوتی ہے۔''

مطرب نظامی ''فراقؔ یادوں کے جھروکے'' کے صفحہ بیس (۲۰) پر لکھتے ہیں: ''فراقؔ کا بیان ہے کہ غدر کے زمان میں ان کی دادی ستی ہوگئی تھیں۔'' یہ بات مشکوک ہے۔غدر سے چالیس سال قبل 1818ء میں برٹش گورنمنٹ نے ستی کی رسم کو جرم قرار دے کر پابندی عاید کردی تھی، اگر چہ پھر بھی اُکا دوکا چھپے چھپائے یہ رسمیں اس حکومتی اقدام کے بعد جاری رہیں۔غدر کے چالیس سال بعد فراقؔ پیدا ہوئے جو فراقؔ کے باپ کی تیسری بیوی دُلاری دیوی تھی جو گھورکھپور کے رئیس پھرو پرساد کی بیٹی تھیں۔

فراقؔ نے اپنی زندگی کے اس ناقابلِ فراموش منظر کی اس طرح تصویرکشی کی ہے جو بعد میں ان کی رباعی میں ظاہر ہوا۔

غفلت کا حجاب کوہ و دریا سے اُٹھا
پردہ فطرت کے رُوئے زیبا سے اُٹھا
پو پھٹنے کا آج سہانا ہے سماں
پچھلے کو فراؔق کون دُنیا سے اُٹھا

فراؔق کے پانچ بھائی اور تین بہنیں تھیں۔ جہاں تک فراؔق کی ابتدائی تعلیم و تربیت کا تعلق ہے ان میں خاص دلچسپی ان کے والد کی طرف سے ہوئی، جنھوں نے فراؔق کو اُردو فارسی کی تعلیم دی۔ فراؔق کی مذہبی تعلیم کا درس پنڈت تلسی داس دیا کرتے تھے۔

فراؔق ''ماڈل اسکول گورکھپور''، ''مشن اسکول گورکھپور'' پھر ''جوبلی اسکول گورکھپور'' سے اسکول لیونگ سرٹیفکیٹ حاصل کرکے الہ آباد آئے اور ''میور سینٹرل کالج الہ آباد'' سے 1915ء میں فارغ التحصیل ہوئے۔ اِسی کالج میں ان کی ملاقات پروفیسر ناصری سے ہوئی جو رشیؔد لکھنوی نواسے میر انیؔس کے شاگرد رشید تھے۔ یہ فراؔق کے پہلے مستند استاد تھے بعد میں ریاضؔ خیر آبادی، وسیؔم خیر آبادی اور عزیزؔ لکھنوی ان کے اساتذہ شعروسخن رہے۔

فراؔق اپنے مقالے ''میرؔ کی شاعری کے کچھ پہلو'' میں لکھتے ہیں: ''میں اپنے استاد پروفیسر ناصری کا یہ احسان عمر بھر نہیں بھول سکتا کہ انھوں نے میرؔ کو اُردو کا سب سے بڑا شاعر بتا کر مجھے کلام میرؔ کے مطالعے کی طرف مایل کیا اس مطالعے نے صرف میرا ذوق ادب گہرا نہیں کیا بلکہ اس کے ساتھ ساتھ میرا فداق زندگی بھی زیادہ گہرا اور مستحکم بنا دیا۔''

فراؔق ایف اے اور بی اے الہ آباد سے کرکے 1918ء میں سیول سروس کا امتحان پاس کیا اور حکومت نے انھیں ڈپٹی کلکٹری کے لیے نامزد بھی کیا لیکن کیوں کہ وہ آزادی کی تحریک میں شریک ہو چکے تھے اس پیش کش کو ٹھکرایا دیا۔ ان باتوں کا اعتراف خود فراؔق نے اپنی کتاب ''گلبانگ'' مطبوعہ 1967ء میں کیا۔

کئی ممتاز ادیب وشاعروں نے اس کی تاکیدنہیں کی جن میں گیان چند بھی شامل ہیں۔عقیل رضوی لکھتے ہیں کہ ’’فراقؔ نے سول سروس کا کبھی امتحان دیا ہی نہیں تھا۔‘‘ فراقؔ کے قریبی دوست اور مصاحب نے ’’نیا دور‘‘ میں یہ بھی لکھا جو ہم نے فراقؔ کے ملفوظات میں شامل کیا کہ ’’فراقؔ نے ڈپٹی کلکٹری کی نوکری اس لیے بھی قبول نہیں کہ ان کے ڈپٹی کلکٹر ہونے پر ان کی بیوی کشوری دیوی کو ان کی بیوی ہونے کی حیثیت سے قدر کی نگاہ سے دیکھا جائے گا اور وہ اس پر ناز کرنے لگیں گی اور لوگوں میں اپنا فخر فروخت کریں گی۔‘‘

فراقؔ کی ابتدائی تعلیم گھر اور بعد میں اسکول میں ہوئی جہاں سے انھوں نے ۱۹۱۳ء میں میٹرک پاس کر کے سینٹرل کالج الہ آباد میں ایف.اے میں داخلہ لیا۔اس کے بعد انھوں نے بی.اے کیا اور آخرکار ۱۹۳۰ء میں آگرہ یونی ورسٹی سے انگریزی میں ایم.اے کیا۔خود فراقؔ نے ’’میری زندگی کی دھوپ چھاؤں‘‘ میں لکھا ہے کہ وہ بچپن سے پڑھنے لکھنے میں تیز تھے اس لیے اچھے نمبرات سے کامیاب ہوتے اگرچہ پڑھنے لکھنے کے علاوہ انھیں کھیل کود، کشتی، کسرت وغیرہ سے بھی دلچسپی تھی وہ فطری طور پر جذباتی اور حُسن پرست تھے۔ ایف.اے کی طالب علمی کے دوران ان کی شادی کشوری دیوی سے کی گئی جوان کی پسند نہ تھی اس موضوع پر اُردو کے ادیبوں اور سوانح نگاروں نے بہت کچھ فراقؔ کی تحریروں سے فائدہ اُٹھا کر لکھا ہے جسے ہم صرف فراقؔ ہی کے دو چار جملوں پر تمام کر کے آگے بڑھتے ہیں۔ بقول فراقؔ ’’خود مجھے اور میرے خاندان کو دھوکا دے کر ایک صاحب نے میری شادی ایک ایسے خاندان اور ایک ایسی لڑکی سے کروا دی کہ میری زندگی ایک ناقابل برداشت عذاب بن گئی۔ میری بیوی میں کوئی اخلاقی عیب نہ تھا......اس کا میرے گھر آنا منحوس ثابت ہوا، کوئی دوسرا ہوتا تو دوسری شادی کر لیتا یا من مار کر رہ جاتا۔ میں دوسری شادی بھی نہ کر سکا اور تب سے آج تک میری زندگی ایک ناقابل برداشت تکلیف اور تنہائی کا شکار رہی۔ پورے ایک سال شادی کے بعد مجھے نیند نہیں آئی اور عمر بھر میں اس تکلیف کو نہیں بھول سکا۔‘‘

اس گھریلو ناپسند زندگی کے علاوہ ان کے والد کی موت نے گھر کے اخراجات کی ذمہ داری ان کی گردن پر ڈال دی، یہی نہیں بلکہ ان کے چہیتے جوان بھائی کی ناگہانی موت اوران کے جوان بیٹے کی خودکشی نے زندگی بھر کا غم مہیّا کردیا جس نے ان کی فکراور اخلاق پر گہرے نقوش چھوڑے، جس کا ذکرانھوں نے ''نقوش'' کے مدیر طفیل احمد کو اپنے خطوط ''من آنم'' میں کیا ہے۔

فراقؔ نے اپنے کے انتقال کے بعد ڈپٹی کلکٹر کی ملازمت حاصل کی لیکن بہت جلد ترک موالات کی تحریک میں شامل ہوکر استعفیٰ دے دیا اور پنڈت جواہر لال نہرو کی وساطت سے آل انڈیا کانگریس کے سکریٹری کے عہدے پر کئی سال تک کام کرتے رہے لیکن اس دوران ادبی جریدوں میں تنقیدی مضامین بھی لکھتے رہے اور آخر کار لکھنؤ اور کانپور کے کالجوں میں بحیثیت معلّم کام کرکے الہٰ آباد یونی ورسٹی میں انگریزی کے استاد کی حیثیت سے چھبیس (۲۶) سال مشغول رہ کر علاحدہ ہوئے۔ فراقؔ کھانے پینے کے شوقین تھے وہ بزم اورمحفل کے آدمی تھے۔ پوشاک میں اتنے بڑھیا نہ ہوں لیکن ان کا معیار اونچا تھا جو لگ بھگ آٹھ سو روپے کا ماہانہ وظیفہ ملتا وہ ضروریات کے لیے کافی نہ تھا، چناں چہ وہ مشاعروں، سیمیناروں اور ریڈیو کے پروگراموں میں شرکت کرتے، انگریزی اُردو اور ہندی کے مضامین لکھتے اور پھر ان کی تصانیف کی رایلٹی کے پیسوں سے وہ اپنا خرچہ نکالتے تھے۔ انھیں کبھی اکاڈمی ایوارڈ، کبھی پدم بھوشن ایوارڈ اور کبھی گیان پیٹھ ایوارڈ کے ہمراہ بھی رقم ملتی اور مسلسل سرکاری حکام بھی انھیں حکومت کے خزانے سے نوازتے رہتے تھے۔

یہ سچ ہے کہ شاعر کو شاعر ہی اچھی طرح سے سمجھ سکتا ہے The Faculty of a poet is to judge a poet فراقؔ کے فن اور شخصیت پر جو کچھ جوشؔ نے کہا ہے اس سے بہتر گفتگو ممکن نہیں کیوں کہ دونوں ہم عصر عظیم شاعر تھے۔ فراقؔ، جوشؔ سے دو سال بڑے تھے لیکن دونوں شاعروں نے ۱۹۸۲ء میں سفرابدی اختیار کیا۔ جوشؔ اور فراقؔ نہ صرف دوست تھے بلکہ ایک دوسرے کے فن کے قایل بھی تھے۔ دونوں رند خراباتی،

مذہب سے دور، انگریزی سامراج کے مخالف اور خاندانی شاعر تھے۔ جوشؔ کے پردادا گویاؔ، دادا احمدؔ اور والد بشیرؔ تخلص کرتے تھے اور صاحب دیوان شاعر تھے تو فراقؔ کے والد عبرتؔ گورکھ پوری بھی عمدہ شاعر تسلیم کیے جاتے تھے جن کی مثنوی ''حسن فطرت'' موجود ہے۔

جوشؔ نظم کے شاعر تو فراقؔ غزل کے شاعر مانے جاتے تھے لیکن دونوں کی رُباعیات قادر الکلامی کی عمدہ مثال۔ فراقؔ انگریزی ادب کے استاد تھے تو جوشؔ فارسی کے ماہر، فراقؔ کا مطالعہ مغربی ادب میں گہرا تھا تو جوشؔ فارسی ادب کے غواص تھے جو درشہوار برآمد کرتے تھے۔ جوشؔ جذباتی اور خاندان کے افراد سے منسلک تو فراقؔ باغی اور خاندان سے غیر ذمہ دار، جوشؔ رند محترم تو فراقؔ مشتعل۔ ان تمام تضادات اور مماثلات کے باوجود دونوں ایک دوسرے پر جان چھڑکتے تھے۔

جوشؔ نے ''یادوں کی برات'' میں فراقؔ کی شخصیت اور فن پر مغز گفتگو کرکے کوزہ میں سمندر سمو دیا۔ جوشؔ کا ریویو اگرچہ مختصر ہے لیکن کئی طولانی مقالوں پر بھاری ہے۔ جوشؔ کا ایک ایک لفظ شخصیت اور فن کا آئینہ معلوم ہوتا ہے۔ ملاحظہ کریں:-

مجموعۂ اضداد، آمیزۂ بلور وفولاد۔ گاہ نسیم بوستاں، گاہ صَرصَر بیاباں،
گاہے خضر درگاہ، گاہے گُم کردہ راہ، گاہ شب نمِ برگ، گاہ شعلۂ جوالہ
و بے باک، گاہ یزداں، بآغوش، گاہ اہرمن بَردوش، رند قدح خوار،
گوہر شاہ دار، آسمانِ خوش لہجگی کے بدر، انجمن آگہی کے صدر،
اولیائے ذہانت کے قافلۂ سالار، اقلیم ژَرف نگاہی کے تاج دار۔
جَودت پناہ، نقاد نگاہ، مَہبِط جبریل، شاعرِ بزرگ وجلیل۔

اپنے فراقؔ کو میں، قرنوں سے جانتا، اور ان کی خلاّقی کا لوہا مانتا ہوں۔ مسائل علم وادب پر جب وہ زبان کھولتے ہیں، تو لفظ ومعنیٰ کے لاکھوں موتی رولتے ہیں۔ اور اس افراط سے کہ سامعین کو اپنی کم سوادی کا احساس ہونے لگتا ہے۔

وہ بلا کے حسن پرست اور قیامت کے شاہد باز ہیں۔ اور یہ وہ ذکاوتِ مخصوص

ہے، جو دُنیا کے تمام عظیم فنکاروں میں پائی جاتی ہے۔ کج نہاد صالحین پر آوازے کستے ہیں، اور وہ اُن بے توفیقوں کے کھوکھلے پن پر دل ہی دل میں ہنستے ہیں۔ لیکن ان کی راتوں سے ہوشیار، پینے سے پیش تر وہ یارِ غم گُسار ہوتے ہیں اور پینے کے بعد دشمنِ خوں خوار بن جایا کرتے ہیں اور نہایت استعجاب آمیز قلق کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اُن کا اپنی رفیقۂ حیات سے جو برتاؤ ہے، وہ سینۂ انسانیت کا ایک ہولناک گھاؤ ہے، اور اُن کے شدائد سے تنگ آ کر، اُن کا بیٹا خود کشی کر چکا ہے۔

وہ ایک دُہری شخصیت کے انسان ہیں، کبھی مسیح دوراں ہیں اور کبھی موسیٰ عمراں، کبھی مہکتے گل زار، کبھی اُپی تلوار، دہلی کے دوران قیام میں، ایک بار، وہ مجھ سے بھی، بہت ہی بُری طرح، اُلجھ پڑے تھے، اس وقت اگر میں اپنی پٹھول کا گلا نہ گھونٹ دیتا، تو بڑا خون خرابہ ہو جاتا۔ اُس رات کی صبح کو میں نے اُن پر ایک نظم کہی تھی جس کا صرف ایک شعر یاد ہے ؎

نہ عطا کر، مگر، مجھے معبود
بھول کر بھی شب وصالِ فراقؔ

آخر میں نہایت افسوس کے ساتھ، میں یہ کہوں گا کہ ہندوستان نے ابھی تک فراقؔ کی عظمت کو پہچانا نہیں ہے، سرکارِ ہند کو چاہیے کہ وہ ان کو سر آنکھوں پر جگہ دے۔ اور ان کو، بہمہ وجوہ، مطمئن کر کے، اپنے دامن کو مزید پھولوں سے بھر لے۔ اور نمک حرامی کے داغ سے اپنی پیشانی کو بچا لے۔

جو شخص یہ تسلیم نہیں کرتا کہ فراقؔ کی عظیم شخصیت، ہندوستان کے ماتھے کا ٹیکا، اُردو زبان کی آبرو، اور شاعری کی مانگ کا صندل ہے، وہ، خدا کی قسم، کور مادر زاد ہے۔

زندہ باد فراقؔ __________ پائندہ باد فراقؔ

اس مضمون میں ہم نے دونوں عظیم المرتبت شعرا کا فنّی جائزہ نہیں لیا ہے جو ایک جداگانہ بحث ہے کیوں کہ دونوں کہنہ مشق پختہ شاعر تھے، دونوں کے اُسلوب جدا جدا اور منفرد تھے۔ دونوں شاعروں کے پاس جمالیاتی احساس کی پرتیں جدا جدا ہیں،

ایک نظم کا عاشق تو دوسرا غزل کا دلدادہ ایک میر تقی میرؔ کا پیرو تو دوسرا سوداؔ کے لفظیات کا شیدا۔ دونوں ایک دوسرے کے معترف۔

۲۹؍مئی ۱۹۴۶ء کو الہ آباد سے فراقؔ گورکھ پوری نے اپنی رُباعیات کا مجموعہ ''روپ'' شائع کیا اور اس کا انتساب کیا۔

شاعرِ اعظم جوشؔ ملیح آبادی کے نام

جوش

کچھ دونوں کی بات ہے کہ میرٹھ کے مشاعرے سے ہم تم ساتھ ساتھ دلّی آئے اور ایک ہی جگہ ٹھہرے رات باقی تھی۔ ہم لوگوں کے اور ساتھی ابھی سو رہے تھے لیکن تھوڑے سے وقفے کے آگے پیچھے ہم تم جاگ اُٹھے۔ باتیں ہونے لگیں، تم نے مجھ سے پوچھا کہ فراقؔ تم رُباعیات نہیں کہتے؟ میں نے کہا کبھی بہت کچھ رُباعیات کہی تھیں اِدھر تو نہیں کہیں، بات آئی گئی ہوگئی۔

بعد کو دلّی کے اس قیام میں مجھ سے تم سے اَن بَن بھی ہوگئی تھی اور آپس میں تیز تیز باتیں بھی ہوگئی تھیں جس کی تکلیف ہم دونوں کو بہت دنوں تک رہی، شاید اب تک ہے، تم پُونا چلے گئے اور میں الہ آباد چلا آیا۔ اب اسے وقت کی ستم ظریفی کہو گے یا فالِ نیک بتاؤ گے کہ الہ آباد آکر جو پہلی چیز مجھ سے ہوئی وہ ایک رُباعی ہوئی جس میں، میں نے تمھیں کو مخاطب کیا اور دلّی میں ہو جانے والی اِسی اَن بَن کی طرف اشارہ کیا۔ رُباعی یہ تھی:-

معصوم خلوصِ باطنی کچھ بھی نہیں
وہ قُرب وہ قدرِ باہمی کچھ بھی نہیں
اِک رات کی وہ جھڑپ وہ جھک جھک سب کچھ
اور آٹھ برس کی دوستی کچھ بھی نہیں

یہ رُباعی رُوپ کی ان رباعیوں کا شگون تھی۔ اسے کہنے کے دو ہفتوں کے اندر اندازاً سَو رباعیاں ہو گئیں، جو دو مہینوں میں بڑھ کر ساڑھے تین سو کی تعداد تک پہونچ گئیں۔ اِسی ''آٹھ برس کی دوستی'' کی یاد میں جو ایک اضطراری کمزوری کے زیر اثر تھوڑی دیر کے لیے ''کچھ بھی نہیں'' ہو گئی تھی اب یہ ترانے جو آج

رُوپ

کے نام سے شائع ہو رہے ہیں
انتہائی خلوص و محبّت سے
تمھارے نام
معنون کرتا ہوں
اگر تم اب بھی مجھ سے صاف نہیں ہوئے تو بھی میں نا اُمید نہیں

مے باقی و ماہتاب باقیست
مارا بہ تو صد حساب باقیست

الٰہ آباد۔ ۲۹ دسمبر ۱۹۴۶ء
فراقؔ

اشرفؔ مالوی نے جوشؔ اور فراقؔ کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے سچ کہا ہے ؎

اُدھر ہیں جوشؔ شہنشاہِ نظمِ شعلہ بیاں
اِدھر فراقؔ ہیں بزمِ غزل کی روح رواں
اُدھر جلالِ شراب و شباب کا شاعر
اِدھر جمالِ شبِ ماہتاب کا شاعر
اُدھر ہے لب پہ اگر انقلاب زندہ باد
اِدھر حیاتِ درخشاں کا خواب زندہ باد
اُدھر ہے گیسوئے الفاظ میں اگر شانہ
اِدھر ہے زلفِ گرہ گیر کا وہ دیوانہ

اُدھر زباں پہ اگر نعرۂ بغاوت ہے
اِدھر غزل کی زباں نغمۂ محبت ہے
اُدھر ہے عرفی و فردوسی کی سخن سازی
اِدھر ہے میر کے قلب حزیں کی غمازی
اُدھر جو حافظ و خیام کا ہے کیف و سرور
اِدھر ہے جذبۂ مومن کی کافری بھرپور
یہ دو منارۂ عظمت ہیں دونوں لاثانی
ادب کے دونوں ہی شہکار ہیں یہ لافانی
کتابِ زیست کے دونوں ہیں عہد ساز ورق
جوابِ جوش ہے مشکل، محال مثلِ فراق

جوش کے علاوہ ان کے مشاہیر ہم عصروں نے بھی ان کی شخصیت بخصوص ان کے فن پر روشنی ڈالتے ہوئے ان کی عظمت کا اقرار کیا ہے۔ فراق کے ہم وطن اور دوست مجنوں گورکھپوری نے فراق کو ''اٹھ کپاری'' یعنی آٹھ دماغوں کا جینیں کہا ہے یعنی فراق بیک وقت آٹھ دماغ ایک جگہ جمع تھے۔ فراق شاعر، ادیب، نقاد، استاد، خطیب، انگریزی شاعر اور مجاہد آزادی تھے۔

- یگانہ چنگیزی کہتے ہیں: ''دُنیا سے جاتے ہوئے غزل کو فراق کے ذمہ کیے جا رہا ہوں۔''
- جگر مرادآبادی کہتے ہیں: ''جب لوگ ہم لوگوں کو بھول جائیں گے اُس وقت بھی فراق کی یاد تازہ رہے گی۔''
- اصغر گونڈوی کہتے ہیں: ''اُردو شاعری میں آنے والی شخصیت فراق کی شخصیت ہے۔''
- نیاز فتح پوری کہتے ہیں: ''اگر مجھ سے پوچھا جائے کہ آج کے شعرا میں سب سے درخشاں مستقبل کس کا ہے تو تنہا فراق کا نام لوں گا۔''

- احتشام حسین کہتے ہیں: ''اگر احساسات کی لطافت، جذبات کی شدّت اور حُسن اظہار کی ندرت غزل میں ایک جگہ دیکھنا ہوتو فراقؔ کی غزلیں دیکھنا۔''
- کلیم الدین کہتے ہیں: ''میں فراقؔ کو اُردو غزل کا ایک اہم ستون قرار دیتا ہوں۔''
- گیان چند کہتے ہیں: ''فراقؔ کی عروضی حس جتنی کمزور تھی مشاہیر شعرا میں اس کی دوسری مثال نہیں ملتی۔ ہندی بحر، بحر متقارب اور متدارک اور رباعی میں وہ خاص طور سے ٹھوکریں کھاتے رہے۔''

اس میں کوئی شک نہیں کہ فراقؔ ''جینیس'' یعنی نابغۂ روزگار تھے۔ بعض اُردو کے اکابرین نے انھیں ''ڈاکٹر جانسن'' کا خطاب ان کی شعری تنقید اور ذہانت کو دیکھ کر دیا ہے۔ یہ بھی درست ہے جس طرح مغربی دانش واں نے جنیس کو غیر عادی یا abnormal کہا ہے۔ Robert Stevenson کہتا ہے۔ ''جینیس'' وہ ہے جس میں رجحان گناہ پایا جائے۔ افسوس اس بات کا ہے کہ اس جانسن کو کوئی Baswell یا گوئٹے کو کوئی ایکرمن Ackerman نہیں ملا۔ جو اُن کی فلسفیانہ اور بصیرت افروز باتوں کو جمع کرتا۔ فراقؔ جس موضوع پر بھی بات کرتے وہ علم وادب فلسفہ وحکمت کا خزینہ ہوتا یہ بھی مشہور ہے کہ وہ بات کرنے سے نہیں تھکتے تھے اور ان کے سامنے سب گونگے ہو جاتے تھے۔

جہاں تک شعر شاعری کا تعلق تھا گھر کا ماحول شاعرانہ تھا اور گورکھ پور شاعر کا ذرخیز منطقہ بھی تھا چناں چہ بارہ تیرا سال کی عمر میں شاعری کی اور ۱۹۱۶ء میں اور ''جگنو'' نظم لکھی۔ فراقؔ نے ریاضؔ خیر آبادی، وسیمؔ خیر آبادی، ناصریؔ جیسے اساتذہ سے زبان و بیان کے نکات اور شاعری کے علوم سے آشنائی حاصل کی۔ فراقؔ کو اُردو، انگریزی اور ہندی پر عبور حاصل تھا وہ فارسی سے بخوبی واقف تھے۔ عربی اور سنسکرت کے الفاظ سے آشنائی تھی۔ فراقؔ کا شمار اگرچہ اُردو ادب کے بلند پایہ صف اوّل کے شعرا میں ہوتا ہے لیکن وہ ان خوش نصیب شاعروں میں شمار کیے جاتے ہیں جنھیں اپنی زندگی ہی میں

مقبولیت عام بھی حاصل ہو چکی تھی۔ فراقؔ کے قول کے مطابق انھوں نے ایک ہزار سے زیادہ غزلیں کہیں اگر چہ بنیادی طور پر وہ غزل کے شاعر ہیں لیکن انھوں نے نظم، قطعہ اور سات سو سے زیادہ رباعیات بھی کہی ہیں۔ فراقؔ نے مشرقی اور مغربی شعرا کا وسیع طور پر مطالعہ کیا اس لیے ان کا کلام شرق اور غرب کی ادبی سماجی تہذیبی ثقافتی قدروں کی جلوہٗ گری کرتا ہے اگر ان کے پاس سنسکرت اور بھاشا کے قدیم شاعروں کی رومانی حسیت ہے تو میرؔ، سوداؔ، مصحفیؔ، جرأتؔ، مومنؔ اور حسرتؔ کی شعریت کی جلوہ نگاری اور مغربی شعرا میں بخصوص ورڈس ورتھ، کیٹس، شیلے، براوننگ اور اسپنر کی منظر کشی کے نمونے بھی نظر آتے ہیں۔

فراق کی تصانیت

منظوم تصانیف:-

گلِ نغمہ (کلیات فراقؔ کا پہلا حصّہ)
روحِ کائنات (مجموعہ نظم ورباعیات)
رمز و کنایات
روپ
غزلستان
شبنمستان
شعرستان
گلبانگ
گل کاریاں (تضمینات)

منظوم انتخابات:-

شعلہٗ ساز
مشعل
دھرتی کی کروٹ

پچھلی رات

نغمہ ساز

ہزار داستان

انتخابِ کلام فراق

گلہائے پریشاں

چراغاں

انتخابِ غزلیات فراق

دیوانِ فراق

تراجم:-

اناری کلی (ٹیگور)

ایک سو ایک نظمیں (ٹیگور)

گیتا نجلی (ٹیگور)

ہیلمٹ (شیکسپیئر)

سادھو کی کٹیا (انگریزی ناول کا ترجمہ)

نثری تصانیف:-

اُردو کی عشقیہ شاعری (1939ء)

اندازے (1944ء)

حاشیے (سن معلوم نہیں)

اردو غزل گوئی (1955ء)

ہمارا سب سے بڑا دشمن (سن ندارد)

(خطوط) من آنم (1962ء)

تصانیف دوسری زبانوں میں:-

اردو بھاشا اور ساہتیہ (ہندی میں)

A Garden of Essays

Reading and Reflection

The making of a poet (unpulished)

فراقؔ کے اردو ہندی اور انگریزی میں درجنوں مدون اور غیر مدون مضامین، تبصرے، تقاریر اور انٹرویو موجود ہیں۔ فراقؔ پر آدھے درجن سے زیادہ خصوصی شمارے اور درجنوں کتابوں کے علاوہ صدہا تحقیقی، تشریحی اور تنقیدی تحریری، مقالے اور اخبارات کے کالم بکھرے پڑے ہیں۔ افسوس اس بات کا ہے کہ علمائے ادب نے اگرچہ فراقؔ کے تعلق سے دلچسپ جملے تو لکھے مگر ان پر خاص کام نہ ہوسکا۔ آج کے دور میں فراقؔ کی یاد بس اس شعر سے تازہ ہوتی ہے ؎

آنے والی نسلیں تم پر رشک کریں گی ہم عصرو
جب یہ دھیاں آئے گا ان کو تم نے فراقؔ کو دیکھا ہے

♦♦♦

مجنوںؔ گورکھپوری کہتے ہیں انھوں نے دو درجن کے قریب فراقؔ کے انگریزی میں اسٹزا (Stanza) دیکھے تھے جس کی تعریف الٰہ آباد یونی ورسٹی کے انگریزی پروفیسر امرت ناتھ ساجھا نے بھی کی تھی افسوس ہے یہ انگریزی شاعری کے نمونے ہمارے درمیان نہیں، ضرورت اِس بات کی ہے کہ فراقؔ کا سارا مطبوعہ اور غیر مطبوعہ کلام صحیح متن کے ساتھ تدوین کیا جائے اور راقمؔ اس سنگِ گراں کو اُٹھانے کی کوشش کر رہا ہے۔

فراقؔ کی شاعری

فراقؔ اپنی شاعری کے بارے میں لکھتے ہیں:-

شاعری کا چرچا گھر میں تھا اور میری طبیعت میں موزونیت تھی، اس لیے شعر کہنے کا شوق تو بچپن سے تھا لیکن ۱۹/ برس کی عمر تک مجھ سے

شعر نہیں ہوتے تھے، بات یہ تھی کہ اگر چہ اُردو غزل کے کئی سُو اشعار مجھے بچپن ہی سے یاد تھے لیکن عام طور پر اُردو شاعری میں مجھے ایسے لوگوں کا مزاج ملتا تھا جن کا دل کڑا تھا اور جن کے لہجے میں تفکر کم تھا اور جہاں تھا وہاں حلاوت سے خالی۔ اِس شاعری میں دنیا کی پاکیزگی کا احساس بھی کم تھا۔ یہاں شکوہ اور شکایت کے دفتر باز تھے، زیادہ تر ناکام تعیش اور لذتیّت کے عناصر اس شاعری پر غالب تھے۔ مادے کی روحانیت اور طہارت کا احساس مفقود تھا۔ اِس شاعری میں غم کے احساس ذاتی ناکامی کا اظہار تھا اور نشاطیز اشعار ذاتی یا نفسیاتی خواہشوں کے پورا ہونے سے تعلق رکھتے تھے۔ اِس شاعری میں خیر و برکت کے عناصر مفقود تھے۔ اس میں امرت کی برکھا نہیں ہوتی تھی، جیسے شعر میں کہنا چاہتا تھا، اس کے نمونے ہی مجھے نہیں ملتے تھے، وہ دھونی یعنی گونج، وہ آواز نہیں ملتی تھی۔ جو بیک وقت زمین اور آسمان کی آواز ہے، جو یہ بتائے کہ دنیا اور دنیا کی زندگی سے پاکیزہ نہ کوئی خدا ہے نہ عقبےٰ میں ایسی شاعری چاہتا تھا جو رومانیت سے لبریز ''کفر'' (Paganism) کے لیے سنا سکوں۔

تُو ہی اے دل اب زمانے کو پیامِ کُفر دے
تُو نے دیکھا بھی ہے اُن آنکھوں کا سحر سامری

قیدِ فرنگ میں تو کچھ غزلیں کہنے کا موقع ملا جن خوبیوں سے میں نے اُردو شاعری کو عام طور پر محروم پایا تھا، ان کے علاوہ جو خوبیاں اُردو شاعری میں موجود تھیں، لیکن جن سے فائدہ اُٹھانے کے لیے تلاش اور نازک احساسات کی ضرورت تھی، انھیں بھی مشق اور غور و فکر، سماعی تخیل (Anditory Imagination) کی مدد سے حاصل کرتا رہا۔ لیکن میں شاعری ایسی کرنا چاہتا تھا کہ اپنے اشعار

میں ایسی روح، ایسی فضا اور فضا میں ایسی تھرتھراہٹ کہ وہ تمام خوبیاں جلوہ گر اور اُجاگر ہو جائیں جو اُس قوم کی تہذیب میں ملتی ہیں، جس قوم نے رامائن اور مہابھارت، سیتا، شکنتلا، کرشن، بدھ اور ہندوستان کے قدیم آرٹ کلچر کو پیدا کیا اور جس کلچر پر اسلامی اور جدید مغربی تہذیبوں کے اثرات سے اور بھی جلا ہوتی گئی۔ اگر اُن صفات کی کچھ جھلک میرے دس فیصدی اشعار میں بھی ملتی ہے تو میں اپنی کاوشوں اور کوششوں میں شاید ناکام نہیں رہا۔ بہرحال پچیس سال زیادہ تر میں غزلیں کہتا رہا ہوں۔ نظمیں بھی میں نے کہی ہیں، لیکن میری غزلیں لوگوں کو زیادہ متوجہ کر سکی ہیں۔ میں اس صفتِ سخن کی عظمت اور اس کے بلند امکانات کا قائل ہوں جسے نظم کہتے ہیں لیکن میں یہ نہیں مانتا کہ غزل میں حقیقی احساسات مشاہدے اور زندگی کے تجربے ظاہر نہیں کئے گئے یا نہیں کئے جا سکتے۔ ہاں اِس اظہارِ حقیقت میں بہت داخلیت اور سمیٹ کی بہت جامعیّت کی ضرورت ہوتی ہے۔''

ابتدائی دور میں فراؔق گورکھپوری کی شاعری پر اساتذہ کا اثر رہا جو آہستہ آہستہ کم ہو گیا۔

مصحفی کا رنگ دیکھئے : لے کے جب ناز سے انگڑائی وہ بستر سے اٹھا

فتنۂ صبح قیامت بھی برابر سے اٹھا

فراؔق کی شاعری میں لکھنؤ کی کلاسیک شاعری کا رنگ دیکھیں۔ فراؔق کا غم جو ان کی زندگی کی تلخیوں سے گہرا ہو رہا تھا ان کے وطن پرستی کے جذبے کو بھی اُبھار رہا تھا جیسا کہ فرائڈ کہتا ہے: ''ہماری وطن پرستی کا جذبہ ہماری اپنی تلخیوں اور ناکامیوں کی پیداوار ہی نہیں بلکہ آئینہ دار بھی ہوتا ہے۔''

فراقؔ دوڑ گئی روح سی زمانے میں
کہاں کا درد بھرا تھا مرے فسانے میں
غرض کہ کاٹ دیئے زندگی کے دن اے دوست
وہ تیری یاد میں ہو یا تجھے بھلانے میں
ہمیں ہیں گل ہمیں بلبل ہمیں ہوائے چمن
فراقؔ خواب یہ دیکھا ہے قید خانے میں

فراقؔ نے اپنی ابتدائی شاعری میں فانیؔ کی ترجمانی کرنے کی کوشش کی، لیکن ان کا تتبع نہیں کیا۔ فانیؔ کا غم ذاتی غم تھا لیکن فراقؔ غم کائنات کے ترجمان تھے۔

کبھی سازِ طرب سُن کے بھی آنکھیں بھیگ جاتی ہیں
نوائے شاعرِ فطرت الم کی داستاں کیوں ہو

یا کبھی کہتے ہیں۔

وہ ترا غم ہو یا غم آفاق
شمع سی دل میں جھلملاتی تھی

فراقؔ اُس دور میں لکھنؤ کے شعرا کے رنگ میں بھی شعر کہہ رہے تھے فراقؔ کے شعر میں عزیزؔ کے شعر کی بازگشت دیکھیے۔

کبھی حوصلے دل کے ہم بھی نکالیں
ادھر آؤ تم کو گلے سے لگالیں (عزیزؔ)

◆-◆-◆

کبھی ہم بھی تو حوصلے نکالیں
آؤ تمھیں سینے سے لگالیں (فراقؔ)

فراقؔ نے سب سے پہلی غزل ۱۹۱۶ء میں کہی۔ جب کہ بی۔اے میں تعلیم پا رہے تھے......اور خود فراقؔ کہتے ہیں:

''میں زیادہ تر امیر مینائی کا متبع ہوں اور چوں کہ عزیز لکھنوی، شاد عظیم آبادی، ناصری، مولانا حسرت، اصغر، یگانہ اور علاّمہ اقبال کے کلام کو اصلاح خیال کی نظر سے دیکھا ہے۔ اِس لیے اُن تاثرات سے بھی کلام رنگین ہے۔''

فراق کی شاعری میں ان کا اپنا رنگ گہرا ہوتا گیا ان کے کلام میں تبدیلی اور تغیر بڑھتا گیا، انھوں نے بحروں کے انتخاب اور الفاظ کے چناؤ میں نئے تجربے کیے اور غزل کے قدیم بدن میں تخیّل کا جدید خون داخل کیا۔

بس اک تسلسل تغیر حال قائم ہے
نصیب عشق فنا و دوام بھی تو نہیں

یہ سچ ہے کہ فراق کے پاس یہ تغیر ۱۹۳۷ء کے بعد نظر آتا ہے اسی لیے وہ کہتے ہیں کہ ''اب تک میں بہت کچھ بن بگڑ چکا ہوں اور شاید بدل بھی چکا ہوں......شاعر ہونے کی مجھے بہت مہنگی قیمت بھی دینی پڑتی ہے خون جگر کھانے کے معنوں میں نہیں بلکہ اُن معنوں میں کہ وجدانی شخصیت متعیّن اور محدود سی ہو جاتی ہے......شاعری میں میرا رنگ طبیعت جیسے جیسے نکھرتا گیا اس میں ایک انفرادیت آتی گئی۔''

یہ سچ ہے کہ رگھوپتی سہائے فراق اُردو ادب کی اہم شخصیت اور اُردو شاعری کے ممتاز شاعروں میں شمار کیے جاتے ہیں۔ یہ بیسویں صدی کے صفِ اوّل کے غزل کے شاعروں میں نظر آتے ہیں۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ اُردو غزل کی بہار کے آخری پھول ہیں۔ اسی لیے غزل کے یگانہ چنگیزی نے کہا تھا کہ ''ہم غزل کو فراق کے سپرد کر رہے ہیں۔'' اور جگر نے پیشین گوئی کی تھی کہ ''مستقبل میں جب لوگ ہمیں بھول جائیں گے اُس وقت بھی فراق کو یاد رکھیں گے۔''

اسی لیے آج اکیسویں صدی میں بھی فراق ایوانِ غزل کے اہم ستون تصوّر کئے جاتے ہیں۔ یہ سچ ہے جب ایک شخصیت شعر و ادب میں فکر و نظر میں کئی جہتیں رکھتی ہو تو زمانہ اُسے عموماً اُسی معروف و مشہور ہنر سے جانتا اور مانتا ہے جو اس کی

شاخت بن چکا ہے۔ چناں چہ فراقؔ بحیثیت ایک ادیب، نقاد، استاد، خطیب، مجاہد آزادی، انگریزی شاعر کم پہچانے جاتے ہیں اور دنیا انھیں ایک عظیم اُردو شاعر وہ بھی غزل کے شاعر کے نام سے جانتی ہے جب کہ انھوں نے عمدہ نظمیں اور منفرد موضوعات پر صدہا رباعیات بھی کہی ہیں جس کا خود فراقؔ نے گلہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ اُردو پرستاروں ادیبوں ناقدوں نے ان کی دوسری اصناف کے ساتھ خاطر خواہ انصاف نہیں کیا۔ ہماری اس تحریر کا مقصد فراقؔ کی شعری اصناف میں غزلوں اور نظموں کو بالائے طاق رکھ کر صرف ان کی رباعیات کو محراب تنقید شعر میں دیکھنا، دکھانا، سمجھنا، سمجھانا اور سجانا ہے۔

فراقؔ نے ۱۹۶۷ء کے ''گلبانگ'' کے پیش لفظ میں رباعیات کی تعداد ایک ہزار سے کچھ زیادہ بتائی ہے لیکن ہماری تحقیق کے مطابق رباعیات کی تعداد سات سو سے کچھ کم ہے امکان ہے کچھ اور رباعیات جو غیر مطبوعہ میں دریافت ہوں لیکن فراقؔ کے انتقال کے تقریباً چالیس سال بعد ان گمشدہ رباعیات کا ملنا آسان نہیں۔ مزید فراقؔ نے اپنی غزلوں کی تعداد بھی ایک ہزار کے لگ بھگ بتائی ہے۔ جب کہ اتنی تعداد میں غزلیں موجود نہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ فراقؔ کا کچھ کلام مفقود اور ضائع ہو گیا جیسا کہ دو درجن انگریزی کے عمدہ سانیٹ جن کا مطالعہ مجنوںؔ گورکھپوری اور الہ آباد یونی ورسٹی کے انگریزی کے استاد سا جھانے کیا تھا اب ان کا کوئی پتہ نہیں۔

مشاغل : فراقؔ کا اصلی شغل تو معلمی اور شاعری تھا۔ جس سے ہم سب آگاہ ہیں، لیکن ان کی متحرک شخصیت مسلسل تجربات میں مصروف تھی جو کبھی مشاغل کبھی شوق و ذوق کے مسایل سے دو چار اور لاچار رہتی چناں چہ کبھی دوکان لگائی گئی، کبھی طباعت کا پریس کھولا گیا، کبھی گھر میں مرغ داری تو کبھی گھر کے پیچھے کبوتر بازی کا شوق برقرار رہا اور فوراً ایک ہی جھٹکے میں برباد ہو گیا۔

آمدنی : فراقؔ نے اپنی اوایل زندگی میں کانگریس کمیٹی کے انڈر سکریٹری کی حیثیت

سے کبھی معلّمی سے کبھی ادبیات پر اُردو ہندی اور انگریزی میں مضمون نگاری کر کے اپنا خرچ نکالا اُس وقت وہ شراب کے رسیا نہیں تھے البتہ تمام عمر پیسوں کے معاملے میں حسّاس اور بخیل تھے اسی لیے انھوں نے اپنی بیوی کو 1956ء کو میکے بھیج کر کبھی پیسہ نہیں بھجوایا ان کی بیوی کشوری دیوی تقریباً تیس سال بعد ان کے آخری رسومات میں شرکت کرنے الٰہ آباد آئیں تھیں۔ فراقؔ کو یونی ورسٹی کی لکچراری کی تنخواہ کے ساتھ کتابوں کی رایلٹی، مشاعروں اور قدر دانوں سے کچھ نہ کچھ ملتا رہتا تھا۔ انھیں یونی ورسٹی گرانٹ کے علاوہ ایمرسٹ پروفیسر الاونس اور کانگریس عہدیداروں سے نقدی بھی کبھی کبھار ملتی رہتی۔ فراقؔ پر پنڈت نہرو، اخلاق الرحمان قدوائی، اندرا گاندھی، آئی کے گجرال ہمیشہ مہربان رہے اور انھیں پیسوں سے نوازتے رہے۔ فراقؔ کو پدما بھوشن خطاب، ساہتیہ اکادمی ایوارڈ، نہرو ایوارڈ، گیان پیٹھ ایوارڈ ایک لاکھ روپیوں کے ساتھ دیا گیا۔ ان مالی امداد سے فراقؔ زندگی کو راحت سے گزار رہے تھے چناں چہ آنکھ کے آپریشن کے لیے بھی اندرا گاندھی نے پانچ ہزار کی رقم منظور کی۔

بیماریاں: فراقؔ اُس گروہ سے تعلق رکھتے تھے جو عموماً اپنی بیماریوں کا پرچار نہیں کرتے لیکن خود ان کی تحریروں، تقریروں اور ان کے رشتے دار، دوست اور بیگانوں کی گفت وشنید میں ان طبّی نکات اور مزاجی حالات سے آگاہی ہوتی ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ فراقؔ ذہنی اور بدنی بیماریوں سے دو چار تھے۔ جوانی میں شادی کے فوری بعد ایک سال تک نیند سے محروم رہنا اور پھر میان سال عمر میں دوبارہ بے خوابی کے حملے سے دو چار ہونا اور تمام عمر گہری آرام دہ نیند کو ترسنا ذہنی بیماری اور نیوروسس یا Sleeping disorders وغیرہ کی کوئی خاص حالت ہے جو ایک قسم کی دماغی بیماری تصوّر کی جاتی ہے۔ شاید اسی لیے وہ آخری عمر میں شراب کے معتاد یعنی

ایڈکٹ ہو گئے تھے۔

ہمیں اتنا تو معلوم ہے کہ جیل، زندان، قفس اور گھر کے اندر نظر بند شاعروں نے بڑی خوب صورت اور تاثیراتی شاعری کی ہے۔ ہزار سال قبل غزنوں خاندان کے شہزادے اور عمدہ شاعر سلمان سعد جو لاہور میں اٹھارہ سال مقید رہا۔ عربی، فارسی اور قدیم اُردو میں صاحبِ دیوان شاعر قرار دیا گیا ہے، منؔیر شکوہ آبادی کے ہمراہ دوسرے شعرا بھی کالا پانی میں مقید رہے۔ انگریزوں کے دور میں قید خانوں سے آزادی کے شعلوں کی گرمی اور دھواں بن کر اشعار شہروں میں پھیلنے لگے لیکن ضرور کچھ مشاعرے بھی ہوئے ہوں جس کی مستند تاریخ یا روداد ہمارے پاس نہیں۔ فراؔق گاندھی جی کی آزادی بخش کاوشوں سے متاثر تھے ان کو تحریک موالات کی جدوجہد ڈیڑھ سال کی جیل اور پانچ سو روپئے کا جرمانہ کی سزا دی گئی۔ جب فراؔق آگرہ جیل میں تھے تو ادبی پرستاروں نے مشاعرے کی بنا ڈالی۔ فراؔق نے طرحی مشاعرے میں جو غزل سُنائی اس کا ایک شعر یہ تھا ؎

اہلِ زنداں کی یہ محفل ہے ثبوت اس کا فراؔق
کہ بکھر کر بھی شیرازہ پریشان نہ ہوا

فراؔق ابھی جیل ہی میں تھے ان کے چھوٹے بھائی ترپراری سرن مر گئے تو نوحہ لکھا، جس کے دو شعر یہ ہیں ؎

ایک سناٹے کا عالم ہے در و دیوار پر
شامِ زنداں اب ہوئی ہے شامِ زنداں ہائے ہائے
گھر کو میں کیا منھ دکھاؤں گا رہا ہوکر فراؔق
میں اسیر اور ان کے یہ حال پریشان ہائے ہائے

جس زمانے میں جدوجہد آزادی اپنی اوج پر تھی۔ برٹش گورنمنٹ کی ہر روکاوٹ ہر قسم کا ظلم و جور ہر طرف قانون بن چکا تھا۔ جیلوں میں سیاسی زندانی بھرے پڑے تھے۔ کانگریس کمیٹی کے صدر محمد علی جوہر اور ان کے ساتھ مہاتما گاندھی اور

پنڈت نہرو دن رات سرگرم تھے۔ جب نہرو گورکھ پور میں آ کر فراقؔ سے ملے تو انھیں اپنا انڈر سکریٹری بنایا پر وہ چار سال کی مدت یعنی 1927ء سے 1930ء تک یعنی پنڈت نہرو کے انگلستان جانے تک مشغول رہے۔ اس زمانے میں انھیں ڈھائی سو روپے ماہانا وظیفہ دیا جاتا تھا۔

فراقؔ کرسچن کالج لکھنؤ، سناتن دھرم کالج کانپور میں کام کرنے کے بعد 1930ء میں آگرہ یونی ورسٹی سے ایم اے کر کے الہٰ آباد یونی ورسٹی میں شعبہ انگریزی میں لکچرار کے عہدے پر کام کر کے 1958ء میں لکچرار ہی کی حیثیت سے ریٹائر ہوئے۔

فراقؔ کے واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کھانے کے شوقین تھے وہ کئی اوقات تے اور اجابتوں کے حملے سے فریش رہتے شاید اس کی اصلی اور دائمی علت ورم معدہ gastritis ہو جو غذا کی الرجی یا Food Poisoning کی وجہ سے ہو۔ فراقؔ بڑھاپے میں جوڑوں کے درد اور عضلات کی سختی کا شکار تھے۔ انھیں بواسیر، قبض، موتیا بند، ہرنیا، کمزوری، پروسٹیٹ کی بیماری، ذیابیطس سب کچھ کم و بیش تھی۔ وہ کسی خاص مصالحتی اسکیم کے تحت اپنا علاج نہیں کرواتے تھے، کبھی یونانی، کبھی ایورودیک، کبھی ہومیو پیتھک، کبھی ایلو پیتھک ہر قسم کا علاج چلتا رہتا یا علاج ہی نہیں ہوتا بلکہ شراب کی مقدار بڑھ جاتی بعض افسردگی کے اوقات ان سے شراب بھی چھوٹ جاتی، وہ دیسی بدیسی ہر قسم کی شراب پیتے تھے۔ شراب کا انتخاب ان کی جیب کے سکّوں پر ہوتا۔ یہ تمام حالات ہم نے ان کے نزدیک و دور، عالم و عامی، دوست و دشمن سے سنے ہیں۔

آخری سفر: فراقؔ کی آنکھ کا موتیا بن چکا تھا اور اس کو موتیا بند کے آپریشن کی ضرورت اس لیے لاحق ہو گئی تھی کہ فراقؔ کی بینائی بہت متاثر اور ان کا مطالعہ تقریباً ختم ہو چکا تھا، چناں چہ فروری 1982ء میں الہٰ آباد سے دہلی جا کر ''آل انڈیا انسٹی ٹیوٹ فار میڈیکل سائینس'' دہلی میں آپریشن

کروایا اور وہاں پر ہی ان کو جوشؔ ملیح آبادی کے انتقال کی خبر وصول ہوئی۔ سُن کر رنجیدہ ہوئے کہ سب سے زیادہ محبّت کرنے والا ساتھی چھوٹ گیا۔ ایک میرؔ کے شیدائی نے دوسرے میرؔ کے عاشق کے لیے میرؔ ہی کا شعر منتخب کیا۔ فراقؔ کے سوانح خاکہ میں ام حبیب خان نے شعر لکھّا ہے

جن جن کو تھا یہ عشق کا آزاد مرگئے ؎
اکثر ہمارے ساتھ کے بیمار مرگئے

فراقؔ آپریشن کے بعد اپنے دوست کے گھر گئے وہیں مقیم تھے کہ ان کی طبیعت مسلسل خراب رہنے لگی علاج بھی چلتا رہا اور ۳ر مارچ کو ۱۹۸۲ء وہ اس جہاں فانی سے کوچ کر گئے۔ فراقؔ کی میّت سرکاری اعزانات، پولیس کی سلامی کے ساتھ اُٹھائی گئی اور ان کے بھتیجے اُرن سہائے نے ان کی چتا کو آگ دی۔

❑❑❑

رباعیاتِ فراؔق کا سرسری مطالعہ

اُردو کے کئی بڑے رباعی گو شاعروں نے مروجّہ موضوعات جیسے حمد، نعت، منقبت، تصوف معارف وحقایق، اخلاق وکردار سازی، حریّت، قومی یک جہتی، پندو مواعظت کے علاوہ کسی خاص موضوع کو بھی اپنایا جس سے ان کی رباعیوں کی شناخت بھی قائم ہوئی مثلاً اُردو کے پہلے صاحب دیوان شاعر محمد قلی قطب شاہ کی رباعیات کا محور عشقیہ واردات تھی، میر تقی میرؔ کی رباعیوں میں غم کا سوز وگداز چھلکتا ہے۔ غالبؔ کے پاس فلسفہ کی باریکیاں، مرثیہ کے آفتاب ومہتاب انیسؔ و دبیرؔ کے پاس برگزیدہ ہستیوں کے اقدار جو شہادت کے خون سے سرخ رونظر آتے ہیں۔ اگر رشیدؔ لکھنوی کے پاس پیری کے احوال کا ذکر ہے تو جوشؔ کے پاس انقلاب کی گونج اور فراؔق کے پاس جنسیت جسمانیت اور شرینگار رس۔ فراؔق نے اُردو رباعی میں شرینگار رس کا تجربہ کیا وہ پہلے دکنی اور قدیم اُردو شاعری رواج پا چکا تھا لیکن اُردو کے ادیب وشعرا اس سے باخبر نہ تھے یہ اور بات ہے کہ فراؔق کی رباعیات کا معیار اونچا ہے اور ان کی زبان صاف ستھری ہے جس میں حسبِ ضرورت ہندی، سنسکرت کے الفاظ نظر آتے ہیں۔ تاکہ موضوع ارضیت کے ساتھ ساتھ ہندوستان کی تہذیب کی عکاسی بھی کرسکے۔

فراؔق نے ۱۹۶۷ء کے ''گلبانگ'' کے پیش لفظ میں رباعیات کی تعداد ایک ہزار سے کچھ زیادہ بتائی ہے لیکن ہماری تحقیق کے مطابق رباعیات کی تعداد سات سو سے کچھ کم ہے امکان ہے کچھ اور رباعیات جو غیر مطبوعہ میں دریافت ہوں لیکن فراؔق کے انتقال کے تقریباً چالیس سال بعد ان گمشدہ رباعیات کا ملنا آسان نہیں۔ مزید

فراقؔ نے اپنی غزلوں کی تعداد بھی ایک ہزار کے لگ بھگ بتائی ہے۔ جب کہ اتنی تعداد میں غزلیں موجود نہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ فراقؔ کا کچھ کلام مفقود اور ضائع ہوگیا جیسا کہ دو درجن انگریزی کے عمدہ سانیٹ جن کا مطالعہ مجنوںؔ گورکھپوری اور الٰہ آباد یونی ورسٹی کے انگریزی کے استاد ساجھا نے کیا تھا اب ان کا کوئی پتہ نہیں۔

فراقؔ کی رباعیات جو ان کے مختلف مجموعہ کلام میں شائع ہوئیں ان کو بقول جمیل جالبی ہم دو زمانوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ پہلا دور ۱۹۲۹ء سے شروع ہوتا ہے ان رباعیات پر آسیؔ غازی پوری کا اثر نمایاں ہے لیکن اسی کے ساتھ انیسؔ و حالیؔ کا ملا جلا اثر بھی موجود ہے۔ پہلے دور میں (۶۸) اڑسٹھ رباعیات ہیں۔ دوسرا دور جو ۱۹۴۵ء سے شروع ہوا اُس میں فراقؔ نے ''روپ'' کے عنوان سے (۳۵۱) تین سو اکیاون رباعیات شائع کیں۔

رباعیات کی تفصیل کچھ اس طرح ہے۔

''روحِ کائنات''	=	(۶۸)	رباعیات
''گلبانگ''	=	(۱۵۹)	رباعیات
''روپ''	=	(۳۵۱)	رباعیات
روپ انتساب (متفرق)	=	ایک رباعی	
''انقلاب چین''	=	(۱۳)	رباعیات
کُل رباعیات مطبوعہ	=	(۵۹۲)	(592) رباعیات

اُردو شاعری کا دامن گلہائے رباعی سے بھرا ہے۔ اس گلشن رباعی پر فارسی بہار کا اثر ہے۔ اُردو کے ہر بڑے اور ممتاز شاعر نے رباعیات کہی ہیں۔ وؔلی، میرؔ، سوداؔ، انیسؔ، دبیرؔ، غالبؔ، اکبرؔ، رشیدؔ وغیرہ کے علاوہ بیسویں صدی میں جن شاعروں نے رباعی گوئی میں نام کیا ان میں رواںؔ، اکبرؔ، امجدؔ، جوشؔ اور فراقؔ سرفہرست ہیں۔

علّامہ اقبال کے کلام میں جو چار مصرعوں کی ترکیب نظر آتی ہے ان میں صرف تین رباعیات کو چھوڑ کر اور رباعی نہیں کیوں کہ وہ رباعی کی ہیّت میں نہیں انھیں قطعہ، چار مصرعے، دوبیتی، ترانہ وغیرہ کچھ بھی کہہ سکتے ہیں لیکن یہ رباعی کے اوزان میں نہ

ہونے کی وجہ سے رباعی کی صنف میں شمار نہیں ہوسکتیں۔ اگرچہ اس سے علاّمہ اقبالؔ کے کلام و پیام پر کوئی خاص اثر نہیں پڑتا۔

فراقؔ کی پہلی رباعی ان کے والد کے انتقال پر ہے جس کی نشاندہی انھوں نے اپنی خودنوشت ''میری زندگی کی دھوپ چھاؤں'' میں کی ہے۔ یہ رباعی فراقؔ کے مجموعۂ کلام ''روحِ کائنات'' میں ہے، اگرچہ یہ ۱۹۱۸ء میں لکھّی گئی ہے۔

غفلت کا حجاب کوہ و دریا سے اٹھا
پردہ فطرت کے روئے زیبا سے اٹھا
پو پھٹنے کا سماں سہانا ہے بہت
پچھلے کو فراقؔ کون دنیا سے اٹھا

فراقؔ کی رباعیوں کی شہرت ''روپ'' کی رباعیات سے ہے جنھیں انھوں نے ۱۹۴۶ء میں الہ آباد سے شائع کیا اور اس کا انتساب ''شاعرِ اعظم جوشؔ ملیح آبادی'' کے نام کیا تھا۔

یہ بھی ہمارے ادب کا المیہ ہے کہ تخلیق کار کو صرف ایک ہی زاویہ سے دیکھتے اور پرکھتے ہیں، چناں چہ اُردو دُنیا ان کو صرف عمدہ عظیم غزل گو جانتی اور مانتی ہے جب کہ انھوں نے عمدہ نظمیں اور جدید طرز پر رباعیات بھی لکھّی ہیں، یہی نہیں وہ ایک تازہ فکر نقاد، ایک باعلم ادیب ایک عمدہ استاد، خطیب، انگریزی شاعر اور مجاہد آزادی بھی تھے اسی لیے ان کے ہم وطن اور دوست مجنوںؔ گورکھپوری نے انھیں ''آٹھ کپاری'' کہا تھا یعنی ایک سر میں آٹھ دماغ۔ اُردو ادب کے مایۂ ناز شاعر اور ادیب وحید اخترؔ نے اپنے مضمون ''شعرِ فراقؔ ماسوائے غزل'' میں بہت صحیح لکھا ہے: ''جب بھی ہم کسی شاعر پر حکم لگانے بیٹھتے ہیں تو اسے کسی ایک خانے میں قید کر دینا چاہتے ہیں۔ یہ غلط تصوّر ہمارے یہاں مروج ہے کہ کوئی بھی لکھنے والا یا تو نثر نگار ہوگا یا شاعر۔ نہ جانے کیوں اسے لوگ قبول کرنے پر تیار نہیں ہوتے کہ ایک ہی شخص بیک وقت اعلیٰ درجے کا نثر نگار بھی ہوسکتا ہے اور شاعر بھی۔ اگر کوئی شخص بدقسمتی سے نثر بھی لکھتا ہے اور

شاعری بھی کرتا ہے تو اُسے یہ جملہ سننا پڑے گا کہ ''تم تو نثر کے آدمی ہو شعر خواہ مخواہ کہتے ہو۔'' اور نثر والے اس سے کہیں گے ''تم تو شاعر ہو شاعری پر اپنی توجہ مرتکز رکھو۔'' یہ نقص ہماری زبانی تنقیدوں ہی میں نہیں بلکہ تحریری تنقیدوں میں بھی نظر آتا ہے۔ احمد ندیم قاسمؔی کے لیے میں نے بہت سے شاعروں کو یہ کہتے سنا ہے کہ وہ تو بنیادی طور پر افسانہ نگار ہیں اور بہت سے افسانہ نویسوں کو یہ کہتے پایا ہے کہ وہ اصل میں شاعر ہیں...... مغربی ادب میں تو ایک ہی شخص بیک وقت نقاد بھی ہوتا ہے، ناول بھی لکھتا ہے، ڈرامے بھی قلم بند کرتا ہے اور شاعری بھی کرتا ہے اور شاعری بھی کسی ایک ہیّت (form) کی پابند نہیں ہوتی۔ میرؔ کے لیے لاکھ کہے کہ وہ تو غزل کے شاعر تھے لیکن ان کی مثنویاں، قصیدے، مرثیے اور دوسری چیزیں اس خیال کی تردید کے لیے گواہ عادل ہیں۔ سوداؔ کے لیے ان کی زندگی میں کسی نے کہہ دیا اور آگے چل کر کسی نے لکھ دیا کہ وہ تو قصیدے کے بادشاہ تھے اور ہمارے روایت پرست نقاد یہ جملہ لے اُڑے حالانکہ سوداؔ کی ہر غزل زبان حال سے کہہ رہی ہے ؎

جو یہ کہتے ہیں کہ سوداؔ کا قصیدہ ہی ہے خوب
ان کی خدمت میں لیے میں یہ غزل جاتا ہوں

انیسؔ نے مرثیے کے علاوہ جو بھی لکھا وہ نہ ہونے کے برابر ہے لیکن ان کی رباعیوں کی کمیت اور کیفیت کو سب مانتے ہیں اس کے علاوہ ان کے سلام بتا رہے ہیں کہ اگر وہ غزل لکھتے تو کس درجہ کی لکھتے...... اقبالؔ کی بڑائی ان کی نظمیہ شاعری ہی کی وجہ سے نہیں بلکہ اس وجہ سے بھی ہے کہ انھوں نے غزل کو نئی زندگی اور توانائی عطا کی...... بڑے شاعروں کی شخصیت اتنی تہہ دار ہوتی ہے کہ اُسے کسی صنف میں بند کیا ہی نہیں جا سکتا وہ ہر صنف میں اپنے اظہار کا نیا اور جاندار رستہ نکال ہی لیتی ہے...... اس لیے فراقؔ کے مطالعے کو محض ان کی غزلوں تک محدود رکھنا ان کی شخصیت اور شاعری کے ساتھ ناانصافی ہوگی۔''

فراقؔ کی رباعیات پر اگر تفصیل سے گفتگو کی جائے تو پہلے ان نکات پر توجہ دینا

ضروری ہے۔

ا۔ فراقؔ نے اپنی رباعیات کی تعداد ''گلبانگ'' کے پیش لفظ میں ایک ہزار سے زیادہ بتائی ہے جب کہ مطبوعہ رباعیات (۵۸۰) سے کم ہیں۔ اگر فراقؔ کی بیاضوں اور قدیم رسالوں، مشاعروں کی رپورٹوں سے استفادہ کیا جائے تو شاید موجودہ تعداد میں اضافہ ہو سکے۔

ب۔ فراقؔ کی رباعیوں کی شہرت ''روپ'' کی رباعیات سے ہے جن کی تعداد (۳۵۱) ہے۔ ان رباعیات کا موضوع زیادہ تر ''شرینگار رس'' سے مربوط ہے۔ جب کہ ان کی تقریباً چالیس فیصد سے زیادہ رباعیات حب الوطنی، قومی یک جہتی، ہندوستانی کلچر اور تہذیب، آفاقیت، بھگتی اور فلسفہ پر مبنی ہیں۔

ج۔ فراقؔ ''سنگھار رس'' کی رباعیات کا طرز بیان، لہجہ، موضوع، اس کی زبان تلمیحات، استعارات، تشبیہات ان کی دوسری رباعیات سے خاصے فرق رکھتی ہیں۔ ان میں سنسکرت کے ہندی کے نامانوس ادق لفظوں کی گونج صاف سُنائی دیتی ہے۔ اسی ''روپ'' کی رباعیات پر اعتراضات کیے گئے اور ان میں عروضی کوتاہیوں کی نشاندہی بھی کی گی۔ اگر چہ فراقؔ ''روپ'' کے مقدمے مطبوعہ ۱۹۴۶ء میں اس بات کا انکشاف کیا تھا۔ ''ان رباعیات میں کہیں کہیں ایطاء کا بھی میں مرتکب ہو گیا ہوں۔ ایطاء کو میں صرف کبھی کبھی اور کہیں کہیں جائز سمجھتا ہوں ممکن ہے کچھ اور فرد گذاشتیں بھی ان رباعیات میں نظر آئیں۔''

د۔ اُردو رباعی پر بھی فارسی رباعیات کے مضامین تصوف، اخلاق و اخلاص نگاری، پند و نصیحت، فلسفۂ حیات و ممات کی چھاپ گہری ہے جب کہ فراقؔ کی رباعیات میں یہ مضامین یا بہت کم رنگ ہیں یا نہ ہونے کے برابر ہیں۔

ھ۔ فراقؔ کی رباعیات میں جتنی ہندوستانیت، ہندوستانی کلچر، ہندوستانی مناظر، ہندوستانی تاریخ و جغرافیہ اور تمدن کی نقش نگاری موجود ہے وہ کسی اور اُردو شاعر کے پاس نہیں۔

شاعر خوشگوار رات کی تنہائی میں حیات اور ذات کے رموز کو سمجھنے کی کوشش کر رہا ہے۔ فراقؔ نے اپنی شاعری میں رات کے پیکر سے روشنی بکھری ہے۔ یہاں رات بھیگ چکی ہے دنیا سُو رہی ہے، تارے جھلملا رہے ہیں اور شاعر خیالات کی دُنیا میں ڈوب کر جا رہا ہے۔ دو فارسی کی ترکیبیں اپنے گہرے معنوں کے ساتھ ''معنی کائنات'' اور ''رازِ صفات ذات'' کی شکل میں دریچے کھول رہی ہیں۔ اس کی ردیف ''مجھ میں آجا'' بھی خوب ہے ۔

اے معنیٔ کائنات مجھ میں آجا
اے رازِ صفاتِ ذات مجھ میں آجا
سونا سنسار جھلملاتے تارے
اب بھیگ چلی ہے رات مجھ میں آجا

تقریباً اسی موضوع پر ایک اور رباعی میں ہندی کے رسیلے اور عام فہم الفاظ کے ساتھ فارسی کے الفاظ کی تراکتب عمدہ نگارش خیال کی جھلک پیش کر رہی ہے ۔

ہنگامۂ روزگار دم لیتے ہیں
سنسار کا ہم بھید بھرم لیتے ہیں
یہ لمحے وہ ہیں جب دل شاعر میں فراقؔ
کچھ رمز و کنایات جنم لیتے ہیں

یہ سچ ہے کہ برصغیر دُنیا کی وہ بستی ہے جس میں حیات و ممات کے فلسفے کے عظیم لوگ گزرے ہیں، اسی لیے علاّمہ اقبالؔ نے ''جاوید نامہ'' میں فلک قمر پر غار کے سامنے ایک ہندی سادھو وشوامتر (جہان دوست) کو رکھا اور اُس کے نو نکات رموز کو ''عارف ہندی'' کے نام سے تشہیر کیا۔ فراقؔ اپنے شعری مجموعے ''گلبانگ'' کی فکریات میں ایک غیر مردّف رباعی میں ہندی تلمیح رشیوں کے ساتھ فارسی کی تراکیب اور گراں بار الفاظ روح، روان، تہذیب اور راز دوام سے ہندوستان کی ارضیت کو جو قدیم ترین قوم ہے سلام کرتے ہیں ۔

اے سب سے پرانی قوم دُنیا کی، سلام
رشیوں نے بتائے تجھے وہ رازِ دوام
کہتے ہیں جنھیں روح و روانِ تہذیب
مضمر جن میں ہیں زندگی کے پیغام

فراؔق نے بھگتی کے فلسفے سے جوڑا ہے۔فراؔق نے مادرِ ہند کوخراج عقیدت پیش کرتے ہوئے یہاں کے سپوتوں کے رموز جو وجود وموجود، وحدت اور کثرت وجدان اورشعور، دُنیاوعقبیٰ اورممنوع وحرام پر ہیں ذیل کی رباعیوں میں ظاہر کیا ہے۔

افلاک حضوری میں تری سر بہ سجود
جس کو سمجھے بغیر جینا بے سود
تو ہی نے بتایا ہمیں معلوم نہ تھا
وہ نازک رشتۂ وجود و موجود

◆-◆-◆

اے کاش کہ راز ہائے فطرت سمجھیں
اے کاش کہ رمز ہائے کثرت سمجھیں
اے کاش کہ ہر مذہب وملّت والے
گونا گوں زندگی کی وحدت سمجھیں

فراؔق مصرعوں میں تکراراور ردیف رکھ کراس کی غنایت کوابھار دیتے ہیں۔وہ ہر گونہ شعری حُسن اور سہولت سے استفادہ کرتے ہیں جوان کی قادرالکلامی ہے۔

ذیل کی رباعی معنی خیز تو ہے ہی لیکن مصرعوں میں دو قافیوں نے مصرعوں کے تاروں میں نغمے بھر دئے ہیں۔ یہاں بھی شاعران رموز کے دفاتر کی نشاندہی کر رہا ہے جوبکھرے پڑے ہیں۔شبنم کی کھنک،نغموں کی لچک، کیفیت حال سبھی کچھ بڑی شاعری ہے۔

شبنم کی کھنک لیے ادائیں تیری
نغموں کی لچک لیے ہوائیں تیری

کھولے وجدانیات کے راز اس طرح
ہیں حال میں آج تک فضائیں تیری

◆-◆-◆

اک راز سے کر رہا ہوں تجھ کو آگاہ
ممنوع و حرام کچھ نہیں ہے واللہ
جس کام میں محویت کامل نہ رہے
اے دوست سمجھ لے کہ ہے وہ کام گناہ

فراؔق وطن دوست وطن پرست ہیں وہ مادرِ ہند سے خطاب میں بتاتے ہیں کہ یہاں ہر فرقہ، ہر ملّت، ہر مذہب کے افراد نے زندگی بسر کی ہے یہ سب اس سرزمین کی اولادیں ہیں۔

ہر فرقہ و ہر ملّت و ہر مذہب و دیں
سب نے جائے پناہ پائی ہے یہیں
اولاد میں مامتا جھلکتی ہے تری
دُنیا کی مادرِوطن ہے یہ زمیں

◆-◆-◆

گہرا ہر قوم سے ترا ناتا ہے
ہم پر ہی نہیں ماں تجھے پیار آتا ہے
اوروں کا بھی حق ہے مامتا پر تیری
سنتے ہیں ترا نام جگت ماتا ہے

فراؔق اسی سرزمین کے سپوت شہید سرؔمد کو بطور حق گفتار، شجاع، قومی یک جہتی کا حاصل قلندر سمجھ کر اس کی شہنشاہِ وقت سے رنجش اور شہادت کو اپنی رباعیات میں کئی کیفیتوں جیسے رقصِ سرمدی، چراغ سرمدی، سازِ سرمدی اور نوائے سرمدی کے ذیل نظم کرتے ہیں۔ شاعر نے یہاں سرمدی بطور صنعت ایہام استعمال کیا ہے جس کے

قریبی معنی دائمی، بقائی اور الٰہی کے ہیں اور اس کے بعید معنی روایت اور واقعات سرمد سے وابستہ ہیں۔ ذیل کی رباعیات سنیے اور سر دھنیے۔ شاعر مادرِ ہند سے کہہ رہا ہے۔

وہ اندر دھنش وہ سات رنگوں کی پھوار
بہروپ دکھاتے موسموں کی رفتار

آجاتی ہے جھنکار تری پایل کی
اک رقص سرمدی ہے یا رت سنگھار

اس رباعی میں ہندی سنسکرت کے الفاظ کے ساتھ قدیم حکایات اور تلازمات مصرعوں میں نگار ہوئے ہیں۔

آکاش کے مندر میں ترا درشن ہے
سینے میں چراغ سرمدی روشن ہے
رخساروں میں پہلی صبح کی نرم دمک
مکھڑے پر ترے عجب سہانا پن ہے

فراقؔ کے مصرعوں میں اُردو، فارسی اور ہندی کے رسیلے الفاظ کا خوبصورت ملاپ ہے۔ چراغ کی نسبت سے ہر مصرعے میں روشنی اور دمک کا پھیلاؤ ہے۔ یہ عمدہ شاعر کا معمولی سا کرشمہ ہے۔

پیشانی ہے آئینہ اسرار دوام
ہاتھوں میں حیات کے چھلکتے ہوئے جام
لب ہیں کہ نوائے سرمدی کے کوندے
تیرا سنگیت زندگی کا پیغام

کوندے میں روشنی اور گرج دونوں شامل رہتی ہے۔ رباعی میں آئینے کے ساتھ لب، نوا اور سنگیت کو بھی جوڑ دیا ہے تاکہ نوائے سرمدی رباعی کی فضا پر کڑک جائے۔

ذیل کی رباعی میں ساز سرمدی کے ساتھ طاؤس و رباب بول اور مضراب کا اہتمام کیا گیا ہے۔خواب اور آنکھوں کے رشتے کو دکھا کر اچھوتا مضمون یہاں نظر کی مضراب خاص کیفیت کا حامل ہے۔

شمشیر و کتاب اور طاؤس و رباب
تیری آنکھوں کے اتنے سستے نہیں خواب
بول اٹھتے ہیں ساز سرمدی کے پردے
پڑتی ہے تری نظر کی جس دم مضراب

فراقؔ ارضیت ہند کو وہ اونچا اور عالی مقام دے رہے ہیں جو ہماری دانست میں جنّت کا ہے چناں چہ حور و غلماں کے حسن ہندی، یہاں کی ندیوں کے بہاؤ کو نہر کوثر، یہاں کے گلشن کو گلزار اور مٹی کو ارضِ جنّت سے تقابل کرتے ہیں۔

حور و غلماں حسنِ ہندی کی صفت
گلزار جناں میں ترے رنگ و نکہت
ندیوں کا تری نچوڑ نہر کوثر
مٹی میں ہے تری شانِ ارضِ جنّت

فراقؔ کی ان رباعیات میں بھارت کی تاریخ یہاں کی مذہبی روایات اور رواداری کے علاوہ ہندو دھرم اور مسلمانوں کی اہم شخصیات اور روایات شامل ہیں۔ نمونے کے طور پر تین چار رباعیات کے ماخوذات یہ ہیں۔

کنیائیں ازل کی ہے صباحت جن میں
رادھا کی اداؤں کی نزاکت جن میں
تو آج بھی جن رہی ہے ایسے بچّے
ہے کرشن کی شوخی شرارت جن میں

◆-◆-◆

ساوتری و سیتا کی قسم کھائے ہوئے
ہے اب بھی زن ہند میں اک دیویت

◆-◆-◆

شعلے سے جبینوں سے لپک جاتے ہیں
رخ بھشیم وارجن کے جھلک جاتے ہیں

◆-◆-◆

ماتا ترے فرزند بھرت کا کردار
وہ تخت و تاج چھوڑنے کا ایثار
رہتے ہوئے رام غریب الوطنی
ٹھوکر سے قدم کی وہ اہلیا ادھار

◆-◆-◆

وہ جین اور بدھ مت کی غائر نظری
انکار کو کردیا ہے رشکِ اقرار

◆-◆-◆

فطرت نہ دیا ہے تجھ کو درس یقیں
کہیے جسے جلوہ دہِ ہر مذہب و دیں
منڈلائی ہوئی گھٹاؤں میں ہے شانِ جبریل
کیا کریں مہر و مہ کی آیات نہیں

فراقؔ کی جو رباعیات مادرِ ہند سے خطاب میں ہے وہ سرزمین ہندوستان کی عظمت کے ساتھ اس کے باشندوں کو دوستی قومی یک جہتی اور انسانی قدروں سے روشناس کرتی ہیں جو شاعری کی خوب صورتی ہے جہاں شاعر پیام بر بن جاتا ہے۔
اگر ہم فراقؔ کی رباعیات اور رباعیوں کے مصرعوں کو جوڑ دیں تو وہ یک جہتی اخوت بھائی چارگی اور اتحاد کا منشور بن جاتی ہے۔

تہذیب کی پہلی صبح کی پاک دعائیں
دیتی ہیں سنائی تم میں ویدوں کی رچائیں

◆-◆-◆

دُنیا کے کتب خانوں سے جو پنہاں تھے
وہ راز کھلے ہیں جنگلوں میں تیرے

◆-◆-◆

انسان کو انسان بنایا تو نے
وجدان کو وجدان بنایا تو نے
ہر فن کو آئینہ حقیقت کا کیا
ہر علم کو عرفان بنایا تو نے

◆-◆-◆

قوموں کے تضاد کو مٹانا ہے تجھے
قوموں کی بنیاد کو مٹانا ہے تجھے
ناقابل تقسیم ہے دُنیا کی فلاح
تقسیم مفاد کو مٹانا ہے تجھے

◆-◆-◆

دُنیا کو جنگ سے بچانا ہے تجھے
اقوام کی دشمنی مٹانا ہے تجھے
جو جاگ کے بھی ہیں کانوس زدہ
ان جاگے ہوؤں ہی کو جگانا ہے تجھے

◆-◆-◆

اس دور نفاق کو مٹانا ہے تجھے
اک مرکز پر بشر کو لانا ہے تجھے

متضاد جہتوں میں بٹ گئی ہیں اقوام
بچھڑوں کو کھینچ کے ملانا ہے تجھے

◆-◆-◆

پھیلے گا ترا فیض ابھی عالم عالم
انسان کے سر پر ہو ترا دست کرم
اقوام کے قالب میں تجھے حل ہوکر
دُنیا کو بنا دیا ہے ہند اعظم

◆-◆-◆

فراقؔ عشقیہ شاعری کے امام ہیں وہ عاشق ہیں اور ٹوٹ کر ذات اور کائنات سے عاشقی کرتے ہیں اسی لیے ان کی آماج گاہ دل قرار پائی اور ان کی شاعری میں دل کا سودا اور دل سے برتاؤ انوکھا ہے یہ عشق یوں مجازی اور جسمانی ہے لیکن بعض مقامات پر حقیقت کی طرف پرواز کرنے لگتا ہے۔ ایک مقام پر عشق کی بابت تعلّی سنیے ؎

پیغمبرِ عشق ہوں سمجھ میرا مقام
صدیوں میں پھر سُنائی دے گا یہ پیام
وہ دیکھ کہ آفتاب سجدے میں گرے
وہ دیکھ اٹھے دیوتا بھی کرنے کو سلام

شاعر انسانیت کے ارتقا میں درد دل کی اہمیت اور ضرورت پر مختلف زاویوں سے روشنی ڈالتا ہے۔ انسان اس ترقی کی منازل کو بتدریج طے کرتا ہے اور جانور صفت سے خدا صفات بن جاتا ہے ؎

آدمی کی ہیں سینکڑوں قسمیں
جانور آدمی فرشتہ خدا

فراقؔ کہتے ہیں ؎

ہر عیب سے مانا کہ جدا ہو جائے
کیا ہے اگر انسان خدا ہو جائے
شاعر کا تو بس کام یہ ہے ہر دل میں
کچھ دردِ حیات اور سوا ہو جائے

حسن اور عشق کی داستان میں دکھے دل کی تاثیر رنگینیٔ فکر کا باعث ہوتی ہے، ذیل کی رباعی میں نقص اور تکمیل، رستہ اور منزل، ہدف اور منزل کی گفتگو ہے یہاں یہ تلاش جاری ہے۔

پروانے کو ہے چراغ محفل کی تلاش
جاں باز کو ہے جلوۂ قاتل کی تلاش
گم کردہ رہ وطن کو منزل کی تلاش
اس حُسن کو ہے دکھتے ہوئے دل کی تلاش

◆-◆-◆

جو رنگ اُڑا وہ رنگ آخر لایا
درد و غم و سوز و ساز کیا کیا پایا
جینے کا مزا ملا کسی پر مرکے
صد شکر فراقؔ دل کو دکھنا آیا

اس عشقیہ رباعی میں محاورے رنگ اڑنا، رنگ لانا، کسی پر مرنا، دل دکھنا کے علاوہ صنعت تکرار میں رنگ، کیا کیا اور صنعت تضاد میں جینا، مرنا، صنعت مراعات النظیر میں دردغم سوز اور صنعت ابہام میں فراقؔ بمعنی تخلص شاعر یا لفظ بطور معنی فراق استعمال ہوا ہے۔

ایک اور رباعی جس کی ردیف دل ہے، جس میں دکھتا دل اور دوسرے مصرعوں میں عشقیہ کیفیات جیسے کھویا ہوا دل بھولا ہوا دل وغیرہ کو صنعت تکرار سے مزّین کیا ہے اور دل کے ساتھ سب محاوروں میں گفتگو ہے۔

کچھ اور بھی بھولے کوئی بھولا ہوا دل
کچھ اور بھی گم ہو کوئی کھویا ہوا دل
یہ کیسی صدا غیب سے آتی ہے فراقؔ
کچھ اور بھی دکھتا کوئی دکھتا ہوا دل

دیکھنے میں یہ عشقیہ رباعی سیدھی سادی ہے لیکن اس میں ''کچھ اور بھی''، ''کوئی'' کی تکرار''ہوا دل'' ردیف سے جڑی ہے۔

ذیل کی دو رباعیوں میں دل دکھانے کے مضمون کی بوقلمونی دیکھئے۔ یہاں شاعر نے رونے اور ہنسے کے مضمون کو دونوں طرح سے باندھا ہے۔

اے دکھتے ہوئے دل کو دکھانے والے
روتے ہوئے کو اور رُلانے والے
اتنی بھی نہیں چھیڑ کسی سے اچھی
ہنستے ہوئے منہ پھیر کے جانے والے

بہر حال عاشق کو کسی حال چین میسّر نہیں ہر حال میں وہ شکوہ کر رہا ہے۔

اللہ رے ستم کہ دل دکھاتے بھی نہیں
اپنے سے جو دل دُکھے رلاتے بھی نہیں
مایوس دلوں کو چھیڑتے جاتے بھی نہیں
روتا ہو کوئی تو مسکراتے بھی نہیں

کبھی شاعر یوں بھی دل کو تسلّی دیتا ہے اور عشق کے فرض کو پورا کر لیتا ہے۔ ہم یہاں رباعی کی محدود حدوں میں دکھے دل کے مختلف رخ پیش کر کے یہ بتا رہے ہیں کہ ایک توانا کہنہ مشق فطری شاعر کے لیے مضامین کی فصل ایک ہی زمین میں اُگانا بڑی بات نہیں۔

ممکن ہو تو فرض عشق پورا کرلیں
ممکن ہو تو دل میں درد پیدا کرلیں
اپنا کرلیں تجھے یہ قسمت میں کہاں
دکھتے دل سے تری تمنّا کرلیں

''گل نغمہ'' جوفراؔق کا مجموعۂ کلام ہے اُس میں ''الہام نما'' کے عنوان سے اعلیٰ فکری رباعیات یکجا ہیں۔ جنھیں ہم یہاں کسی تشریح کے بغیر پیش کرتے ہیں۔

صحرا میں زماں مکاں کے کھو جاتی ہیں
صدیاں بیدار رہ کے سو جاتی ہیں
اکثر سوچا کیا ہوں خلوت میں فراق
تہذیبیں کیوں غروب ہو جاتی ہیں

◆-◆-◆

ہر ساز سے ہوتی نہیں یہ دُھن پیدا
ہوتا ہے بڑے جتن سے یہ گن پیدا
میزانِ نشاط و غم میں صدیوں تل کر
ہوتا ہے حیات میں توازن پیدا

◆-◆-◆

ہر چیز یہاں اپنی حدیں توڑتی ہے
ہر لمحے پہ صد عکس بقا چھوڑتی ہے
اک سبزۂ پائمال کی پتی بھی
ہمدم قلب ابد میں جڑ پھوڑتی ہے

◆-◆-◆

اک حلقۂ زنجیر تو زنجیر نہیں
اک نقطۂ تصویر تو تصویر نہیں
تقدیر تو قوموں کی ہوا کرتی ہے
اک شخص کی قسمت کوئی تقدیر نہیں

آخیر میں یہ بتانا ضروری سمجھتا ہوں کہ فراؔق نے اپنی نظم ''انقلاب چین'' ترپین (53) مسلسل رباعیوں میں لکھی تھی ہمیں تلاش کرنے کے باوجود صرف تیرہ (13) رباعیات حاصل ہوئیں جو اس کتاب میں شامل ہیں۔

❑❑❑

''روپ'' کا تحقیقی تنقیدی اور تحلیلی تجزیہ

فراقؔ نے ''روپ'' کا عنوان دے کر اس کے نیچے سنگھار رس کی رباعیاں لکھ کر الہ آباد سے ۱۹۴۶ء میں (۳۵۱) تین سو اکیاون رباعیات کا انتساب شاعر اعظم جوشؔ ملیح آبادی کے نام کیا۔ اس ''روپ'' کی شہرت اس کی جنسی، سراپا نگاری، جسمانیت اور معاملہ بندی کے مضامین سے ہے جسے خود فراقؔ اور ان کے چند ناقدوں نے کہا ہے کہ یہ اُردو قدیم و جدید شاعری میں بالکل نئی چیز ہے حالانکہ سچ یہ ہے کہ قدیم اُردو اور دکھنی شاعری میں جو محمد قلی قطبؔ شاہ، ملا وجہیؔ ملا نصرتیؔ، غواصیؔ کے علاوہ درجنوں سراپا نگار شاعروں کے کلام میں یہ مضامین نظر آتے ہیں جن کی طرف زیادہ توجہ نہ ہوئی، فراقؔ نے اگرچہ ان رباعیوں کو سنگھار رس کا نام دیا ہے لیکن اس میں ایک بڑی تعداد اُن رباعیوں کی ہے جن میں صنف نازک کے اُس حُسن کو دکھایا گیا ہے جو اس کی فکر، کام کاج اخلاق اور مزاج میں ہر زاویے سے دمکتا رہتا ہے۔ فراقؔ نے بچّے کی معصوم مسکراہٹ سے، کھیتوں میں دوڑتی اچھلتی لڑکیوں، کنوؤں پر گلگروں کو اٹھے ہوئے کنواریوں دوشیزاؤں، بابل کے گیتوں کو گاتی ہوئی دولہن کے ہمراہ سہیلیوں اور خاندانی عورتوں کے علاوہ پتی پریم، گھر بار کی دیکھ بھال کرنے والی اور ممتا کی کیفیتیں وغیرہ کا نقشہ کھینچا ہے بلکہ مرقع کشی کی ہے جس میں برصغیر کی ارضیت کے ساتھ یہاں کی تہذیب بخصوص گھریلو دیہاتی ہندو سماج کی تصویر کشی ہے جو ان سے پہلے اس طریقہ پر بھرپور نہیں ہوئی تھی۔ چناں چہ اگر فراقؔ کی رباعیوں سے مصرعوں کو چن کر تسلسل سے جمع دیا جائے تو تہذیب نسواں کی ایک

مکمل تصویر بن سکتی ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ فراقؔ صرف تصوّرات کے شاعر نہیں بلکہ محسوسات کے فن کار بھی ہیں چناں چہ ان کی محسوس کی ہوئی جذبات سے لبریز حقیقتیں ان کے جمالیاتی احساس کی خوب صورت پر تاثیر پیکروں میں ڈھلتی نظر آتی ہیں جن کے نمونے ہم آگے پیش کریں گے۔

فراقؔ نے ان رباعیات میں اپنے احساس اور تصوّر جمال کو کائنات کی جمیل جنس عورت کی جنسیت اور جسم پر متمرکز کر کے اس کے حسن وشباب اس کی رعنائی اور دل آویزی کا ہر زاویۂ نگاہ سے مطالعہ کیا۔ چناں چہ یہاں نہ صرف ہندوستان کی ارضیت شامل ہوئی، بلکہ ہندو گھرانے کی فضا میں ہندو کلچر کی خوب صورت بھی ان رباعیات کا غازہ بن گئی۔ اس فنکارانہ عمل کے لیے فراقؔ نے جذبات نگاری کے ساتھ خاص اسلوب بیان وزبان کی خوبیوں کو یعنی نادر اور مقامی تشبیہات استعارات علامات کو ہندوستان کی تاریخ وجغرافیائی تلمیحات اور سنسکرت کی جنسی اصطلاحات سے جوڑ کر دو آتشہ کر دیا جس کا نشہ ہر پڑھنے والے کو مست کرتا ہے۔ یہاں صنف جمال و نازک کے خد وخال، چال گال، کے ساتھ اس کے احوال وحال، کیفیات اور فکر وخیال کا بھی عاشقانہ ذکر شامل ہے۔ اسی احساس کو فراقؔ یوں بیان کرتے ہیں ؎

ہر جلوے سے اک درس نمو لیتا ہوں
مہ و مہر چھلکاں جام و سبو لیتا ہوں
پڑتی ہے جب آنکھ تجھ پر اے جانِ بہار
سنگیت کی سرحدوں کو چھو لیتا ہوں

فراقؔ احساسات کا شاعر ہے۔ یہاں عشقیہ لذت حواس سے بندھی ہے۔ یہ احساسِ بلندی و بالیدگی معشوق کے جلوے سے پیدا ہوتی ہے جس کی وجہ سے سورج چاند کے ساغر حاصل ہوتے ہیں۔ عاشق کی نگاہ جب معشوق پر پڑتی ہے تو بدن اور روح ساز ورقص میں ڈھل جاتے ہیں جو حال کی عظیم کیفیت ہے۔ وہ خوب صورت معنی خیز اُردو فارسی الفاظ کے درمیان ہندی یا سنسکرت کا معروف لفظ سنگیت رکھ کر

ہندوستانیت کا رنگ چڑھا دیتے ہیں۔

ایک اور محسوسات سے رچی ہوئی رباعی ہے جس میں ان کے جذبات نادر خوب صورت تصویروں میں ڈھل جاتے ہیں۔اس رباعی میں قافیے کے لفظ کی تکرار نے صورتِ حال کو مزید مدھم، جھم جھم اور نرم و کم کر دیا ہے۔ رباعی کے آخری مصرعے کی تازگی جیون آنند کے جنم لینے سے بڑھ گئی ہے۔

لو جیسے سکون کی ہے مدھم مدھم
لہروں پہ چاند جیسے ناچ جھم جھم
نورس ہونٹوں پہ مسکراہٹ کم کم
جیون آنند جیسے لیتا ہو جنم

جس طرح غزل میں مختلف موضوعات کی گفتگو فراؔق کے کلام میں نظر آتی ہے۔ان کی رباعیوں میں بھی کم و بیش یہی کیفیت ہے البتہ ''روپ'' کی ساڑھے تین سو رباعیات کی اکثریت کو ہم دو حصّوں میں تقسیم کر سکتے ہیں جو بغیر کسی گروہ بندی اور عنوان کے ان کے مجموعۂ میں بکھری پڑی ہیں۔ ''روپ'' میں ایک قسم کی رباعیاں وہ ہیں جنھیں ہم ''نکھ سکھ''، ''سراپا'' عشقیہ معاملہ بندی کا نام دے سکتے ہیں۔ یہاں محبوب کے بدن اس کی چال، ان کے خدو خال، اس کے آبرو و گیسو، اس کی آنکھیں لب و عارض یعنی مختلف اعضائے بدنی کی نہ صرف تعریف ہے بلکہ ان کی جنسی کیفیات ہجر اور وصال کے وقت مختلف احوال اور حالتیوں میں پیش کی گئی ہیں جو دکھنی قدیم شاعروں کی سراپا نگاری کے نمونوں میں یا بہاری، دیو، ودیّا پتی کے شعروں میں کسی حد تک موجود ہیں۔فراؔق نے ان رباعیات کو اُردو، ہندی، فارسی اور سنسکرت کے مخصوص لفظ کے اثر سے دو آتشہ بنا دیا۔ چناں چہ ایک کامیاب شاعر کی طرح وہی اثر جوان مشاہدات محسوسات سے ان کے جذبوں کو اُبھارنے کا ہوا وہ انھوں نے اپنے سنّنے پڑھنے والے کی رگوں میں اُتار دیا۔ اس اہم فطری عکاسی کے لیے فراق نے ہندوستانیت کے سماجی، تہذیبی، مذہبی، تاریخی، ثقافتی اور علمی سرمائے سے بھرپور

استفادہ کیا۔ اسی لیے ان کی رباعیوں میں ہندو کلچر، ہندو رسم، مقامی تہوار، شادی بیاہ کے جزئیات رباعی میں داخل ہوگئے اگرچہ اس قسم کے واقعات رسومات اور معلاملات اُردو قدیم مثنویات میں جگہ جگہ دفن ہیں لیکن اُردو مطالعے کے قحط میں کس کو قدیم مردے اکھاڑے کی فرصت ہے۔ اسی لیے بعض اُردو ناقدین نے اپنی کم علمی کا ثبوت دیتے ہوئے یہ فتویٰ صادر کردیا کہ اس سے پہلے اُردو شعریت میں ان موضوعات کو چھیڑا نہیں گیا جو صحیح نہیں۔ ہم تفصیل و ایجاز سے کہیں اجمالی، کہیں تجلیلی، کہیں تحلیلی اور تنقیدی گفتگو ان رباعیوں کے ساتھ کرتے رہیں گے۔

''روپ'' کی رباعیوں کی دوسری قسم وہ ہے جو صرف ہندوستانی کلچر، دیہاتی معصوم زندگی کی جمالیات جو سیاست اور آرایش و آلایش سے پاک ہے بہت ہی خوب صورت اور خوب سیرت کرداروں کی شکل میں نظر آتی ہیں۔ جہاں وہ معمولی روزمرّہ کے واقعات، حالات، مشاہدات جو کبھی توجہ کے قابل نہ تھے ایک خوشبودار پھول کی طرح اپنے رنگ اور خوشبو سے سبھی کو اپنی طرف متوجہ کررہے ہیں۔ یہ ہے ایک بڑے شاعر کا ادنیٰ کرشمہ کہ اپنے موئے قلم سے دیہات میں بکھرے ہوئے پھولوں سے ایک گلدستہ بنا کر انسانی قدروں کے میز پر سجادے۔ ہم ان دوسری قسم کی رباعیوں کو بھی آگے پیش کریں گے۔

فراقؔ نے اپنی تمام تر رباعیات میں محاوروں، جدید تراکیب، نادر تشبیہات و استعارات کے صنائع بدائع، تلمیحات اور جمالیات کی سہ بعدی Three dimensional تصویر کشی بھی کی ہے۔ ان محاسن زبان و بیان کے علاوہ جو قدریں اور جدتیں فراقؔ کی انفرادی خصوصیات سمجھی جائیں گی وہ ان کی رباعیوں کے مصرعوں میں ہندی اور سنسکرت کے ادق اور بعض جگہ پر رسیلے شبد ہیں جنھیں فراقؔ نے گہرے معنی، تلمیحات اور بعض موقعوں پر اپنی سنسکرت دانی دکھانے کے لیے استعمال کیا ہے جن کے تلفظ مصرعوں میں صحیح باندھے نہیں گئے اور مصرعے وزن سے خارج ہوگئے۔ چناں چہ اُردو عروض کے نباض گیان چند کو لکھنا پڑا کہ فراقؔ نے علوم عروض و قافیہ میں

بہت غلطیاں کی ہیں، اس لیے مضمون سے پہلے ''روپ'' کے مقدمے میں فراقؔ نے لکھا دیا تھا کہ ''ان رباعیوں میں کہیں کہیں ایطاء کا بھی میں مرتکب ہو گیا ہوں۔ ایطاء کو میں صرف کبھی کبھی اور کہیں کہیں جائز سمجھتا ہوں۔ ممکن ہے کہ کچھ اور فروگذاشتیں بھی ان رباعیوں میں نظر آئیں۔'' راقم کی نظر میں غلطی غلطی ہے اگر چہ لوگ رباعی کی تعریف بھی کریں ہم آگے اس مسئلہ پر روشنی ڈالیں گے۔

ایک دوسری منفرد خصوصیت جو فراقؔ کی ''روپ'' کی رباعیوں میں نظر آتی ہے ان کے مصرعوں میں دو یا تین ایک دوسرے سے ملے ہوئے الفاظ کا گچھا ہے جو کبھی ایک ہی زبان یا کبھی دو یا تین زبانوں سے مل کر بنتا ہے۔ جیسے جیو آنند، سندر سُکمار گات، کامدیو، سکھ شانت، گوکل نگری، ایمن پرنور، جگمگاتے کولے وغیرہ۔

فراقؔ کی رباعیات میں ہر مصرعہ بعض وقت آزاد ہوتا ہے یعنی برخلاف جو عام طور سے ہوتا ہے کہ رباعی کے پہلے مصرعے سے تیسرے مصرعے تک مضمون کو ترقی دے کر چوتھے مصرعے پر ضرب کاری کی جاتی ہے جس سے پڑھنے والا پھڑک جاتا ہے۔ وہ عمل یہاں ہر مصرعے میں بھی ہو سکتا ہے چناں چہ کسی مصرعے کو کسی مقام پر رباعی میں پڑھ سکتے ہیں جس سے معنی اور تاثیر میں فرق نہیں ہوتا۔

فراقؔ نے خود لکھا ہے کہ انھوں نے دو مہینوں میں ''روپ'' کی رباعیات لکھ دیں یعنی اوسطاً ہر روز کم از کم چھے رباعیاں لکھیں، چناں چہ اسی لیے ''روپ'' میں مضامین کی تکرار الفاظ اور ایک ہی مضمون کو کئی رنگ سے کہنے کا ڈھنگ بھی نظر آتا ہے۔ یہ فراقؔ کا یقیناً ایک شعری کارنامہ ہے کہ انھوں نے اپنی غزل کی طرح رباعیات کو بھی ہندوستانی تہذیب اور یہاں کی زمین سے جوڑا جس کے لیے فراقؔ کو ہندو روایات سنسکرت اور ہندی کے الفاظ اور برصغیر کے عشقیہ تجربات اور واردات کو رباعیوں میں سمونے پڑے اگر چہ کسی حد تک یہ مسائل دکنی شاعری میں بیان کیے گئے تھے۔ چناں چہ ''روپ'' کی وجہ سے پھر یہ سلسلہ جو منقطع تھا جڑ گیا۔ فراقؔ کی یہ رباعیاں سنسکرت کے سنگار رس اور ہندی کے ریتی کال سے قریب

ہیں۔ جہاں تک برصغیر کے قدرتی مناظر یہاں کے خوب صورت نظارے یہاں کی ندیاں، یہاں کے مختلف موسموں وغیرہ کا ان رباعیات میں دلکش تذکرہ ہے جہاں عاشق معشوق کے ہجر میں مضطرب اور بے چین ہے یا اس کا وصل میں یہ جذبہ دو آتشہ اور پرلذت ہو جاتا ہے اس یہ مضمون کی تحریک فراقؔ نے شاید اُردو مثنویوں، داستانوں، کہانیوں یا بارہ ماسوں سے حاصل کی ہوگی کیوں کہ قدیم اُردو شعریات میں اس کی کمی نہیں۔

آنسو سے بھرے بھرے وہ نینا رس کے
ساجن کب اے سکھی تھے اپنے بس کے
یہ چاندنی رات یہ برہ کی پیڑا
جس طرح اُلٹ گئی ہو ناگن ڈس کے

یہاں چاندنی رات میں عورت کا اپنے شوہر کا انتظار، انکھوں میں آنسو کے ساتھ شاعر نے انکھوں کی جنسی تعریف ''نینارس'' سے کردی۔ تمام رباعی میں ہندی کے رسیلے شبد نینا رس، برہ، پیڑا، ساجن، سکھی کے ساتھ ایک خوب صورت تشبیہ چوتھے مصرعے میں ساری رباعی کو تاثیر سے لبریز کر دیتی ہے۔

فراقؔ نے خود کہا ہے کہ ''میں محسوس کرتا ہوں کہ ہندوستان کی روح اگر اُردو شاعری میں سرایت کر سکے تو اس کی شاعری میں ایک معصومیت کائنات وحیات کی ہم آہنگی ایک طہارت آجائے گی۔ جن سے ایسے سنسار سنگیت پھوٹ نکلیں گے جو سواگ سنگیت کو بھی مات کر دیں۔''

شاید اسی وجہ سے ان کی رباعیوں میں دیو مالائی عناصر، ہندو اساطیر، اوتاروں دیوتاؤں اور بلند کرداروں کا ذکر بھی نظر آتا ہے۔ ہم پہلے کچھ منتخب وہ رباعیاں پیش کرتے ہیں جس میں معشوق کا پورا بدن اور بدن کی کیفیات کو ایک ہی رباعی میں پیش کیا گیا ہے اور پھر ہم چند اعضاء جیسے آنکھیں، زلفیں، رفتار، گفتار، انداز پر رباعیوں کو سجا کر ہجر و وصال کے مسائل اور کیفیات پر مضمون کو پہنچاتے ہیں۔

وہ چہرہ کہ برق طور آنکھیں جھپکائے
وہ ماتھا چندر لوک جس سے شرمائے
وہ ناف کہ کوثر میں بھنور پڑ پڑ جائے
وہ ران کہ خورشید کو آئینہ دکھائے

یہاں معشوق کے چہرے، ماتھے، ناف اور ران سے شرینگار رس کی رباعی تعمیر کی گئی ہے۔ چہرے کی تابنا کی سے برق طور کی آنکھیں موند گئیں، پیشانی کی سپیدی سے چاند کی حسین دُنیا شرما گئی۔ ناف کو کوثر میں بھنور بتانا حسن تعلیل ہے۔ ران بھی خورشید کی طرح چمک دمک رکھتی ہے۔ رباعی میں الفاظ کی تکرار ''وہ''، ''کہ'' کے ساتھ تلمیحات ''برق طور''، ''کوثر''، ''چندر لوک'' صنعت مراعات النظیر میں چہرہ، ماتھا، ناف اور ران شامل ہیں۔ محاوروں میں آئینہ دکھانا، آنکھیں جھپکانا اچھا استفادہ ہے۔ پوری رباعی حواس خمسہ کی بصارت پر دلکش بنائی گئی ہے۔ شرینگار رس کا سراپا محسوسات سے تعلق رکھتا ہے۔ فراؔق چوں کہ ہندو کلچر کے نمائندہ شاعر ہیں جہاں دیوتاؤں، اوتاروں اور مذہبی لوازمات کو حُسن مجازی سے جوڑنا عیب نہیں ہے اسی لیے انھوں نے تیسرے مصرعے میں یہ مضمون باندھا ہے۔

چہرہ دیکھے تو رات غم کی کٹ جائے
سینہ دیکھے تو اُمنڈا ساگر ہٹ جائے
سانچے میں ڈھلا ہوا یہ شانہ، یہ بغل
جیسے گل تازہ کھلتے کھلتے پھٹ جائے

مصرعہ دوم اور چہارم میں بہت تازہ اور جدید مضمون ہے۔ شاعر نے بصری تشبیہات اور استعاروں کے ساتھ چہرہ سینہ شانہ اور بغل کو مراعات النظیر صنعت میں جمع کر دیا۔ چہرے کی روشنی سے غم کی رات کٹ جائے۔ سینے کے اُبھار دیکھ کر چڑھتا دریا ہٹ جائے۔ بدن ایسا شکل و رنگ اور خوشبو سے بھرا ہے۔ جیسے ایک کھلتا پھول۔ رباعی کے قافیوں کی گھن گرج سوئے ہوئے جذبات کو جگا دیتی ہے یہ بھی اثر

پذیری کا کمال ہے۔

رنگِ رخ میں مہر سیال کی ضو
ابرو میں لچکتی ہے کمانِ مہ نو
ستواں ہے ناک جیسے دیپک کی لو
وہ چال میں جست جیسے بجلی کی رو

چاروں مصرعوں میں تشبیہات نادر ہیں۔ مہر سیال یعنی بہتا ہوا، خورشید کی روشنی چہرے کے رنگ میں ہے۔ ابرو کی لچک ہلال کی کمان کی طرح ہے سیدھی ناک چراغ کی لو اور ایسی چال جیسے بجلی کی پھُرتی ہو۔ مہر سیال، کمانِ مہ نو جدید تراکیب ہیں۔ جسم کی چال اور چہرے کے رنگ، ابرو اور ناک کو ایک ہی رباعی میں باندھا ہے جن کا تعلق مضمون کے ارتقا سے نہیں۔

ذیل کی رباعی میں اجنتا کے غاروں کے مجسّموں اور نقاشیوں کا تقابل کر کے محبوب کو بڑھایا ہے۔

امرت سے ڈھلی جبین، ابرو کے ہلال
گردن کا یہ خم یہ چھب، یہ حسنِ خد و خال
ہر عضو میں یہ لچک، یہ نکھ سکھ کا رچاؤ
دب جاتا ہے صنعت اجنتا کا کمال

◆-◆-◆

وہ چہرہ قمر میں سرخ لہریں جو اُٹھائے
وہ گردن و سینہ، مے کدہ وجد میں آئے
وہ حسن شکم کہ جان سورج میں پڑے
بل کھاتی کمر، آکاش گنگا لہرائے

◆-◆-◆

مہکا مہکا چمکتے بالوں کا بن
نکھرا نکھرا دمکتے چہرے کا چمن
سمٹا سمٹا حیا سے ہر عضو بدن
چونکے چونکے سیاہ آنکھوں کے ہرن

پوری رباعی صنعتِ تکرار، مہکا، نکھرا، سمٹا، چونکے سے مزین ہے جو نغمگی کے ساتھ معنی کے اثر کو چند برابر کر دیتی ہے۔ ہر مصرعہ رباعی کا قافیہ دار ہے جو مستحسن ہے۔ گیسو گھنے ہیں، چمکدار ہیں اور خوشبو بکھیر رہے ہیں۔ چہرہ پھولوں کی طرح رنگ و خوشبو سے چمک رہا ہے۔ ہرن کی آنکھ خوب صورت اور پر کشش ہوتی ہے جس کو شاعر نے محبوب کی سیاہ آنکھوں سے جوڑ کر عمدہ کیفیت چونکے چونکے سے کہہ کہ بیان کر دی ہے۔ تیسرا مصرعہ بہت عمدہ ہے، محبوب شرم وحیا سے نہوڑایا ہوا ہے۔

اگر چہ رباعیات کو خانوں میں یا اعضا میں تقسیم نہیں کیا جا سکتا پھر بھی زیادہ سے زیادہ ان رباعیات سے محظوظ ہونے کی خاطر ہم ان رباعیوں کو سراپا نگاری کی طرح مختلف بدن کے اعضا کے ذیل بیان کرتے ہیں۔ یہ بھی درست ہے کہ معشوق کے کسی عضو کو یا اس کی حالت و کیفیت کو نہیں چھوڑا اگر اس کا نام صریحاً نہ لیا تو اس کا اشارہ اور بیان تو ضرور کیا ہے۔ فراقؔ نے زیادہ تر رومانی عشقیہ اشعار معشوق کے خد وخال، انکھوں، گیسو، چال حال، لب ورخسار، جوبَن وجبین، کمر وغیرہ پر رقم کیے ہیں۔ ہم مضمون کی طوالت سے بچنے کے لیے نمونے کے طور پر کچھ رباعیوں کو یہاں نقل کرتے ہیں۔ فراقؔ نے کئی رباعیوں کو ردیف بھی اعضا کے نام پر رکھی ہے جیسے زلف، زلفیں، آنکھ آنکھیں اور ہونٹ وغیرہ۔

محبوب کے حُسن کا ایک دلکش مضمون اس کے گیسو ہیں۔ گیسو کی چمک، سیاہی، خوشبو درازی اور بل وغیرہ کوئی حالت ایسی نہیں جس کو اُردو شاعروں نے باندھا نہ ہو، مگر یہ بھی فراقؔ کا تخیل اور ندرت خیال ہے کہ نئے نئے مضمون جس میں جنسیت کے ساتھ جاذبیت بھی ہو تلاش کر لیتے ہیں۔

سنبل کے تر و تازہ چمن ہیں زُلفیں
بے صبح کی شب ہائے ختن ہیں زُلفیں
خود خضر یہاں راہ بھٹک جاتے ہیں
ظلمات کے مہکے ہوئے بن ہیں زُلفیں

اس رباعی کی خوب صورت دوسرے اور چوتھے مصرعوں میں سیاہی اور خوشبو ہے۔ ختن میں جو ہرن ہوتے ہیں ان کے نافے میں مشک ہوتی ہے جو سیاہ اور خوشبودار ہوتی ہے۔ ظلمات کو چشمہ آبِ حیات سے جوڑ کر مہکا دیا ہے۔ سنبل کو گیسو کی درازی اور خضر کوانہی دراز اور پیچ وخم راستوں میں بھٹکتا دکھایا گیا ہے۔

ذیل کی رباعی میں بھی گیسو درازی، سیاہ کوندے سے کالی چمکتی زُلفیں سے جوڑ کر پھر گھنشام کی بانسری کی لے سے جوڑا ہے۔ گیسو کی خوب صورت درازی، سیاہی اور پیچ وخم میں ہے۔

چڑھتی جمنا کا تیز ریلا ہے کہ زُلف
بل کھاتا ہوا سیاہ کوندا ہے کہ زُلف
گوکل کی اندھیری رات دیتی ہوئی لو
گھنشیام کی بانسری کا لہرا ہے کہ زُلف

◆-◆-◆

راتیں برکھا کی تھرتھراتی ہیں کہ زُلف
تقدیریں پیچ و تاب کھاتی ہیں کہ زُلف
پرچھائیاں کانپ کانپ جائیں جیسے
متوالی گھٹائیں گنگناتی ہیں کہ زلف

ہم یہاں کچھ رباعیوں سے دو، ایک مصرعے جو گیسو کے موضوع پر ہیں۔ نقل کرتے ہیں تاکہ اس کے گھسے پٹے مضمون میں جدید نکات روشنی ہوسکیں:-

ے یوں لہراتی ہیں اُبھرے سینے پہ لٹیں
جیسے کہسار پر گھٹاؤں کا دھواں

ے جمنا کی تہوں میں دیپ مالا ہے کہ زُلف
زندانِ حیات کا اُجالا ہے کہ زُلف

ے گنگا اشنان کا یہ ریلا ہے کہ زُلف
بڑھتا ہوا کوئی ماگھ میلا ہے کہ زُلف

ے بھیگی زُلفوں کے جگمگاتے قطرے
یا رات کی گھاٹیوں میں جگنو چمکے

ے مجنوں کی وحشتیں بڑھاتی ہوئی زُلف
لیلیٰ کو لوریاں سناتی ہوئی زُلف

ے یہ گیسوئے پر خم یہ شبستانِ جمال
یہ جلتے دیے چمپئی رخساروں کے

ع منڈ لائے گیسوں کے کالے بادل

ع وہ آدھے بدن تک گھنی زلفوں کی لٹیں

ع زُلفوں کے فسوں سے مار سنبل ہو جائے

غرض یہاں محبوب کے حُسن میں اور اس کی جنسی کشش اُبھارنے میں زُلفیں کبھی کالی چمکدار ہیں، کہیں لمبی اور خوشبودار ہیں، کہیں پیچ وخم کی حاصل ہیں اور کبھی بھیگی بھیگی سی ہیں بہر حال ہر حال میں دلکش ہیں۔ ان تمام مطالب کو شاعر نے نادر اور مقامی تشبیہات اور عام فہم الفاظ کے استعمال سے پیش کیا ہے۔

فراقؔ کی سنگار رس کی رباعیوں میں آنکھ مرکزی اہمیت رکھتی ہے۔ یوں تو قدیم اُردو ہی سے آنکھ، ابرو، نظر اور اس کی کیفیت پر درجنوں اشعار ملتے ہیں۔ سوداؔ کا شعر تو زبان زد عام ہے ے

کیفیتِ چشم اس کی مجھے یاد ہے سودؔا
ساغر کو مرے ہاتھ سے لینا کہ چلا میں

سراپا نگاروں نے اور سکھ نکھ کے کاویوں نے بھی نئے نئے مضامین باندھے ہیں۔ بہاری کی آنکھ پر خوب صورت کاویتا آنکھ کی شکل اور اس کی کیفیت سے متعلق ہے۔فراقؔ نے ''روپ'' کی رباعیوں میں نہ صرف ان موضوعات کو عمدہ طریقوں سے مصرعوں میں جلوہ گر کیا بلکہ ان میں ایجاز نمائی کے ساتھ اعجازی کیفیت اور جنسی کشی بھی دکھائی ہے۔اس لیے یہ مطالب ان کے کلام میں بکھرے ہوئے ہیں کہیں گفتگو ایک دو مصرعوں پر مشتمل ہے کہیں ساری رباعی میں مضمون کو رفعت اور علاحدہ علاحدہ رنگ دے کر پیش کیا گیا ہے اور کہیں پوری رباعی کی ردیف ہی ''آنکھ'' یا ''آنکھیں'' وغیرہ رکھ کر سجایا گیا ہے۔

چھلکاتی ہیں پریم کی گلابی آنکھیں
صدمے کدہ دربغل شرابی آنکھیں
ہر شام چراغ شبنمستانِ جمال
ہر صبح چمن چمن گلابی آنکھیں

اگر یہاں آنکھیں شراب کا ساغر، شراب کی مینا اور میخانہ ہیں۔ اگر وہ شام جمال کے گلشن کی شمع ہیں تو صبح وہ گلاب کے رنگ سے چمن چمن میں بکھری ہوئی ہیں۔ ایک اور رباعی میں یہی محبوب کی آنکھیں کبھی راتوں کی عیش پرستی میں، کبھی خنجر کی کاٹ کی طرح بے رحم اور کبھی ساز و رقص کے ماحول میں پھولوں کی کہانیاں سناتی ہے۔ شاعر نے مضمون کی نوعیت سے نشیلی، کٹیلی اور رسیلی آنکھ سے خطاب کیا ہے۔

راتوں کی جوانیاں نشیلی آنکھیں
خنجر کی روانیاں کٹیلی آنکھیں
سنگیت کی سرحدوں پہ کھلنے والی
پھولوں کی کہانیاں رسیلی آنکھیں

◆-◆-◆

بھولی ہوئی زندگی کی دُنیا ہے کہ آنکھ
دوشیزۂ بہار کا فسانا ہے کہ آنکھ
ٹھنڈک، خوشبو، چمک، لطافت نرمی
گلزارِ ارم کا پہلا تڑکا ہے کہ آنکھ

محبوب کی آنکھ عاشق کی نگاہ میں ایک ایسی کائنات ہے جس میں اِس کی بھولی بسری یادیں جس میں بہار ٹھنڈک خوشبو چمک لطافت نرمی گلزار اور ارم سب کچھ شامل ہیں۔ چاروں مصرعوں میں جداگانہ آنکھ کی کیفیتیں اور قدریں بتائی گئی ہیں۔ صنعت جمع، تلمیح بصری استعارات سے سجی یہ رباعی جو اُردو فارسی کے مروجّہ الفاظ کے ساتھ ہندی اُردو کے الفاظ تڑکا سے بنی ہے۔ جو یہ بتاتی ہے کہ رباعی میں ہر قسم کے الفاظ ہار کے پھولوں کی طرح مصرعوں میں پروئے گئے ہیں۔ ذیل میں رباعی کے پراگندہ شعر دیکھئے:

؎ چلمن میں مژہ کی گنگناتی آنکھیں
چوتھی کی دلہن سی کچھ لجاتی آنکھیں

؎ یہ مدھ بھری آنکھ یہ نگاہیں چنچل
ہے پیکر نازنین کہ حافظؔ کی غزل

؎ تاروں کو بھی لوریاں سناتی ہوئی آنکھ
دوشیزہ کنول سی مسکراتی ہوئی آنکھ

لجّا سنسکرت کا لفظ شرم وحیا کے معنی میں ہے فراقؔ نے اس میں تصرف کر کے اس کو لجاتی بنادیا اور تشدید ہٹادی اس طرح شرمیلی آنکھ یعنی تازہ سہاگ رات کے بعد دلہن کی شرمیلی آنکھیں، مژہ کی چلمن بہت خوب صورت مضمون ہے جیسے کوئی حسینہ چلمن کے پیچھے سے گنگنا رہی ہے۔ مدھ بھری نشّہ سے بھری شرابی آنکھیں جن میں شوخی اور شرارت ہے جو ایک نازنین کے بدن میں جو خود حافظؔ کی غزل کی طرح عشقیہ واردات کی منتخب لیے ہے۔ غزل عورتوں اور محبوب سے باتیں کرنے کا نام ہے۔ یہاں فراقؔ نے محبوب کے بدن کو حافظؔ کی غزل بتا کر معنیٰ آفرینی کا دروازہ کھول دیا جیسے دو آئینوں

کو ایک دوسرے کے مقابل کھڑا کر دیا۔محبوب کی آنکھیں تاروں کو لوریاں سنا رہی ہیں یعنی یہاں تاروں کے سونے اور ڈوبنے کا وقت یا سحر کے ہنگام اور طلوع شفق کی منظر کشی ہے۔ دوسرے مصرعے میں تازہ کھلتا ہوا صبحِ دم کنول کے مانند آنکھ مسکرا رہی ہیں۔فراقؔ کی شاعری میں جدید نادر تازہ دلکش استعاروں اور تشبیہوں کی بھرمار ہے جو جنسی شاعری میں اس جدیدیت کے ساتھ پہلے موجود نہ تھی۔

یہ نقرئی آواز یہ مترنم خواب
تاروں پر پڑ رہی ہو جیسے مضراب
لہجے میں یہ کھنک یہ رس، یہ جھنکار
چاندی کی گھنٹیوں کا بجنا تہہ آب

محبوب کی آواز پر سمعی استعاروں اور تشبیہوں کی کھنک اور آواز سینے، جیسے نقرئی آواز مترنم خواب چاندی کی گھنٹیوں کا بجنا وہ بھی پانی کے نیچے، لہجے میں کھنک رس اور جھنکار کا احساس سب کچھ جدید امیجری ہے۔ان مطالب کو محسوس تو کیا جا سکتا ہے لیکن سمجھایا نہیں جا سکتا۔

آواز پہ سنگیت کا ہوتا ہے بھرم
کروٹ لیتی ہے نرم لے میں سرگم
یہ بول سریلے تھرتھراتی ہے فضا
اُن دیکھے ساز کا کھنکنا پیہم

محبوب کی آواز کو ساز اور لے سے جوڑ کر اس میں رقص یا تعرش پیدا کیا گیا ہے آواز کے بول ایسے جیسے سُروں کے سریلے حصّے۔فراقؔ نے ساز اور سنگیت کے ساتھ آواز کو لیے سُر اور بول بنا کر فضاؤں میں بکھیر دیا ہے۔آنکھ اور آواز کو ملا کر جمالیاتی ساز بناتے ہیں۔

خاموش نگاہ کے تکلّم کی قسم
اس سازِ جمال کے ترنم کی قسم

کبھی کہتے ہیں:-

ع امرت کی پھوار ہے کہ نورس آواز

سنگاررس میں ساز آواز اور رقص یعنی سنگیت کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ ویسے ہندوستانیت میں خصوصی طور پر ہندو کلچر میں سنگیت ایک مقدس فن بھی جانا جاتا ہے۔ فراقؔ کی شعریات میں ہر مقام پر موسیقی، سروں، اور ساز اور لئے کا ذکر زیادہ ہے ان کے پاس بصری تشبیہوں کے بعد سمعی اور لمسی صنعتوں کا زور وشور ہے۔ وہ موسیقی کے نایک تو نہ تھے لیکن موسیقی کے گاہک ضرور تھے، اس لیے راگوں، بولوں اور سازوں سے کم وبیش واقف تھے۔

راگ بھیرویں صبح کے وقت گائی جاتی ہے۔ ملہار برسات میں اثر رکھتی ہے۔

ے نکھرا ہوا رنگ کیا سہانا ہے سمے
پو پھٹتے ہی بھیرویں کی آنے لگی لے

ع وہ قد ہے کہ بھیرویں سنائے جب صبح

ے یہ روپ کے گرد سات رنگوں کی پھوار
جیسے مدھم سُروں میں خود گائے ملہار

ع گفتار میں شبنم کی رسیلی جھنکار

ع یا کرشن کی بانسری کا لہرا ہے بدن

ع مکھڑے میں بہاگ راگ دہکا دہکا

ے جھم جھم بجتی ہوئی کمر کی زنجیر
بے لاک ہنڈول راگ کی ہے تصویر

اسی طرح ہونٹ، ابرو، قد وخال، چال اور اعضاء کا مختلف جنسی حال سب کچھ ان کی سنگاررس کی رباعیوں میں موجود ہے جسے ہم صرف زیبِ داستان کے لیے بغیر مزید تشریح اور تفسیر کے یہاں نقل کر رہے ہیں تا کہ آئندہ آنے والے اسکالرس اور نقاد اس گلشن کی سیر کر کے سنگاررس سے سنگاردان بنا کر اُردو کی عشقیہ شاعری کے محراب

میں سراپا کے آئینے کے سامنے رکھ دیں۔

معشوق کی تازہ دمی، مسکراہٹ اور نشاط سے ہونٹ مہکے، لپکے اور دہکے ہوئے ہیں ؎

یہ چہرہ کھلا ہوا یہ مہکے ہوئے ہونٹ
یہ گیسوؤں کی لپٹ، یہ لپکے ہوئے ہونٹ
یہ تازہ دمی یہ مسکراہٹ، یہ نشاط
سانسوں کی ٹھنڈی لو سے دہکے ہوئے ہونٹ

◆-◆-◆

ابرو ملتے ہیں یا لچکتی ہے کٹار
یہ رُوپ کہ رحمتوں کی جیسے چمکار
یہ لوچ یہ دھج یہ مسکراہٹ یہ نگاہ
یہ موجِ نفس کہ سانس لیتی ہے بہار

فراقؔ ''روپ'' کی بعض رباعیوں میں جہاں ہر مصرعہ غزل کے شعر کی طرح مکمل اور جدا مضمون رکھتا ہے جوڑنے کے لیے تیسرے مصرعے میں کچھ ایسے الفاظ جمع دیتے ہیں جس سے تسلسل تو قائم ہو جاتا ہے لیکن مضمون کی ترقی نہیں ہوتی جیسے ان گزشتہ دونوں رباعیوں سے ظاہر ہے۔ موجِ نفس کو سانس لیتی بہار کہنا شگفتہ بیانی ہے۔

ذیل کی رباعی میں میر حسن کی مثنوی سی منظر کشی کی ہے ؎

حمام میں زیرِ آب جسمِ جاناں
جگمگ جگمگ یہ رنگ و بو کا طوفاں
مَلتی ہیں سہیلیاں جو مہندی رچے پاؤں
تلوؤں کی گدگدی ہے چہرے پہ عیاں

◆-◆-◆

لہروں میں کھلا کنول نہائے جیسے
دوشیزۂ صبح گنگنائے جیسے
یہ روپ یہ لوچ یہ ترنم یہ نکھار
بچّہ سوتے میں مسکرائے جیسے

◆-◆-◆

اُٹھنے میں ہمالیہ کی گھٹاؤں کا اُبھار
اندازِ نشست چڑھتی ندی کا اُتار
رفتار میں مدھ بھری ہواؤں کی سنک
گفتار میں شبنم کی رسیلی جھنکار

''روپ'' کی رباعیوں کی جن رباعیوں سے شہرت ہے وہ معاملہ بندی، وصل کی تصویرکشی اوران کیفیات پر مشتمل ہے جنھیں شرینگار رس کا رس یا نچوڑ بتایا گیا ہے۔ یہ رباعیات جسمانیت، عریانیت اور جنسیت سے لبریز ہونے کی وجہ سے بعض ناقدین کی نظر میں موردِ اعتراض قرار پائیں۔ جس کو ہم تکمیل داستان کے طور پر بیان کریں گے۔ یہاں ہم نواب جعفرعلی خان اثرؔ لکھنوی کی تصنیف ''چھان بین'' میں ''روپ میری نظر میں'' کے عنوان سے صرف ایک جملہ لکھنا چاہتے ہیں۔ ''معلوم ہوتا ہے کہ حضرت فراقؔ کا منشاء کوک شاستر تصنیف کرنا تھا۔ قانونی شکنجے سے بچنے کے لیے رباعیوں کا روپ دے دیا۔''

ہے قوسِ قزح کہ تھرتھراتے بازو
رشکِ فردوس لہلہاتے پہلو
رقصاں شعلہ لچکی لچکی سی کمر
کُندل پر کنول ہے یا دمکتا پیڑو

تھرتھراتے بازو حسینہ کے اگر قوسِ قزح ہیں تو اس کے لہلہاتے پہلو رشکِ فردوس بن گئے ہیں۔ اس کی تشریح مشکل ہے شاید کیف مجہول کا مسئلہ ہو۔ لچکتی کمر عموماً

باریک کمر ہوتی ہے جو رقص کرتا ہوا شعلہ ہے اور پیڑو یعنی ناف کے نیچے کا حصّہ یوں دمک رہا ہے جس طرح سے کندل پر کنول دھرا ہے۔ مراعات النظیر میں بازو، کمر، پیڑو اور صنعت تکرار میں لچکی کا شمار ہے۔

آنچل کے تلے دمکتے جوبن کی یہ لو
ساڑی کے چناؤ میں لچکتے مہ نو
تھوڑی پر جگمگاتی کرنوں کی یہ چھوٹ
محرم کے گھاٹ پر یہ پھٹتی ہوئی پو

شاعر نے اس سنگار رس کی رباعی میں جہاں آنچل کے نیچے چمکتے پستان یا ساڑی کے چناؤ میں لچکتے کولہے جیسی عریاں مضمون نگاری کر کے اس کو محرم کے لیے ایک تازہ دم صبح کا مرقع کا جلوہ دے دیا۔ فراقؔ الفاظ کو مصرعوں میں ایسا جما دیتے ہیں کہ اُن میں تازگی اور ندرت بیان کے ساتھ اس کے معنیٰ شاعرانہ حاصل ہو جاتے ہیں۔

کھینچا ہے عبث بغل میں بانہوں تولے
کھو جانے کا وقت ہے تکلف نہ رہے
ہنگام وصال کر نہ سنبھلے کی فکر
سوسو ہاتھوں سے میں سنبھالے ہوئے ہوں تجھے

وصال کی تصویرکشی یہاں سہ بعدی Three dimensional بن کر مرقع کشی میں بدل چکی ہے اس رباعی کے دو مصرعے منظر کشی سے متعلق ہیں مگر سب سے اہم اور پرتاثیر بیچ کے دو مصرعے ہیں۔

پھولوں کی سہاگ سیج یہ جوبن رس
سونے میں سہاگنی لٹاتی ہوئی جس
پہلو کی بہار ہے لہلہاتی جنّت
یہ رات یہ کچھ ہلتے ہوئے روپ کلس

◆-◆-◆

پہلو کی کہکشاں تنبھوں کا اُبھار
ہر عضو کی نرم لو میں مدھم جھنکار
ہنگام وصال پینگ لیتا ہوا جسم
سانسوں کی شمیم اور چہرہ گلنار

اوپر کی دونوں رباعیوں میں دو علاحدہ کیفیتیں شاعر نے مصرعوں میں بھر دی ہیں۔ایک حالت میں سہاگن کے سونے میں جو سینے اور کمر کے منظر جنسیت کی فضا مہیّا کرتے ہیں اور ان کی حرکت اور حالت سے جنسیت کی بہار کا احساس ہونے لگتا ہے۔ دوسری رباعی میں بھی فراؔق نے ایک ادق نامونوس لفظ کو استعمال کر کے کولھوں کی اُبھار اور وصال کے وقت کی حالت جس میں چہرہ سرخ اور سانسوں کا شمیم کی طرح تیز چلنا نقش کر دیا ہے۔ایک اور رباعی میں فراؔق نے دو چار الفاظ بدل کر تقریباً یہی مضمون باندھا ہے۔

پہلو کی وہ کہکشاں وہ سینے کا اُبھار
ہر عضو کی نرم لو میں مدھم جھنکار
ہنگام وصال کچھ سرکتا ملبوس
ذریں کمر اور جگمگاتے کولے

چوں کہ رباعی کی تشریح اور تجزیہ ممکن نہیں ہم یہاں چند رباعیوں کو نقل کرتے ہیں جن میں جنسی مسائل،جسمانیت اور برہنہ گفتن کی روایت بھی نظر آتی ہے۔

چڑھتی ہوئی ندی ہے کہ لہراتی ہے
پگھلی ہوئی بجلی ہے کہ بل کھاتی ہے
پہلو میں لہک کے بھینچ لیتی ہے وہ جب
کیا جانے کہاں بہا کے لیے جاتی ہے

◆-◆-◆

ہر عشوہ کا کچھ بھید بھرم لینے دے
ہر لائے ہوئے رنگ کو جم لینے دے
اے پریم کے سیج کی رسیلی تِتلی
اتنا بھی نہ چھیڑ، کچھ تو دم لینے دے

◆-◆-◆

جب تاروں نے جگمگاتے نیزے تولے
جب شبنم نے فلک سے موتی رولے
کچھ سوچ کے خلوت میں بصد ناز اس نے
نرم انگلیوں سے بند قبا کے کھولے

◆-◆-◆

گنگا وہ بدن کی جس میں سورج بھی نہائے
جمنا بالوں کی تان بنی کی اڑائے
سنگم وہ کمر کا آنکھ اوجھل لہرائے
تہہ آب سرسوتی کی دھارا بل کھائے

اگرچہ فراقؔ نے اپنی غزل کے ایک شعر میں یہی خیال ظاہر کیا تھا جو آگے چل کر رباعیوں میں بھرپور طریقے سے رنگ لایا۔

شب وصال کے بعد آئینہ تو دیکھ اے دوست
ترے جمال کی دوشیزگی نکھر آئی

◆-◆-◆

آجاتا ہے گات میں سلونا پن اور
چنچل پن بال پن انیلا پن اور
کٹتے ہی سہاگ رات دیکھیں جو اُسے
بڑھ جاتا ہے روپ کا کنوارا پن اور

دوشیزہ میں سہاگ رات کے بعد کنوارا پن بڑھ جاتا ہے یہاں فراؔق نے کنوار کے وہ معنی نہیں لیے جو عموماً معروف ہیں۔ گات یعنی نوخیز سینہ، ایسا معلوم ہوتا ہے شاعر نے مصرعہ کو جنسی اور بدنی کشش دینے کے لیے یہ لفظ استعمال کیا ہے۔ اس رباعی کی عمدگی یہ بھی ہے کہ پانچ حالتوں اور کیفیتوں کو پن سے جوڑا ہے۔

رنگت تری کچھ اور نکل آتی ہے
یہ آن تو حوروں کو بھی شرماتی ہے
کٹتے ہی شبِ وصال ہر صبح کچھ اور
دوشیزگی جمال بڑھ جاتی ہے

یہ رباعی بھی اُسی خیال کی توسیع ہے کہ شب وصال کے بعد ہر صبح خوب صورتی بڑھتی جاتی ہے۔

انگ انگ کی لوچ میں وہ شانِ تسخیر
جھم جھم بجتی ہوئی کمر کی زنجیر
ہنگام وصال پینگ لیتا ہوا جسم
بے لاگ ہنڈول راگ کی ہے تصویر

اس رباعی میں سہ بعدی منظر کشی دیکھئے۔ اگر چہ ہر مصرعہ ایک پورا منظر نامہ ہے پھر بھی مصرعوں میں مضمون کا ارتقا رباعی کا حاصل ہے یعنی چوتھا مصرعہ زوردار ہو یا پھر معنی آفرینی سے لبریز ہو۔ یہاں چمکتے صفحات صنعت ابہام میں ہیں یعنی ایک تو دھوپ کی وجہ سے دوسرے راماین کے صفحات تابناک اور روشنی کے مصدر ہیں۔

آنگن میں سہاگنی نہا کے بیٹھی
رامایَن زانووں پہ رکھی ہے کھلی
جاڑے کی سہانی دھوپ کھلے گیسو کی
پرچھائیں چمکتے صفحے پر پڑتی ہوئی

عمدہ شاعر ایک معمولی روزمرّہ مضمون کو بھی فلکِ سخن پر دھنک کی طرح بکھیر

دیتا ہے۔ ایک جوان دیہات کی عورت کے نہا کر ساڑھی کے سکھانے کے عمل کو وہ خوب صورت ہندی اُردو الفاظ میں رنگین بنا دیتے ہیں۔ یہاں چاروں مصرعے اگرچہ ایک دوسرے سے مربوط ہیں لیکن مضمون میں ارتقا نہیں بلکہ حُسن ہے۔

نرمل جل سے نہا کے رس کی پتلی
بالوں سے ارگجے کی خوشبو لپٹی
ست رنگ دھنش کی طرح بانہوں کو اُٹھائے
پھیلاتی ہے الگنی پہ گیلی ساڑی

ہم یہاں طوالت سے بچنے کی خاطر چند رباعیوں کو بغیر تشریح اور تبصرے کے صرف جوڑ دیتے ہیں تا کہ دلہن کے روپ، مامتا اور پاکیزہ عورت کے روپ سے روشنی صفحات پر بکھر جائے۔

منڈپ کے تلے کھڑی ہے رس کی پتلی
جیون ساتھی سے پریم کی گانٹھ بندھی
مہکے شعلوں کے گرد بھاونر کے سمے
مکھڑے پر نرم چھوٹ سی پڑتی ہوئی

◆-◆-◆

آنکھوں میں سرشک جگ مگاتا مکھڑا
وہ جشن رُخصتی سہانا تڑکا
جھرمٹ میں سہیلیوں کے اُٹھتے ہیں قدم
وہ گھر کی عورتوں کا بابل گانا

◆-◆-◆

چوکے کی سہانی آنچ مکھڑا روشن
ہے گھر کی لکشمی پکاتی بھوجن

دیتے ہیں کُرچھلی کے چلنے کا پتہ
سیتا کی رسوئی کے کھٹکتے برتن

◆-◆-◆

پریمی کے ساتھ کھانے کا وہ عالم
چھلکے پہ وہ ہاتھ جسمِ نازک میں وہ خم
لقمے کے اُٹھانے میں کلائی کی لچک
دلکش کتنا ہے منھ کا چلنا کم کم

(شاعر نے منظر کشی میں دقیق اور چھوٹے چھوٹے لمحات کو شعری لباس پہنا دیا ہے)

پریمی کو بخار اٹھ نہیں سکتی ہے پلک
بیٹھی ہے سرہانے مانند مکھڑے کی دمک
جلتی ہوئی پیشانی پر رکھی دیتی ہے ہاتھ
پڑ جاتی ہے بیمار کے دل میں ٹھنڈک

فراقؔ کا کمال یہ بھی ہے کہ عام گھریلو کام کاج میں بھی حُسن کے نقطے کو تلاش کر لیتے ہیں اور اس کو رنگ و تاب دے کر پیش کر دیتے ہیں۔

متھتی ہے جسے وہی کو رس کی پتلی
الکوں کی لٹیں کچوں پہ لٹکی لٹکی
وہ چلتی ہوئی سڈول باہوں کی لچک
کومل مکھڑے پر اک سہانی سرخی

ممتا اور بالک کے رشتے کو ان رباعیوں میں دیکھیں۔ نیازؔ فتح پوری نے کہا تھا یہ مضامین تو صرف فراقؔ کہہ سکتے ہیں۔

گُل ہیں کہ رخ گرم کے ہیں انگارے
بالک کے نین سے ٹوٹتے ہیں تارے

رحمت کا فرشتہ بن کے دیتی ہے سزا
ماں ہی کو پکارے اور ماں ہی مارے

◆-◆-◆

نہلا کے چھلکے چھلکے نرمل جل سے
الجھے ہوئے گیسوؤں میں کنگھی کرکے
کس پیار سے دیکھتا ہے بچّہ منھ کو
جب گھٹنوں میں لے کے ہے پہناتی کپڑے

◆-◆-◆

ذیل میں ہم صرف ہر رباعی ایک دو مصرعے لکھ کر یہ بتانا چاہتے ہیں کہ تشبیہ دیتے ہوئے فراقؔ ندرت خیال کا خاص خیال رکھتے ہیں۔

لہروں میں کِھلا کنول نہائے جیسے
بچّہ سوتے میں مسکرائے جیسے
انگڑائی سی شفق کو آئے جیسے
غنچے کو نسیم گدگدائے جیسے
مندر میں چراغ جھلملائے جیسے
کونین کو میٹھی نیند آئے جیسے
دوشیزۂ بہار مسکرائے جیسے

ذیل کی رباعیات خود لب کشا ہیں۔

رکشا بندھن کی صبح رس کی پتلی
چھائی ہے گھٹا گگن پہ ہلکی ہلکی
بجلی کی طرح لچک رہے ہیں لچھے
بھائی کے ہے باندھتی چمکتی راکھی

◆-◆-◆

تو ہاتھ کو جب ہاتھ میں لے لیتی ہے
دُکھ دور زمانے کے مٹا دیتی ہے
سنسار کے پتّتے ہوئے ویرانے میں
سکھ شانت کی گویا تو ہری کھیتی ہے

ہنگام وصال اور جنسی ملاپ کی تصویر سمعی زاویوں جیسے جھم جھم بجتی کمر کی زنجیر ہنڈول راگ کی تصویر سے گرمائی گئی ہے۔ تکرار لفظ انگ انگ، جھم جھم کے بعد پینگ لیتا ہوا جسم شب زفاف کی روداد معلوم ہوتی ہے۔

فراقؔ کی رباعیات پر ہر قسم کے اعتراضات بھی ہوئے اگرچہ ان رباعیات کے چاہنے والے بھی وقت کے دھارے کے ساتھ بڑھتے گئے۔ فراقؔ کی رباعیات کی زبان اس کا بیان اس میں مستعمل محاسن زبان کے تشبیہات استعارات، علامات پر اعتراضات ہوئے۔ ان رباعیات میں بحر اور قافیہ کی غلطیاں ان میں استفادہ کیے جانے والے سنسکرت اور ہندی کے الفاظ کے غلط تلفظ کی وجہ سے بتائے گئے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فراقؔ سنسکرت اور ہندی سے سطحی طور پر واقف تھے لیکن ان الفاظ کی لسانیات ساختیات گرایمر اور صحیح تلفظ پر مکمل عبور نہیں رکھتے تھے اور وہ اس کی پروا بھی نہیں کرتے تھے۔ چناں چہ ان غیر مانوس الفاظ کی تکرار سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ وہ اُردو کی عشقیہ شاعری میں، اُردو شاعروں کو جو نصیحت کر رہے ہیں اُس پر انھوں نے خود عمل بھی کیا ہے، لکھتے ہیں: ''کوئی ہندی لغت یا ہندی شبد ساگر کا چھوٹا ایڈیشن لے لیا جائے اور اس میں سے خوب صورت سنسکرت الفاظ چھانٹ لیے جائیں اور وہ الفاظ تو خاص طور پر چن لیے جائیں جن کے عربی اور فارسی ترجمے ہو نہیں سکتے تب صحیح معنوں میں اور نہایت اہم معنوں میں اُردو صرف ہندو مسلمانوں کی مشترکہ کاروباری زبان ہی نہ ہوگی بلکہ ہندو کلچر اور مسلم کلچر کا سنگم بن جائے گی۔''

اس بیان اور نصیحت کو کلیم الدین احمد نے ''سخن ہائے گفتنی'' میں یہ کہہ کر رد کر دیا کہ اس سے فراقؔ کی لسانیات کے اصول سے بے خبری ظاہر ہوتی ہے۔

جن مشاہیر شعر وادب نے ''روپ'' کی رباعیات پر اعتراضات کیے ان میں سرفہرست نواب جعفر علی خان آثر لکھنوی ہیں جنھوں نے حوالوں اور منطقی لسانی دلیلوں کے ''روپ میری نظر میں'' لکھ کر کئی اہم سوالات اٹھائے ہیں۔ اس کے علاوہ پروفیسر گیان چند، اظہر علی فاروقی، عابد نیشاپوری، جگن ناتھ آزاد، مصور حسین خان، احتشام حسین، عقیل رضوی، سیدہ جعفر اور کئی دیگر افراد نے ان کوتاہیوں کی طرف روشنی ڈالی ہے۔ ہم یہاں بعض اہم نکات اور ان کے نتائج اور مختلف بیانات کو پیش کرتے ہیں تاکہ تنقیدی اور تجلیلی دونوں رخ سامنے آجائیں۔

ہم آثر لکھنوی کے اعتراضات کی جو تلخیص سلام سندیلوی نے کی ہے اس کو یہاں اس لیے بھی نقل کرتے ہیں کہ اغلب اساتذۂ شعر وادب ان اعتراضات کو صحیح تصور کرتے ہیں اگرچہ ان اعتراضات سے رباعیات کی تاثیر اور فراق کے شعری مقام میں کوئی خاص فرق نہیں پڑتا۔

آثر لکھنوی نے ''روپ'' میں پانچ نقائص کی طرف اشارہ کیا ہے:-

۱۔ آثر صاحب کا قول ہے کہ رباعی میں حسن قافیہ نہایت ضروری چیز ہے لیکن ''روپ'' کی بیشتر رباعیات اس سے محروم ہیں جس کا اعتراف خود فراق صاحب نے کرلیا ہے۔

۲۔ بقول آثر صاحب کی رباعیات کے بہت سے مصرعے ناموزوں ہیں اس کے علاوہ ان کی رباعیات میں سلاست اور روانی کی بھی کمی پائی جاتی ہے۔

۳۔ آثر صاحب کا ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ فراق کی رباعیات میں بہت سے الفاظ نہایت غیر مہذب پائے جاتے ہیں۔ مثلاً انگ انگ، چمکار، جوبن بمعنی پستان وغیرہ۔

۴۔ آثر صاحب کا یہ بھی اعتراض ہے کہ فراق کی رباعیات میں حشو و زوائد کی بھرمار ہے۔

۵۔ آثر صاحب کی یہ بھی رائے ہے کہ ان کی رباعیات میں بہت سے الفاظ کا

استعمال غلط ہے یا تلفظ غلط ہے۔

آثر صاحب نے فراقؔ کی رباعیات کی پہلے عیب سے بحث نہیں کی ہے اور انھوں نے فراقؔ صاحب کے قوانی کے معائب نہیں بیان کیے ہیں۔ ہاں دوسرے عیب کو انھوں نے واضح کیا ہے اور کچھ ناموزوں مصرعے بھی ثبوت میں پیش کیے ہیں۔ مثلاً انھوں نے مندرجہ ذیل مصرعوں کو ناموزوں بتایا ہے۔

۱۔ ''تہہ آب سرسوتی کی دھارا بل کھائے''

۲۔ ''بندھ جاتا ہے اک جلوہ و پردہ کا طلسم''

۳۔ ''کرولڑا رس کی سریلی کاویتا ہے بدن''

۴۔ ''منہ اٹھائے ہرن کے بچے کومل لوچن''

آثر صاحب نے اپنے تیسرے اعتراض کی موافقت میں چند مثالیں پیش کی ہیں جن سے ابتذال کا اظہار ہوتا ہے مثلاً اس کا اعتراض مندرجہ ذیل رباعی پر ہے۔

گنگا وہ بدن کہ جس میں سورج بھی نہائے
جمنا بالوں کی تان بنسی کی اُڑائے
سنگم وہ کمر کا آنکھ اوجھل لہرائے
تہہ آب سرسوتی کی دھارا بل کھائے

ان کا اعتراض انھیں کی زبان سے سنئے:-

''جسم گنگا، بال جمنا، ان دونوں کا سنگم اور کمر کے نیچے سرسوتی بہہ رہی ہے۔ فراقؔ نے صرف اتنا پردہ رکھ لیا ہے مگر اس چیز کا نام نہیں لیا جسے سرسوتی سے تاویل کیا ہے یہی غنیمت ہے۔''

ماں اور بہن بھی اور چہیتی بیٹی
گھر کی رانی بھی اور جیون ساتھی
پھر بھی وہ کامنی سراسر دیوی
اور سیج پہ بیسوا وہ رس کی پتلی

اس رباعی پر حضرت آثر کا اعتراض ملاحظ فرمایئے:-

''گھر کی عورت میں بیسوا کی حرکتیں دیکھنا اور ان کو سراہنا فراق صاحب کو ہی زیب دیتا ہے؟''

آثر صاحب نے اس طرح مبتذل رباعیات کی چند اور مثالیں پیش کی ہیں اس کے بعد لکھا ہے کہ ''معلوم ہوتا ہے کہ حضرت فراق کا منشا کوک شاستر تصنیف کرنا تھا۔ قانونی شکنجے سے بچنے کے لیے رباعیوں کا روپ دے دیا۔'' انھوں نے فراق کے کلام میں حشو وزوائد کی بھی مثالیں دی ہیں، مثلاً سرتا بہ قدم کہہ دیا تو ''بدن'' کہنے کی کیا ضرورت ہے۔ بدن حشو ہے۔''

آثر صاحب کا پانچواں اعتراض یہ ہے کہ فراق کی رباعیات میں بہت سے الفاظ برمحل استعمال نہیں کیے گئے ہیں۔

مثلاً سُکمار گات۔ اس کا ترجمہ فراق صاحب نے کیا ہے نازک دوشیزہ بدن، انھوں نے کنوارا پنڈا کا ترجمہ دوشیزہ بدن کیا ہے۔ سُکمار کے معنی نازک اور نرم کے ہیں لیکن اس سے دوشیزگی کا اظہار نہیں ہوتا ہے آثر صاحب کا اعتراض لفظ سواتی پر بھی ہے۔

''نظروں کی شعاؤں میں سواتی کی پھوار'' آثر صاحب کا اعتراض ہے کہ فراق صاحب نے سواتی کے معنی نیساں تحریر فرمایا ہے اگر چہ سواتی کے معنی نیساں نہیں بلکہ لغت میں اچھے ستاروں کا اجتماع ہے ہاں سوات ایسا لفظ ہے جس کے معنی وہ پانی جو ستمبر یا اکتوبر میں برستا ہے اور اس کی بوند جب سیپی میں گرتی ہے تو موتی بن جاتی ہے۔

آثر صاحب نے لفظ دھارا پر بھی اعتراض کیا ہے۔

ان اختلافات کے باوجود آثر صاحب نے فراق کی چند رباعیات کی بے حد تعریف کی ہے اور خصوصاً ان رباعیات کی ستائش میں نہایت فیاضی سے کام لیا ہے جن میں دیہات کی گھریلو زندگی کا عکس ہے مثلاً

نکھری نکھری نئی جوانی دمِ صبح
آنکھیں ہیں سکوں کی کہانی دمِ صبح
آنگن میں سہاگنی اٹھائے ہوئے ہاتھ
تلسی پہ چڑھا رہی ہیں پانی دمِ صبح

اس رباعی کے بارے میں لکھتے ہیں:-

''آرٹ کا کرشمہ دیکھیے کہ فطری منظر اس پیکرِ حسن میں اپنی رعنائیاں چھپا کر ذہن سے اوجھل ہو جاتا ہے اب یہی ''بھاگ بھری سہاگن''، ''صبح و میدہ'' ہے جس کے چہرے کی بشاشت، ان کا سکون اور اطمینان، رات کی میٹھی نیند، دل کی یکسوئی، صاف ستھری اور معصوم زندگی اور پاک خیالات کا آئینہ ہے۔''

اسی طرح ایک اور رباعی کی تعریف کی ہے ؎

لہروں میں کھلا کنول نہائے جیسے
دوشیزۂ صبح گنگنائے جیسے
یہ رُوپ، یہ لوچ، یہ ترنم، یہ نکھار
بچّہ سوتے ہیں مسکرائے جیسے

''سوتے بچّے کی مسکراہٹ سے تشبیہ نے ہر ادا کو معصوم بنا دیا ہے اور بے ساختگی بھر دی ہے جس میں ترغیب گناہ کی چھاؤں بھی نہیں۔ روپ اور لوچ نے اسی دوشیزہ کو کنول کا پھول بنا دیا ہے حسینہ سحر نے اپنی نغمگی اور اپنا سنگار نچھاور کر دیا۔ کیوں کہ اس حسن کی دیوی میں بھرپور جوانی کے باوصف دودھ پیتے بچّے کی معصومیت اور الھڑپن ہے۔''

اظہر علی فاروقی اپنے مضمون ''فراقؔ گورکھپوری ایک روپ انوپ'' میں لکھتے ہیں کہ ''ہندوستانی تہذیب اور یہاں کی معاشرت کو فراقؔ نے روشناس پہلی بار نہیں

کروایا بلکہ ہندوستانی معاشرت کے بہترین مرقعے اُردو مثنویوں میں موجود ہیں۔" وہ لکھتے ہیں کہ "بہت سے مطالب جو فراقؔ صاحب نے رباعیوں میں نظم کیے ہیں درست نہیں۔ مثلاً عورتیں گگرے یا گھڑے عام طور سے کاندھوں اور ہاتھوں سے زیادہ ٹینٹ پر رکھ کر چلتی ہیں۔ لڑکیاں اوکھ یعنی گنّوں کے کھیتوں میں کیسے اچھل سکتیں اور چھلانگ لگا سکتی ہیں۔ دیہاتی عورت شوہر کے ساتھ کھانا نہیں کھاتی۔ فراقؔ بند قبا کیوں کھلوا رہے ہیں وہ ہندوستانی کلچر کی نمائندگی میں انگیا اور چولی کیوں بھول گئے۔" اظہر فاروقی کو ان ساڑھے تین سو رباعیات میں مشکل سے چالیس پچاس ایسی رباعیات مل سکیں گی جس میں عریانیت کی جگہ شستہ پاکیزگی ہے۔

آیئے ان رباعیوں کی طرف جن پر جمالیات کا میک اپ کیا گیا ہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ "اُردو شاعری میں جمالیاتی عنصر کی یہ پہلی کرن ہے، بلکہ جمالیاتی شاعری کی تکمیل ہے۔ جن لوگوں نے اُردو شاعری کا مطالعہ کیا ہے اور غزل اور مثنوی کی طرف متوجہ ہوئے ہیں، وہ اسے قبول کرنے کے لیے ہرگز تیار نہ ہوں گے۔ کیا غزل کے بنیادی مضامین حسن و عشق اور عشقیہ جذبات، احساسات اور واردات وغیرہ کا رشتہ جمالیات سے نہیں جڑتا ہے؟ مزید براں اعضائے جسمانی کے وہ مرقعے اُردو غزل خصوصاً لکھنؤ اسکول کے تغزل میں پائے جاتے ہیں کہ ان کا ہزاروں حصّہ بھی ان جمالیاتی رباعیوں میں نظر نہیں آتا۔ اوّل تو ایسی جمالیاتی شاعری، جس کی حدیں عریانیت سے مل جاتی ہیں، بجائے خود کسی افادیت کی حامل نہیں ہوا کرتی۔ یہی وجہ ہے کہ (اواخر ۱۹ ویں صدی سے) لکھنؤ اسکول کی ایسی جمالیاتی غزلیات کو پس پشت ڈالنے کا مشورہ دیا گیا اور عریانیت کے تحت رکھ کر اس روش سے احتراز کرنا بہتر سمجھا گیا، جہاں سر کے بالوں سے لے کر پیر کے تلووں تک کسی عضو کی تصویر نظر نہیں آتی۔

ہمیں اندازہ ایسا ہوتا ہے کہ فراقؔ صاحب کے دل و دماغ پر شہوانی جذباتی کا کافی زور رہا ہے اس لیے انھوں نے ایسی ہی باتوں کو اپنایا جہاں شہوانیت میں اشتکال ہوتا رہے۔ تکرار الفاظ بھی فراقؔ صاحب کی فطرت ثانیہ بن چکی ہے۔ شعرا نے ہندو

اساطیر کو تلمیحات کے طور پر استعمال کیا ہے۔ فراقؔ صاحب کا یہ عمل کوئی عجوبہ نہیں اور انھوں نے کچھ ایسی تلمیحات برتی ہیں جو بے پناہ غیر معروف اور نامانوس سی ہیں اور انھوں نے فٹ نوٹ میں ان کی تشریح یا تو بالکل نہیں کی یا نہ ہونے کے برابر۔

شیام لعل کالرا کہتے ہیں: ''پوری کتاب میں شاید دو ایک رباعیاں ایسی ہوں جن میں تشبیہیں مناسب ہوں ورنہ بیشتر میں مشبہ اور مشبہ میں کوئی فرق نہیں۔''

فراقؔ کی حد سے بڑھی ہوئی بیباکی اور عریانی سے جگن ناتھ آزادؔ بھی خوش نہیں۔ ان کا خیال ہے کہ ''ہندو تہذیب، سجل روپ، دیپ مالا، مدبھرے سینے، کمر کا کٹاؤ چندر کرن اور کامدیو کی کمان کے علاوہ اور بھی بہت کچھ اپنی وسعتوں میں سمیٹے ہوئے ہے۔'' جگن ناتھ آزادؔ لکھتے ہیں:-

> ''یہی اس تہذیب کا طول و عرض ہے اور یہی اس کا ماحصل ہے تو عالمی تہذیب کے پیمانے سے یہ ایک معمولی اور غیر اہم تہذیب ہے۔ اس سے تو میں اس نتیجے پر پہنچتا ہوں کہ ساری ہندو تہذیب شرینگار اسی کی شاعری کے علاوہ ہمیں کچھ بھی نہیں دے گی...... لیکن یہ حقیقت نہیں ہے۔''

پروفیسر گیان چند لکھتے ہیں ؎

ہے کلامِ فراقؔ وہ جنگل
جو ہے قانون و قاعدے سے بری

فراقؔ کی عروضی حس جتنی کمزور تھی مشاہیر شعرا میں اس کی دوسری مثال نہیں ملتی۔ ہندی بحر، بحر متقارب اور متدارک اور رباعی میں وہ خاص طور پر ٹھوکریں کھاتے ہیں۔

فراقؔ کی رباعیات پر کیے گئے اعتراضات ہم نے اجمالی طور پر پیش کیے تاکہ سکّے کے دونوں رُخ سامنے آجائیں۔ یہ اعتراضات ان کے سامنے اور بعض اوقات شعر خوانی کے فوری بعد بھی ان کے آشنا و بیگانہ دوست اور دشمن کرتے رہے لیکن فراقؔ

نے کوئی خاص توجہ مضمون یا ان رباعیوں میں پائے جانے والے سقم پر نہیں کی۔ وہ ان رباعیوں کو جمالیاتی رباعیاں کہتے تھے اور اسے اُردو شاعری کے لیے ضروری بھی سمجھتے تھے جیسا کہ انھوں نے اسالیب کی ادبیت کے سلسلے میں کہا ہے: ''دنیا اور زندگی پر ایمان ہی سے لہجے کی وہ نرمی پیدا ہوتی ہے جس کا میں قایل ہوں۔ بلند شاعری فی الحقیقت جمالیاتی عظمت کی تلاش ہے۔ دورِ حاضر کی اُردو شاعری میں مزاج اور لہجے کی نرمی کی تحریک کو آگے بڑھانے میں میرا کافی حصّہ رہا ہے۔ انہی خیالات کو اور'' روپ'' کی رباعیات کے خدوخال کو فراقؔ ''روپ'' ہی کی رباعیوں میں پیش کرتے ہیں۔ اس میں تعلّی کی چاشنی بھی شامل ہے۔

جز میرے یہ رنگ حُسن اُچھالے کس نے
سانچے میں یہ خط و خال ڈھالے کس نے
سازِ بے نغمہ تھا یہ جسمِ رنگیں
اس ساز سے یہ بول نکالے کس نے

◆-◆-◆

میرے منہ سے میرے ترانے سُن لے
الفاظ کے ساز سے وہ شعلے دہکے
رُخسار تہِ نقاب جگمگ جگمگ
دیپک گانے سے جیسے جل جائیں دیے

◆-◆-◆

آنکھیں ہوں تو دیکھ ان ترانوں کا کمال
الفاظ کے زیر و بم سے اُڑتا ہے گلال
اوروں کے یہاں کہاں یہ تیور، یہ رچاؤ
کیا سے کیا کردیا ہے اُردو کا جمال

◆-◆-◆

ہر بیت کے ٹھاٹھ میں سمندر لہرائے
ہر لفظ میں وہ لچک کہ بجلی بل کھائے
اُردو کو شگفتگی ملی وہ مجھ سے
پچھلے کو کنول فضا کا جیسے کھل جائے

◆-◆-◆

پہلے مصرعے میں حُسن کا خط جبیں
اور دوسرے مصرعے میں لٹوں کی تزئیں
چوتھا ہو نکلتا ہوا یوں تیسرے سے
جیسے بھیگی مسیں ہوں ابرو سے حسیں

◆-◆-◆

ہے غازۂ رُوئے دوست شاعر کا خیال
جذب اس مشاہدے کے بیسوں مہ وسال
جلوہ دہِ حُسن ہر ترانہ ہے مرا
آئینہ در آئینہ ہے یہ بزمِ جمال

◆-◆-◆

کرائے گُلِ تازہ کچھ تو شاعر کا بھی پاس
معراج ہے آب وگل کی رُوحِ حسّاس
کیا سے کیا کردیا ہے پیکر کو ترے
پہلے تھا کہاں یہ رنگ، یہ رس، یہ باس

❑❑❑

منتخب شرینگار رس کی رُباعیات کا تفصیلی تجزیہ

رشکِ دلِ کیکئی کا فتنہ ہے بدن
سیتا کے برہ کا کوئی شعلہ ہے بدن
رادھا کی نگاہ کا چھلاوا ہے کوئی
یا کرشن کی بانسری کا لہرا ہے بدن

لغات : رشک = حسد، رقابت فتنہ = جھگڑا، فساد
برہ = ہجر، جدائی
چھلاوا = شعبدہ باز، طلسم دکھانے والا، شوخ
لہرا = طبیعت میں جوش پیدا کرنے والی سُر یا لے۔

تلمیح : کیکئی = دشرتھ راجا کی بیوی، کیکئی قبیلہ کی شہزادی۔
سیتا = رام چندر جی کی بیوی جو بن باس گئی تھی۔
رادھا = کرشن جی کی ایک پیاری گوپی۔
کرشن = وشنو کے آٹھویں اُوتار۔

محاورہ : فتنہ کرنا = فساد کرنا
چھلاوہ ہوجانا = قابو میں نہ آنا...... طلسم ہوجانا

جدید ترکیب : رشکِ دلِ کیکئی

تشریح و تفہیم : اس مردّف رباعی کا مرکز اور شعریت بھی بدن ہے، ایک حسین

جاذب بدن جو رقابت انگیز ہے، جو شعلہ کیفیت ہے جو سحر نما اور طلسم پیکر ہے، جو طبیعت میں جوش پیدا کرنے والی راگ کے مانند ہے۔ اس رباعی کا حُسن یہ ہے کہ اس کے مضامین کو تلمیحات سے جوڑ دیا گیا ہے، یعنی شہزادی کیکئی جس نے حسد کی بنا رام اور سیتا کو بن باس بھیجا تھا اس کی رقابت اور حسادت سے رقیبوں میں فتنہ انگیزی کا سبب معشوق کا بدن ہے۔ سیتا کے ہجر یا جدائی کی آگ جو دلوں میں لگی تھی اُس سے معشوق کے شعلہ بدن ہونے کو جوڑا گیا ہے۔ رادھا کی نگاہوں کے جادو کو جادو کرنے والے بدن سے جوڑ کر مضمون دو آتشہ کیا گیا اور آخر میں کرشن بانسری کے اُس راگ سے بدن کو تشبیہ دی گئی ہے۔ جس سے طبیعت میں جوش پیدا ہوتا ہے۔ پوری رباعی استعاراتی تلمیحات اور کنایاتی زیوارت سے مزیّن کی گئی۔ عربی، فارسی اور ہندی کے قافیوں نے رباعی کے چہرے پر ہندوستانی کلچر کا غازہ مَلا ہے۔

صنائع بدائع : صنعت تنسیق الصفات = (۱) رشک، کیکئی، فتنہ، (۲) رادھا، نگاہ، چھلاوا (۳) سیتا، برہ

صنعت مراعات النظیر = کرشن، بانسری، لہرا

صنعت تضریع = رادھا، لہرا

صنعت تضمین المز دوج = سیتا، برہ، شعلہ

صنعت تضمین المز دوج = رادھا، نگاہ، چھلاوا

صنعت تضمین المز دوج = یا، کا، لہرا

◆-◆-◆

ہونٹوں میں وہ رس کہ جس پہ بھونرا منڈلائے
سانسوں کی وہ سیج جس پہ خوشبو سو جائے
چہرے کی دمک جیسے شبنم کی ردا
مد آنکھوں کا، کامدیو کو بھی جو چھکائے

لغات : رَس = شیرہ، مٹھاس سیج = پھولوں کی چادر
دمک = چمک ردا = چادر
مد = نشہ، خماد کامدیو = حُسن کا دیوتا
چھکائے = سیر کرے

تلمیح : کامدیو = حُسن کا دیوتا

روزمرّہ : پہلا مصرعہ روزمرّہ میں ہے۔

مساوات : پہلے اور دوسرے مصرعہ میں مساوات ہے۔

اختصار اور ایجاز: تیسرے مصرعہ میں موجود ہے۔

نادر تشبیہ : چہرے کی چمک جس پر پسینہ کی بوندیں ایسی بھلی لگتی ہیں جیسے سبزہ زار پر شبنم کے قطروں کی شعاعوں سے چمک دمک۔

عمدہ استعارہ : سانسوں کی لہر کو پھولوں کی چادر کہہ کر اُس پر خوشبو کو سُلانے سے مصرعہ مہک اُٹھا۔

صنعت مراعات النظیر : (۱) رَس، بھونرا، سیج، خوشبو، (۲) چہرے، دمک، آنکھوں

صنعت مبالغۂ غلو : چوتھا مصرعہ اور صنعت مبالغۂ اغراق میں پہلا مصرعہ ہے۔

صنعت استخدام : رَس سے مراد شیرہ اور خوب صورتی ہے لیکن شاعر کی مراد جذبۂ جنسی ہے۔

صنعت تضریع : دوسرا شعر، چہرے، چھکائے

اس رباعی کی پوری جمالیاتی عمارت تشبیہ اور استعاراتی ستونوں پر قائم کی گئی

ہے۔شاعر نے استعاراتی الفاظ کو لغوی معنی میں بھی منتقل کرنے کی صلاحیت رکھی ہے جس سے مطالب ذو وفہم اور دلکش ہو گئے ہیں۔مصرعہ دوم میں سین کی تکرار سے خاص صوتی آہنگ بکھیر دیا ہے۔پوری رباعی رسیلے لبوں، روشن چہرے، خمار بھری آنکھوں اور خوشبو بھری سانسوں یعنی رنگ و بو کے احساسی چمنستان پر بنائی گئی ہے۔

یہاں روپ کی رانی یا حُسن کی دیوی صرف ہندوستانی کلچرل کی نقیب نہیں بلکہ آفاقی اقدار کی حاصل ہے کیوں کہ حُسن عالمگیر ہے۔اس رباعی کی یہ بھی خوبی ہے کہ مصرعہ اوّل سے مصرعہ چہارم تک مضمون کو ترقی دینے کے لیے اُردو ہندی بھاشا سنسکرت، فارسی اور عربی کے الفاظ کو نگینوں کی طرح جوڑا ہے چناں چہ ثقیل اور غیر مانوس الفاظ بھی نرم اور مانوس محسوس ہوتے ہیں۔

◆-◆-◆

زلفوں سے فضاؤں میں اُداہٹ کا سماں
مکھڑا ہے کہ آگ میں تراوٹ کا سماں
یہ سوز و گداز قد و رعنا جیسے
ہیرے کے منار میں گھلاوٹ کا سماں

لغات : اُداہٹ = اُداپن تراوٹ = ٹھنڈک، تازگی
گھلاوٹ = نرمی سوز = جلن
گداز = پگھلنا رعنا = خوش خرامی، خوب صورت چال

تشریح و تفہیم : شاعر نے اس مردّف رباعی میں ایک حسین دلکش پیکر کی امیجری کی ہے۔تصوّر کو مہمیز کیا ہے اور متضاد کیفیات سے بھرپور فائدہ اٹھا ہے جو گہرے تخیّل اور زبان کے عبور سے حاصل ہوتا ہے۔شاعر کہتا ہے زلفیں اتنی کالی اور گھنی ہیں کہ اس سے لپٹی ہوئی فضا بھی اُودی نظر

آ رہی ہے۔ چہرہ اتنا روشن اور تابناک ہے کہ اس پر آگ کا گماں ہوتا ہے لیکن ایسی آگ جس سے ٹھنڈک اور تازگی حاصل ہو۔ معشوق کا قد اور اس کی خوبصورت چال اُس کے جذبات کی گرمی کا احساس کچھ ایسا ہے جیسے ہیرے کا منار یعنی قیمتی خوبصورت اور سخت ترین شئی کا بلند مینار میں خوبصورت چال کی لچک اور نرمی ہو۔ رباعی کا دوسرا شعر عمدہ اور نادر تشبیہ سے بنایا گیا ہے، جو قد اور چال کو ہیرے کے مینار میں لچک اور نرمی کے تصوّر سے ہم کنار کرتا ہے۔ تینوں قافیے اُداہٹ، ٹراوٹ، گھلاوٹ رباعی کے مزاج کے لیے سخت اور جدید ہیں، لیکن قافیوں کے ساتھ کے الفاظ نے ان کو نرم اور مانوس کر دیا ہے۔

صنعت مبالغہ غلو اگر چہ بعض علمائے شعر کی نظر میں قبیح ہے لیکن سچ تو یہ ہے کہ مبالغہ کے بغیر شاعری بے نمک ہو جاتی ہے۔ فضا کو رنگ دینا، آگ میں ٹھنڈک پیدا کرنا اور ہیرے میں نرمی دیکھنا تخلیق کی دین ہے اور راقم کی نظر میں مستحسن ہے اور اس کے لیے عاشق کی نظر اور اُس کا سوز و گداز ضروری ہے۔

صنائع بدائع : صنعت تضاد = آگ، تراوٹ، ہیرے، گھلاوٹ

صنعت مراعات النظیر = زلفوں، مکھڑا

صنعت تنسیق الصفات = سوز، گداز

صنعت مبالغہ غلو = دوسرا اور چوتھا مصرعہ ہے

صنعت جمع = سوز، گداز، قد، رعنا

صنعت مسجع متوازی = تینوں قافیے ہیں

صنعت تضریع = زلفوں، سماں

صنعت لف ونشر مرتب = قد رعنا، ہیرے کے مینار، گھلاوٹ

◆-◆-◆

گیسو بکھرے ہوئے گھٹائیں بے خود
آنچل لٹکا ہوا، ہوائیں بے خود
پُرکیف شباب سے ادائیں بے خود
گاتی ہوئی سانس سے فضائیں بے خود

لغات : بے خود = مدہوش، سرشار آنچل = ڈوپٹہ کا سرا
پُرکیف = مست

تشریح و تفہیم : اس مرڈف رباعی کی ردیف ''بے خود'' نے مضمون میں نہ صرف ترقی دی بلکہ تمام تر معاملہ بندی کی مرکزی حیثیت حاصل کی۔ چناں چہ ردیف کے بغیر مصرعے بے جان ہیں۔ یہ بھی بڑے شاعر کا فن محسوب ہوتا ہے جہاں ردیف کی مصرعہ میں کیہت نص مضمون کے لیے لازمی اور ضروری ہو جاتی ہے۔ شاعر نے ان چار مصرعوں میں چنچل مدہوش جوانی کی الفاظ کے رنگوں سے مصوّری کی ہے جس میں خود ایسی بے خودی ہے جو ماحول کو بے خود اور مست بنا دیتی ہے جو فطری حُسن اور شباب کا تقاضا ہے جس میں بناوٹ اور تصنع نہیں۔ رباعی کی بنیاد تشبیہاتی استعاراتی اور کنایاتی نظام پر رکھ کر تخّیل کی بلندی سے مضمون کو رفعت دی گئی ہے، بکھرے گیسوؤں جیسے مدہوش گھٹائیں، لہراتا ہوا آنچل جیسے مدہوش ہوائیں، یا یوں تصوّر کیا جائے کہ بکھرے گیسوؤں نے گھٹاؤں کو مت کر دیا، لہرائے آنچل نے ہواؤں کو مدہوش کر دیا، مست شباب نے اداوں کو بے خود کر دیا اور سانسوں کی نغمگی نے فضاؤں کو سرشار کر دیا تشبیہ میں مشبّہ کو مشبّہ بہ کا مدیون بتانا صنعت گیری ہے جو یہاں نظر آتی ہے۔ رباعی کے مصرعوں میں الفاظ کا چناؤ اور برتاؤ مقتضائے حال اور مقام ہے۔

مصرعوں کی ترکیب میں مساوات ہے اور بھرتی کے الفاظ نہیں مصرعوں کی بندلیش چشت ہے۔اس رباعی کا لطف یہ بھی ہے کہ اس کے تمام چار مصرعے مقفیٰ اور مردّف ہیں جو مستحسن ہے۔شاعر نے حُسن کے نشّہ کو تیز کرنے کے لیے حالات کو بدلا یعنی گیسوؤں کو بکھیرا، آنچل کو اُڑایا، سانسوں کو گوایا اور شباب کو مدہوش بنایا تا کہ تمام ماحول حُسن کی زد میں رہے۔جعفرعلی خاں اثر نے ''روپ'' پر اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ فراق کے پاس حُسن قافیہ کی کمی ہے۔ یہ رباعی حُسن قافیہ اور حُسن ردیف کی دلیل ہے جہاں قافیہ اور ردیف ایک دوسرے میں گتھ گئے ہیں۔

صنائع بدائع : صنعت مراعات النظیر = گیسو، آنچل، بکھرے

صنعت حُسن تعلیل میں دوسرا اور چوتھا مصرعہ ہے۔

صنعت مسجع متوازی = چاروں قافیے اسی صنعت میں ہیں۔

صنعت استتباع میں پوری رباعی ہے۔

اس رباعی میں یہ بھی صنعت موجود ہے کہ چاروں مصرعوں کو کسی بھی ترتیب سے پڑھنے سے مضمون میں تبدیلی نہیں ہوتی۔

◆-◆-◆

وہ روپ کی موہنی، وہ چہرے کا نکھار
وہ کولے بھرے بھرے وہ سینے کا اُبھار
وہ چال کہ جیسے رقص کرتی ہو نسیم
ہر گام پہ لوٹ لوٹ جاتی ہے بہار

لغات : روپ=حُسن موہنی=خوب صورت عورت

کولے=Hip، پٹھا گام=قدم

محاورہ : لوٹ جانا = عاشق ہوجانا، زمین پر لوٹنے لگنا

تشریح وتفہیم : اس رباعی کے پہلے تین مصرعوں میں شاعر نے حسین عورت کی جنسیت کی مصوّری اور تعریف کرتے ہوئے لفظ ''وہ'' میں غضب کی وسعت بھردی ہے۔ وہ چہرے کا نکھار، وہ کولے کی گولائی وہ چھائیوں کی اٹھان وہ بدمست چال جیسے ناچتی ہوئی نسیم سحر جس کو دیکھ کر ہر قدم پر بہارِ غش میں آجاتی ہے اور حسینہ کی عاشق ہوجاتی ہے۔ یہ بھی فطری بڑے شاعر کا کرشمہ ہے معمولی الفاظ کے کندھوں پر زمین وآسمان کا بوجھ رکھ دیتا ہے۔ یہاں اس حقیر لفظ ''وہ'' میں انتہا سمیٹی گئی ہے۔ عورت مرد سے چہرے کی زیبائی، سینے اور کولوں کی گولائی اور چال میں بہت مختلف ہے جیسے عورت کے حُسن کا جزو مانا جاتا ہے اور انہی ظاہری قد وخال اور چال کے مال نے شاعروں کے حال کو بحال کیا ہے۔ شاعر فطرت کا مطالعہ دقیق اور گہرا کرتا ہے پھر اس تجربہ کو الفاظ کا جامہ دے کر جامعہ میں پیش کرتا ہے، حُسن اور حسین پیکر فطرت کا حصّہ ہیں جسے تخیّل کی گیرائی نے جذب کیا اور پھر چوتھے مصرعہ میں اس کا اثر دکھایا اِسی کھیل کا نام سخنوری ہے جو فراؔق کے پاس فراواں ہے۔ فراؔق نے اپنی شاعری کی بابت یہ بھی کہا تھا کہ ہندوستانی کلچر کے رنگ میں آفاقی قدروں کو بیان کرنے میں کس قدر وہ کامیاب رہے اُسے آئندہ زمانہ تعیّن کرے گا۔ یقیناً اس موہنی پیکر کی ساری دنیا عاشق ہے۔ فارسی اور اُردو رباعیات میں عموماً ترکیبیں اور اضافات کا ہجوم ہوتا ہے لیکن فراؔق کی اکثر رباعیوں میں عربی، فارسی بھاشا اُردو، ہندی اور سنسکرت کے فراواں الفاظ کی بدولت اضافات کم ہیں۔ چناں چہ اسی لیے اکیسویں صدی میں بھی رباعیات آسان اور عوام پسند رہیں گی۔

صنائع بدائع : صنعت تکرار = بھرے بھرے......لوٹ لوٹ

صنعت مراعات النظیر = چہرے، کولے، سینے......چال، رقص، گام

صنعت تلمیح = نسیم سے مراد سحر کی ٹھنڈی ہوا۔

صنعت مسجع متوازی = تینوں قافیے اِسی صنعت میں ہیں۔

صنعت جمع = تینوں مصرعہ صنعت جمع میں ہیں۔

دوسرے مصرعہ میں ''ے'' کی تکرار نے صوتی آہنگ میں اضافہ کیا ہے۔

صنعت مبالغہ میں تیسرا اور چوتھا مصرعہ ہے۔

◆-◆-◆

آنکھوں میں وہ رہ جو پتّی پتّی دھو جائے
زلفوں کے فسوں سے مارِ سنبل سو جائے
جس وقت تو سیر گلستاں کرتا ہو
ہر پھول کا رنگ اور گہرا ہو جائے

لغات : رَس = محبّت، اثر، شیرہ — فسوں = جادو
مار = سانپ — سنبل = ایک قسم کا پھول

تشریح وتفہیم : اِس رباعی میں پوری تصویر کشی معشوق کی گلشن میں سیر سے متعلق ہے۔ آنکھوں کے خمار اور نمی سے پھولوں کی پتّاں دھل جائیں، زلفوں کی بلندی اور پیچ دیکھ کر سانپ پر نیند طاری ہو جائے اور چہرے کی تمازت اور رنگینی سے گلشن کے پھولوں کے رنگ گہرے ہو جائیں۔ مصرعہ سوّم میں ایک لطیف نکتہ معشوق کی خرام یا چال سے بھی موجود ہے۔ شاعر گلستان کی رونق معشوق کی بدولت بتا رہا ہے یعنی معشوق کے حُسن کے جادو سے گلشن رنگین تر ہو جاتا ہے۔

افعی یا سانپ سنبل کے درخت سے لپٹا رہتا ہے، یہاں گیسو کو سانپ اور رخ روشن کو سنبل (پھول) سے نسبت دی گئی ہے۔ شاعر کی آرزو ہے کہ معشوق کے سامنے گلستان کے پھولوں کے رنگ گہرے ہو جائیں کیوں کہ اس کے رخ منوّر اور رنگینی کے سامنے پھولوں کے رنگ کم رنگ ہیں۔ یہاں مضمون کو اچھوتے طریقہ پر ترقی دی گئی ہے۔

چاروں مصرعوں میں مساوات ہے اور اِطناب نہیں اگرچہ اختصار اور ایجاز بھی نظر نہیں آتا۔

صنائع بدائع : صنعت حُسن تعلیل = مار سنبل سو جائے (سانپ سنبل کے درخت کے نیچے سایہ میں سوتا رہتا ہے)

صنعت ایہام = رَس یہاں مراد خمار اور آنکھوں کی نمی ہے۔

صنعت مراعات النظیر = آنکھوں، رس، زلفوں...... گلستاں، پھول، سیر

صنعت مسجع متوازی میں تینوں قافیے ہیں۔

•-•-•

شبنم سے یہ شعلوں کی جبیں دُھلتی ہے
کرنوں سے یہ کلیوں کی گرہ کھلتی ہے
یہ رنگ، یہ رس، یہ مسکراہٹ، یہ نکھار
یا نور کی موجود میں شفق گھلتی ہے

لغات : جبیں = پیشانی رس = نشیلا پن

شفق = آسمان پر سرخی جو طلوع آفتاب سے پہلے اور غروب آفتاب کے بعد نمودار ہوتی ہے۔

جدید فقرے : شعلوں کی جبیں، شفق گھلتی ہے

محاورہ : گرہ کھلنا = کام کا آسان ہونا

تشریح وتفہیم : پوری رباعی صنعت حُسن تعلیل اور ایہام پر تعمیر کی گئی ہے۔ اس رباعی میں ایک طرف صبح کی صورتِ حال اور گلشن کا احوال ہے تو دوسری طرف ایک شعلہ رخ محبوب کے چہرے کی جھلک ہے۔ شاعر پہلے مصرعہ میں ''شعلوں'' کی جگہ ''پھولوں'' رکھ کر مضمون آسان اور ذو دفہم بنا سکتا تھا شاید یہاں شعلوں سے مراد لال رنگ کے لالہ کے پھول یا محبوب کا سُرخ تابناک چہرہ مراد ہو جن پر شعلوں کا گمان ہوسکتا ہے۔ شبنم نے لال لالہ کے پھولوں کی پیشانی دھوئی، سورج کی کرنوں نے کلیوں کے لبوں کی گرہ کھولی اور چاروں طرف رنگ ونکھار اور پھولوں کی مسکراہٹ ایسی گلزار کی فضاؤں میں گھل گئی جیسے صبح کے نور میں شفق گھل جاتی ہے اس کے دوسرا مفہوم یہ بھی ہوسکتا ہے کہ محبوب کے شعلہ رخ ماتھے پر عرق کی بوندیں کرنوں سے چمک دمک میں اضافہ کرتی ہیں، چناں چہ تابناک چہرہ اور بھی نکھر جاتا ہے، محبوب کی مسکراہٹ اس کا نشیلا پن اور حیا سے لبریز سرخ چہرہ کا رنگ خود بہ خود چہرہ کی تابنا کی میں ضم ہوجاتا ہے۔

صنائع وبدائع : صنعت حُسن تعلیل = پورا چوتھا مصرعہ ہے۔
صنعت مراعات النظیر = شبنم، کلیوں، کرنوں
صنعت جمع = رنگ، رس، مسکراہٹ، نکھار
صنعت تکرار مع الحاجب = تیسرے مصرعہ میں یہ کی تکرار ہے۔

◆-◆-◆

پگھلے ہوئے آفتاب سینے میں ہیں بند
دام یزداں شکار زلفوں کی کمند
بل کھاتی کنک چھڑی ہے رس کی پتلی
خوشبو تنِ نازنیں کی سونے میں سگند

لغات : دام = جال یزداں = پروردگار
کمند = پھندا کنک = سونا، زر
رَس = عشق، جذبہ سُگند = مہک
پتلی = گڑی

جدید ترکیب : دام یزداں شکار

محاورہ : بَل کھانا = پیچ وتاب کھانا

تشریح وتفہیم : شاعر نے چار مصرعوں میں کسی چنچل شوخ شعلہ خو حسینہ کی تصویر کشی کی ہے۔ جس کے سینے میں دہکتے ہوئے جذبات کے آفتاب پوشید ہیں جس کی زلفوں میں خود پر ماتما پھنسا ہوا ہے جس کی لچک دار چال سے جو خوشبو بکھرتی ہے تو ایسا معلوم ہوتی ہے کہ سونے کی چھڑی گُل چھڑی کی طرح گلستان میں جھوم کر بل کھا عطر آگیں ماحول بنا رہی ہے۔
فراؔق کے کلام میں خیال کی ندرت کے ساتھ ساتھ الفاظ کی قدرت کا بھی مظاہرہ ہے۔ اُس کی پتلی کنک چھڑی، تن نازنین جیسے القاب اور اس پھر استعاراتی نظام میں سونے کی چھڑی اور مہک سے اس کا نرخ بڑھایا گیا ہے تا کہ جمالیاتی حِس کا نشہ دو آتشہ ہو سکے۔ فراؔق کی شاعری میں وحدت کا سودا اس کا نمود اور شہود حقیقی اور مجازی طور پر نظر آتا ہے، شاید فراؔق کے پاس برہنہ حرف بگفتن ہنر گویائیت۔

◆-◆-◆

گہوارۂ صد بہار، ہر موجِ نفس
یہ رنگِ نشاط تیرے ہاتھوں کا ہے جَس
نظریں ہیں کہ رہ رہ کے نہا اُٹھتی ہیں
ہر عضو بدن سے وہ چھلکتا ہوا رس

لغات : گہوارہ = جھولا صد = سو
نشاط = خوشی جَس = برکت، خوبی
رس = حُسن

جدید ترکیب : گہوارہ صد بہار - رنگِ نشاط

تشریح تفہیم : علمائے شعر و ادب نے رباعی کی ساخت میں عظیم رباعی گو شعرا کے اس نکتہ کو بھی واضح کیا ہے کہ پہلے تین مصرعوں میں مضمون کو پیش کر کے چوتھے مصرعہ میں نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے یا بالفاظ دیگر تین مصرعوں کے مضمونوں کو چوتھے مصرعہ سے جوڑ کر کامل کیا جاتا ہے۔

فراقؔ کے پاس اکثر رباعیوں میں اس التزام کی کمی ہے جیسے رباعی میں دونوں شعروں میں کوئی خاص ربط نہیں اگر چہ سارے معاملات جمالیاتی احساس سے متعلق ہیں۔

آخری دو مصرعوں میں اس کی نسبت سے اچھوتا اور نادرِ خیال پیش کیا گیا۔ بیشتر مصرعوں میں مساوات نظر آتی ہے اور بھرتی کے الفاظ سے اجتناب کیا گیا ہے۔

پہلے شعر میں فارسی، عربی کے الفاظ زیادہ اور تین اضافتیں ہیں اور دوسرے شعر میں زیادہ تر اُردو، ہندی الفاظ ہیں اور کوئی اضافت نہیں یہ بھی ایک فراقؔ کی پہچان ہے جو کُھل کر ہر زبان کے الفاظ کا مناسب استعمال کرتے ہیں۔

صنائع بدائع : صنعت ذولسانین = پہلا مصرعہ فارسی اور دوسرا مصرعہ اُردو میں پڑھا جا سکتا ہے۔

صنعت تکرار = رہ رہ

صنعت ایہام = رس (شیرہ اور حُسن کے معنی میں پیش کیا گیا ہے) شاعر کا مقصد حُسن ہے

صنعت مبالغہ = دوسرا شعر صنعت میں ہے

صنعت ادعا میں آخری دو مصرعہ ہیں

◆-◆-◆

ٹھہری ٹھہری نظر میں وحشت کی کرن
چھلکے چھلکے کلس ہیں مد کے جوبَن
ماتھے پر سرخ جھلملاتا تارا
کاندھے پر گیسوؤں کا چھایا ہوا گھن

لغات : کلس = گنبد کا اوپری نوکیلی حصّہ مد = شراب

جوبَن = پپتان گھن = ابر، گھٹا

وحشت = بے قراری

محاورہ : نظر ٹھہرنا = نظر جمانا

روزمرّہ : میں تیسرا مصرعہ ہے

تقریباً ہر مصرعہ میں مساوات برقرار ہے اور رباعی اطناب یا بھرتی کے الفاظ سے خالی ہے۔

تشریح تفہیم : اس رباعی کے پہلے، تیسرے اور چوتھے مصرعہ میں سنگھار رَس یعنی جمالیاتی احساس کی معاملہ بندی ہے اور اس احساس کی انتہایا

دوسرے مصرعہ میں ابہام کی صورت میں پیش کی گئی ہے، Climax
چناں چہ اگر دوسرا مصرعہ چوتھے کی جگہ اور چوتھا مصرعہ دوسرے مصرعہ کے مقام پر ہوتا تو رباعی کی تفہیم اور تحلیل آسان ہو جاتی۔ شاعر ایک بے قرار چڑھتی جوانی کی جمالیاتی کیفیت کو الفاظ میں ظاہر کر رہا ہے جس کی جمائی ہوئی نظروں میں بے قراری اور اضطراب ہے، جس کی پیشانی پر سرخ ستارہ چمک دمک رہا ہے اور کاندھے پر بکھرے بال کالی گھٹا کا سماں پیش کر رہے ہیں، چناں چہ اس چڑھتی جوانی کے اثر سے ایسا لگ رہا کہ اُس کے خوش نما پستان شراب کے مخروطی جام یا چھلکتے نوکیلے کلس کی طرح نمایاں ہو رہے ہیں اور ابہام کی صورت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ اس کا خوبصورت پیکر سرتاپا جام شراب کی طرح لبریز ہو کر چھلک رہا ہے۔ فارسی شاعر طالب املی کہتا ہے جس شعر میں استعارہ نہیں ہوتا وہ شعر بے مزا ہوتا ہے۔ فراقؔ نے دوسرے اور چوتھے مصرعوں کی بنیاد استعاروں پر رکھی ہے۔ تیسرے مصرعہ میں سرخ جھلملاتا تارا گیسوؤں کی کالی گھٹا کی نسبت سے ہے۔ دوسرے مصرعہ میں کاف کی صوتی گونج نے نغمگی بڑھا دی ہے۔ اگر چہ پوری رباعی میں اضافت یا ترکیب نہیں لیکن فقرے، وحشت کی کرن، چھلکے کلس، مد کے جوبَن نادر اور جدید ہیں۔

صنائع بدائع : صنعت تکرار = ٹھہری، ٹھہری...... چھلکے چھلکے
صنعت مراعات النظیر = ماتھے، کاندھے، گیسوؤں
صنعت ایہام = کلس - جوبَن

◆-◆-◆

یوں عشق کی آنچ کھا کے رنگ اور کُھلے
یوں سوز دروں سے روئے رنگیں چمکے
جیسے کچھ دن چڑھے گلستانوں میں
شبنم سوکھے تو گُل کا چہرہ نکھرے

لغات : سوز = درد، جلن دروں = اندورنی

رو = چہرہ

محاورہ : رنگ کُھلنا = چہرہ سفید و سرخ ہونا

محاورہ : آنچ کھانا = تاؤ کھانا، گرم ہونا

محاورہ : دن چڑھنا = دھوپ چڑھانا

تشریح و تفہیم : یہ پوری رباعی عشق کی صورتِ حال سے متعلق ہے۔ پہلے شعر میں عشق کی ظاہری اور باطنی کیفیت کے اثرات کو چہرے پر سجا کر دوسرے شعر میں گلشن کے اُن پھولوں سے تشبیہ دی ہے جو دھوپ کی تمازت سے گُلِ تر نہیں بلکہ گُل پُر رنگ ہو جاتے ہیں۔ شاعر کا یہ خیال انوکھا اور اچھوتا ہے۔ پوری رباعی کے مصرعوں میں آتش، سوزش، گرمی اور خشکی کے اثرات نظر آتے ہیں۔ چناں چہ اس مضمون میں گل تر کی رعایت جو چہرے پر پسینہ کی وجہ ہوگی قدیم اور گھسا پٹا مضمون ہوگا۔ اِسی لیے شاعر نے نادر خیال سے پھول کے چہرے کو نکھارا۔

عشق کے سوز و گداز سے چہرہ کُھلا اور چمکا اور داخلی کیفیت خارجی حالت بن کر ظاہر ہوئی۔ اس رباعی میں تشبیہ نادر اور مکمل ہے۔

جوشؔ کی طرح فراقؔ بھی الفاظ کے بادشاہ ہیں، چناں چہ جب وہ قلم اٹھاتے ہیں تو ان کو سلامی دینے کے لیے الفاظ کے لشکر آتے ہیں۔

پہلے شعر میں ایک لطیف نکتہ معشوق کی شرم وحیا کا بھی ہے جو غم جاناں کو چہرہ پر آشکار کر دیتا ہے۔

فراؔق کی شاعری کی یہ بھی پہچان ہے کہ وہ اُردو ہندی کے الفاظ کلیدی بنا کر اہم مقام پر جڑ دیتے ہیں جیسے اس رباعی میں آنچ، دن چڑھے، چہرے نکھرے وغیرہ جس سے شعر کی شان بڑھ جاتی ہے اور اس میں تازہ جان پڑ جاتی ہے۔

صنائع بدائع : صنعت مراعات النظیر = گلستان، شبنم، گل ...... عشق، سوز دروں

صنعت تضریع = جیسے، نکھرے

صنعت اشتقاق = رنگ، رنگیں ...... گلستان، گُل

❑❑❑

فراقؔ مشاہیریں اور مصاحبین کی نظر میں

علمائے تنقید نے تنقید کی درجنوں قسمیں بتا کر ان کے نام کام اور شعر و ادب میں ان کے دام بھی بتا دئے ہیں۔اسی تنقید کے جام میں تخلیق کار کو اَمرت یا زہر دیا جاتا ہے۔کسی کو انعام دینا تو کسی پر الزام تراشنا تنقید نگاروں کا یہ کام روز و شام بر سرِ عام انجام دیا جاتا ہے،اس لیے نیک نام اور بدنام ہونے سے بہتر گمنام رہنے پر ترجیح دینے کا پیغام آج بھی زندہ اور دوام ہے اگر عشق کے امام میرؔ جو مجلسوں میں میر بدماغ تھے کہتے ہیں۔

میرؔ صاحب زمانہ نازک ہے
دونوں ہاتھوں سے تھامیے دستار

تو کوئی دوسرا آواز لگاتا ہے۔

''گوشے میں قفس کے مجھے آرام بہت ہے''

بیسویں صدی کے دوسرے عظیم شاعر جوشؔ ملیح آبادی نے پُر جوش لہجے میں مگر پُرسکون استقامت اور سچی لگن کے ساتھ کیا خوب بات کہی ہے۔

رحم اے نقادِ فن یہ کیا ستم کرتا ہے تو
کوئی نوکِ خار سے چھوتا ہے نبضِ رنگ و بو
اے ادب ناآشنا یہ بھی نہیں تجھ کو خیال
ننگ ہے بزمِ سخن میں مدرسے کی قیل و قال

منطق کانٹے پر رکھتا ہے کلامِ دل پذیر
کاش اس نکتہ کو سمجھے تیری طبعِ حرف گیر
یعنی اک لئے سے لبِ ناقد کو کُھلنا چاہیے
پنکھڑی پر قطرۂ شبنم کو تلنا چاہیے

پھر شعر کی تشریح کرتے ہیں ؎

شعر کیا ہے نیم بیداری میں بہنا موج کا
برگِ گل پر نیند میں شبنم کے گرنے کی صدا
شعر کیا، جذب دروں کا ایک نقشِ ناتمام
مشتبہ سا اک اشارہ ایک مبہم سا کلام

آج ہم کیوں سوشیل میڈیا کے منفی پہلوؤں کا رونا رو رہے ہیں۔ یہ بیماری اُردو قوم میں صدیوں سے تھی مگر محدود طور پر ذہنوں کو بیمار کر رہی تھی، لیکن جدید دور میں یہی جراثیم اب عالمی یا Pandemic بن گئے ہیں۔

اب جو چاہیے اپنی انگلی کے اشارے سے کسی کو نچادے، ہنسادے یا رولا دے، بڑھادے یا گھٹادے، اٹھادے یا گرادے، جگادے یا سُلادے، اپنے آپ کو مسندِ عظمت پر بٹھادے یا دوسرے سے بٹھوادے قصیدہ لکھ دے یا لکھوالے، بہرحال یہ عمل جَلانے یا جِلانے کا صرف ایک چھوٹی سی حرکت سے آج ممکن ہے لیکن گذشتہ کل بھی پوری قوت، ریاکاری، چاپلوسی، پبلسٹی، لوبی بازی، گروہ بندی، کالم نگاری، رسالہ اور جریدہ داری، ریڈیو، ٹی وی اور اخبارات پر اجارا داری کے ذریعے سے اوپر بیان کیے گئے تمام امور اُسی طرح سے انجام ہوتے تھے۔ تقریباً تمام باون گز کے ادبی بونوں کا صحیح قد دیکھیں تو اوپر کہی گئی بیساکھیاں نہیں بلکہ بھانس کے لامبے لامبے تنے ملتے گے جن پر تن کر وہ یہ سارے کرتب کرتے تھے اور اس طرح اپنے جتن پورے کرتے تھے۔ وہ اِسے اپنی فتوحات میں شامل کرتے تھے لیکن چوں کہ ع ''ثبات ایک

تغیّر کو ہے زمانے میں' یہ ادبی شور وغل رنگ وساز وقتی ہوتا ہے اور بعض اوقات یہ مشتعل آکسیجن جو کبھی شعلہ کبھی شبنم تھی، کبھی زندگی ہی میں بے عمل دخل ہو جاتی ہے تو مستقل طور پر بدن کی آکسیجن کی ضرورت کے ختم پر تمام ہو جاتی ہے اس لیے ادھر گھر سے ان کا جنازہ قبر کی طرف بڑھا اُدھر ان کی شخصیت اور نام نہاد فنی کاوشوں پر خاک گرنی شروع ہو جاتی ہے لیکن سچے تخلیق کار اس عمل سے محفوظ ہیں انھیں ابدی حیات ملتی ہے، یہاں اولاد بھی زیادہ موثر نہیں جیسا کہ خود ذوقؔ نے کہا ہے ؎

رہتا سخن سے نام قیامت تلک ہے ذوقؔ

اولاد سے یہی رہے دو پشت چار پشت

صحیح تنقید یہ ہے کہ سکّے کے تینوں رخ دکھائے جائیں۔ یہ صرف مدح یا قدح کا دفتر نہیں۔ تنقید وہی کارآمد اور زبان کے ارتقا کا باعث ہے جس میں شاہ پارے کی تنقید و تفسیر و تشریح سے صاحبِ تصنیف، قاری اور اُردو ادب تینوں کو فایدہ پہنچے اسی لیے ہم نے فراقؔ کو مشاہیر کی آرا میں پیش کیا ہے۔

یہ کوئی ڈھکی چھپی گفتگو نہیں بلکہ لکھی گئی اور خود فراقؔ سے پوچھی گئی باتیں ہیں جو کہ فراقؔ خود اپنی شاعری کی عظمت کے بارے میں لکھتے اور لکھاتے تھے ہم نے تفصیلی طور پر ان نکات کو فراقؔ فہمی کے ذیل میں بیان کیا ہے۔ فراقؔ ہندی اور انگریزی اخبارات اور مجلّات میں بھی لکھتے اور لکھواتے تھے جس کا مقصد آمدنی سے زیادہ تشہیر اور شہرت کی ہوس تھی۔ فراقؔ نے ایک طباعت کا ادارہ بھی کھولا لیکن وہ ان کے دوسرے تجارتی منصوبوں جسے مرغ داری دوکان داری کی طرح چل نہ سکا۔ ان تمام مسائل کے باوجود اُردو شعر و ادب میں ان کا ایک مقام تھا اور ہر مقام پر ان کا احترام کیا جاتا تھا۔ ہم یہاں مختصر مشاہیر شعر و ادب کے نثری اور نظمی جملوں، فقروں اور شعروں کو گلدستہ کی شکل میں پیش کریں گے بس اتنا یاد رہے کہ گلدستے میں پھولوں کے رنگ و بو، کے ساتھ برگ و خار بھی رہتے ہیں اور سچ ہے کہ مدح اور قدح میں

صرف ایک حرف مختلف اور تین حرف مشترک ہیں۔

نیاز فتح پوری:- اپنے مضمون ’’یوپی کے ایک نوجوان ہندو شاعر فراق گورکھپوری‘‘ شاہکار فراق نمبر میں لکھتے ہیں:-’’دورِ حاضر اس میں شک نہیں کہ ترقی سخن کا دور ہے اور مغربی تعلیم نے ذہنیتِ انسانی کو اتنا وسیع و بلند کر دیا ہے کہ ہم کو ہر جگہ اچھے اچھے غزل گو نظر آ رہے ہیں، لیکن اگر مجھ سے یہ سوال کیا جائے کہ ان میں کتنے ایسے ہیں جن کے شاندار مستقبل کا پتہ ان کے حال سے چلتا ہے تو یہ فہرست بہت مختصر ہو جائے گی۔ اتنی مختصر کہ اگر مجھ سے کہا جائے کہ میں بلا تامل ان میں سے کسی ایک کا انتخاب کر دوں تو میری زبان سے فوراً فراق گورکھپوری کا نام نکل جائے گا۔

یہ شخص غیر معمولی ذہین ہے، لیکن اسی کے ساتھ میں یہ بھی محسوس کرتا تھا کہ اس کا ایک قدم نہایت مضبوط پتھر پر قائم ہے اور دوسرا ایسی متزلزل چٹان پر کہ ذرا سا اشارہ گرا دینے کے لیے کافی ہے، لیکن چوں کہ یہ خوش قسمتی سے ہندو گھرانے میں پیدا ہوئے تھے اس لیے اس مہلک لغزش سے بچ گئے اور اب انھیں نہایت استحکام کے ساتھ بلند چوٹی پر چڑھتے ہوئے دیکھ رہا ہوں۔

یہ بالکل درست ہے کہ فراق کے کلام میں اسقام بھی پائے جاتے ہیں یعنی نہ وہ فنّی غلطیوں سے یکسر پاک ہے اور نہ بیان کی ژولیدگیوں سے، لیکن اس سے انکار ممکن نہیں کہ شاعرانہ روح ان کے ہر ہر شعر سے ظاہر ہوتی ہے اور وہ مخصوص والہانہ انداز جو غزل کی جان ہے کسی جگہ ان کے ہاتھ سے چھٹنے نہیں پاتا۔‘‘

جوش ملیح آبادی:-’’مجموعۂ اضداد، آمیزۂ بلور و فولاد۔ گاہ نسیم بوستاں، گاہ صَرصَر بیاباں، گاہے خضر درگاہ، گاہے گُم کردہ راہ، گاہ شب نمِ برگ، گاہ شعلۂ جوالہ و بے باک، گاہ یزداں بآغوش، گاہ اہرمن بَر دوش، رندِ قدَح خوار، گوہر شاہ دار، آسمانِ خوش لہجگی کے بدر، انجمن آگہی کے صدر، اولیائے ذہانت کے قافلۂ سالار، اقلیمِ ژَرف نگاہی کے تاج دار۔ جَودت پناہ، نقاد نگاہ، مَہبطِ جبریل، شاعرِ بزرگ و جلیل۔ اپنے

فراقؔ کو میں، قرنوں سے جانتا، اوران کی خلاّقی کا لوہا مانتا ہوں۔ مسائل علم وادب پر جب وہ زبان کھولتے ہیں، تو لفظ ومعنیٰ کے لاکھوں موتی رولتے ہیں۔ اوراس افراط سے کہ سامعین کو اپنی کم سوادی کا احساس ہونے لگتا ہے۔ وہ بلا کے حسن پرست اور قیامت کے شاہد باز ہیں۔ اور یہ وہ ذکاوتِ مخصوص ہے، جو دُنیا کے تمام عظیم فنکاروں میں پائی جاتی ہے۔

نہایت استعجاب آمیز قلق کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اُن کا اپنی رفیقۂ حیات سے جو برتاؤ ہے، وہ سینۂ انسانیت کا ایک ہولناک گھاؤ ہے، اور اُن کے شدائد سے تنگ آ کر، اُن کا بیٹا خودکشی کر چکا ہے۔ وہ ایک دوہری شخصیت کے انسان ہیں، کبھی مسیح دوراں ہیں اور کبھی موسیٰ عمراں، کبھی مہکتے گل زار، کبھی اُپی تلوار، دہلی کے دوران قیام میں، ایک بار، وہ مجھ سے بھی، بہت ہی بُری طرح، اُلجھ پڑے تھے، اس وقت اگر میں اپنی پٹھنوتی کا گلا نہ گھونٹ دیتا، تو بڑا خون خرابہ ہو جاتا۔ اُس رات کی صبح کو میں نے اُن پر ایک نظم کہی تھی جس کا صرف ایک شعر یاد ہے ؎

نہ عطا کر، مگر، مجھے معبود
بھول کر بھی شبِ وصالِ فراقؔ

آخر میں نہایت افسوس کے ساتھ، میں یہ کہوں گا کہ ہندوستان نے ابھی تک فراقؔ کی عظمت کو پہچانا نہیں ہے، سرکار ہند کو چاہیے کہ وہ ان کو سر آنکھوں پر جگہ دے۔ اوران کو، بہمہ وجوہ، مطمئن کر کے، اپنے دامن کو مزید پھولوں سے بھرے...... جو شخص یہ تسلیم نہیں کرتا کہ فراقؔ کی عظیم شخصیت، ہندوستان کے ماتھے کا ٹیکا، اُردو زبان کی آبرو، اورشاعری کی مانگ کا صندل ہے، وہ، خدا کی قسم، کور مادر زاد ہے۔

زندہ باد فراقؔ ________ پائندہ باد فراقؔ"

(ماخوذ از "یادوں کی برات")

علیم الدین احمد:۔"حسرتؔ وفانیؔ کی طرح فراقؔ کا دل بھی زخمی ہے اوران کی آواز

بھی دردبھری ہے لیکن وہ حسرتؔ کی طرح کبھی آواز بلند نہیں کرتے چیخ پکار سے پرہیز کرتے ہیں اور اپنی دردبھری داستان کو نرم دھیمی شرین آواز میں بیان کرتے ہیں۔ درد کی شدت میں بھی وہ اپنی آواز پر قابو رکھتے ہیں اور اسے بلند آہنگ نہیں ہونے دیتے۔ وہ امیرؔ مینائی کی لئے میں ٹھہراؤ اور بہاؤ کا امتزاج پاتے ہیں یہ امتزاج تو امیر مینائی کی لئے میں نہیں لیکن فراقؔ کی لئے میں ہے...... میں فراقؔ کو اُردو غزل کا ایک اہم ستون تسلیم کرتا ہوں۔''

مالک رام:۔''فراقؔ کی دین اُردو شاعری کو دوگونہ ہے۔ ایک میرؔ سے شروع ہوتی ہے، اس میں حسن وعشق کے لطیف جذبات کی عکاسی ہے۔ فراقؔ نے ان پر یہ اضافہ کیا کہ وہ محض تخئیل کا غیر مرئی اور غیر محسوس ہیولیٰ نہیں بلکہ یوں معلوم ہونے لگتا ہے کہ وہ ہمارے جو اس خمسہ کی گرفت میں آگئے ہیں، ہم اُنھیں دیکھ سکتے ہیں، چُھو سکتے ہیں، اور ان سے مادّی اور جسمانی لذّت حاصل کرسکتے ہیں۔

ان کے ہاں دوسری رَو وہ ہے، جسے ہم میرؔ کے قول میں جرأتؔ کے ''چوما چاٹی'' سے موسوم کرتے ہیں۔ جرأتؔ کے ہاں زیادہ عریانی تھی۔ مومنؔ نے اس رنگ کو نکھارا ہے اور اسے تہذیب کا جامہ پہنا دیا۔ جہاں تک اس اندازِ سخن کو مومنؔ نے پہنچایا تھا، اسے حسرتؔ نے آگے بڑھایا اور فراقؔ کی شاعری اسی روایت کا نقطۂ عروج ہے۔ اس میں انھیں سنسکرت کی شاعری، خاص کر اس کے شرینگار رس اور ڈرامے نے بہت مدد دی، لیکن ہمیں آم کھانے سے کام ہے یا پیڑ گننے سے!''

گوپی چند نارنگ:۔''کہاں کا درد بھرا تھا ترے فسانے میں'' لکھتے ہیں۔

فراقؔ گورکھپوری ہمارے عہد کے ان شاعروں میں سے تھے جو کہیں صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں۔ ان کی شاعری میں حیات و کائنات کے بھید بھرے سنگیت سے ہم آہنگ ہونے کی عجیب وغریب کیفیت تھی۔ اس میں ایک ایسا حُسن، ایسا رس، اور ایسی لطافت تھی جو ہر شاعر کو نصیب نہیں ہوتی۔ فراقؔ نے نظمیں بھی کہیں اور رباعیاں

بھی، لیکن وہ بنیادی طور پر غزل کے شاعر تھے۔ ہندوستانی لہجہ اُردو شاعری میں پہلے بھی تھا، فراقؔ کا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے خدائے سخن میر تقی میرؔ کی شعری روایت کے حوالے سے ان کی بازیافت کی اور صدیوں کی آریائی رُوح سے ہم کلام ہو کر اسے تخلیق اظہار کی نئی سطح دی اور آج کے انسان کی دل کی دھڑکنوں کو اس میں سمودیا۔

فراقؔ نے اردو کی عشقیہ شاعری کو ایک آفاقی گونج دی۔ ان کی شاعری میں انسانی تہذیب کی صدیاں بولتی ہیں۔ وہ انگریزی کے رومانی شاعروں ورڈزورتھ، شیلی اور کیٹس سے متاثر تھے تو دوسری طرف سنسکرت کا ویہ روایت کا بھی ان کے نظریۂ جمال پر گہرا اثر تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ شاعر کے نغمے وہ ہاتھ ہیں جو رہ رہ کر آفاق کے مندر کی گھنٹیاں بجاتے ہیں۔ فراقؔ کے بنیادی موضوعات: حسن و عشق، انسانی تعلقات کی دھوپ چھاؤں، فطرت اور جمالیات ہیں۔ وہ جذبات کی تھرتھراہٹوں، جسم و جمال کی لطافتوں اور نشاط و درد کی ہلکی گہری کیفیتوں کے شاعر تھے۔ ان کی آواز میں ایک ایسا لوچ، نرمی اور دھیما پن ہے جو پوری اُردو شاعری میں کہیں اور نہیں ملتا۔''

احتشام حسین:۔ ''کافر غزل'' میں لکھتے ہیں: ''ہم عام طور پر اپنے مطالعہ میں کلاسکیت اور رومانیت دو متضاد یا متخالف قسمیں قرار دے کر اس طرح گفتگو کرتے ہیں گویا انھیں یکجا نہیں دیکھا جا سکتا۔ کلاسکیت میں روایت کے احترام کے ساتھ طریق فن اور ظاہری تراش خراش پر زور دیا جاتا ہے، رومانیت میں جذبہ اور تخیل کے وفور پر۔ لیکن حقیقت کیا ہے؟ تخلیقی عمل کی بھٹی میں یہ دونوں صورتیں مل کر ایک نیا پیکر اختیار کر لیتی ہیں۔ روایت کا تسلسل بھی باقی رہتا ہے اور ایک ایسا نیا پن بھی پیدا ہو جاتا ہے جو حقیقت کے معنوی احساس سے وجود میں آتا ہے۔ فراقؔ کی غزل میں یہ صورت بار بار نمایاں ہوتی ہے۔ فراقؔ نے زندگی کے اس شعور کی نفی نہیں کی ہے جو قدیم تھا اور اس شعور سے بدظن اور بیگانہ نہیں ہیں جو آج کا عہد ہر حساس طبیعت رکھنے والے کے لیے فراہم کرتا ہے۔ اسی وجہ سے ہم نہ تو فراقؔ کی شاعری کو انقلابی کہہ سکتے ہیں اور نہ

بندھی ٹکی روایتوں کی پیروی کرنے والی۔‘‘

محمد حسن عسکری:-’’فراقؔ کی شاعری میں عاشق کا کردار‘‘ میں لکھتے ہیں:’’فراقؔ نے اُردو شاعری کو ایک نیا عاشق دیا ہے اور اس طرح بالکل نیا معشوق بھی۔ اس نئے عاشق کی ایک بڑی نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ اس کے اندر ایک ایسا وقار پایا جاتا ہے جو اُردو شاعری میں پہلے نظر نہیں آتا...... ان کی شاعری میں جذبہ اور خیال ایک دوسرے سے الگ نہیں ہوتے ان کے شعور میں یہ دونوں عمل ساتھ ساتھ ہوتے ہیں اسی وجہ سے ان کی شاعری اتنی تہہ دار ہے کہ فراقؔ صاحب کبھی عوام میں مقبول نہیں ہوسکتے۔ یہ شاعری ابہام اور فصاحت دونوں کا امتزاج ہے۔‘‘

سید محمد عقیل:-فراقؔ کی ’’بوطیقا‘‘ میں لکھتے ہیں:’’فراقؔ نے اپنی شاعری کے لیے ہمیشہ جذبات کی نرم روی کے ساتھ الفاظ میں غنایت خواب آور فضا اور جذبات سے پھوٹتے ہوئے الفاظ تلاش کرنے کی فکر کی ہے۔ انھیں معصومیت حقیت اور بے ریا کیفیات کی الفاظ میں ہمیشہ تلاش رہی ہے کہ یہ تمام تلاش فطرت سے قریب لے جاتی ہے لیکن اس کے ساتھ یہ بھی شرط ہے کہ ناظر یا سامع شاعر کے ساتھ ان بلندیوں تک اٹھ سکے جہاں تک فراقؔ اُسے لے جانا چاہتے ہیں ورنہ سارے محسوسات اور جذبات اور الفاظ کی Many Sidedness بالکل ’’مرد ناداں پر کلام نرم و نازک بے اثر‘‘ والی کیفیت پیدا کرے گی۔‘‘

سید مجاور حسین رضوی:-’’فراقؔ کا وصال‘‘ میں لکھتے ہیں:’’فراقؔ صاحب غزل کے شاعر ہیں۔ ان کی غزلیں بھی تقلیدی ہیں اُن کے پاس اپنے دور کے شعرا کی سی انفرادیت نہیں۔ وہ مجروحؔ اور فیضؔ کی طرح الفاظ کو نئی معنویت نہیں دے سکے...... فراقؔ رباعیات کے سلسلے میں مجتہد نہیں تھے مقلد تھے۔ دکنی میں یہ روایت بہت پہلے سے موجود تھی، یہ دوسری بات ہے وہ دکھنی زبان اچھی طرح نہیں جانتے تھے۔ انھوں نے وہ رباعیات نہیں پڑھی تھیں۔‘‘

خواجہ احمد فاروقی:-فراقؔ نے غزل کی حیات کا اعلان اُس وقت کیا جب وہ چاروں طرف سے اعتراضات کا ہدف بنی ہوئی تھی اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس سیلاب بلا میں اس کے پاؤں اکھڑ جائیں گے اور وہ اعتبار اور قدر کی چیز نہ رہے گی۔

☆ فراقؔ نئی غزل کے شاعر ہیں انھوں نے احساسِ جمال کو حیات اور کائنات کو سمجھنے کے لیے بطور قدر استعمال کیا۔فراقؔ نے ہندوستانی کلچر اور آفاقی کلچر کو شیر وشکر کر کے ہندوستانیت اور اس کی ارضیت کو ایسا برتا کہ غزل کی دوشیزگی نکھر گئی۔

☆ فراقؔ کے پاس ناہمواری کا احساس اِس لیے بھی ہوتا ہے کہ ان کے پاس سنسکرت کے شعرا کی خوشہ چینی، اُردو فارسی شعرا کی کلاسیک رنگینی اور انگریزی شعرا کی رومانی شاعری کا امتزاج ہے۔

☆ وہ روح کی لامذہبیت اور مادہ کی روحانیت کے قایل تھے اور اپنے آپ کو ''مادّی صوفی'' کہتے تھے۔

ڈاکٹر فرمانؔ فتح پوری:-''فراقؔ ایک رجائی غزل گو'' میں لکھتے ہیں: ''عہدِ حاضر کا کوئی بھی سماجی یا سیاسی مسئلہ ایسا نہ ہوگا جسے فراقؔ نے غزل میں حل نہ کر دیا ہو۔زندگی کی ہر کشمکش اور ہر لطافت جس سے کہ انسانیت دوچار ہوتی رہی ہے تغزل بن کر فراقؔ کی مجموعی غزلوں میں رچی ہوئی ہے۔کیوں کہ فراقؔ کا محبوب انسان ہے اور وہ انسان کے غم وخوشی میں شریک رہنا چاہتا ہے۔فراقؔ فردکی محبت کا قایل ہے مگر اجتماعی مقصد و محبّت میں کسی مخصوص فرد یا ذات کو فراموش کر دیتا ہے۔وہ غمِ دنیا کو ہمیشہ غمِ محبوب پر ترجیح دیتا ہے اور دنیا کے دکھ درد کو دیکھ کر اپنے دکھ کو بھول جاتا ہے۔وہ کہتا ہے؎

چپ ہوگئے ترے رونے والے
دُنیا کا خیال آگیا ہے

اس طرح اپنے متعلق فراقؔ کا یہ خیال بالکل صحیح ہے؎

یوں ہی فراقؔ نے عمر بسر کی
کچھ غم جاناں کچھ غم دوراں''

جگن ناتھ آزادؔ:۔''کچھ فراقؔ کے بارے میں'' لکھتے ہیں:''فراقؔ کو ایک غزل گو شاعر کے طور پر میں معمولی درجے کا شاعر ثابت کرنے کی کوشش نہیں کر رہا ہوں۔ فراقؔ یقیناً غزل کے ایک اچھے اور بہت اچھے شاعر ہیں۔اس سے زیادہ نہیں۔ان کی غزل کا رچا ہوا لہجہ دلوں کو کھینچا ہے لیکن محض اسی بنا پر انھیں بڑا شاعر قرار دیا نہیں جا سکتا......فراقؔ self advertisement اور self publicity کے بہت قایل تھے۔فراقؔ اس راز کو پا گئے تھے کہ ایک ہی بات اگر بار بار کہی جائے تو وہ سننے والے کے دل و دماغ پر کچھ نہ کچھ اثر چھوڑ ہی جاتی ہے لیکن بات چیت کی تان وہ اکثر اپنی شاعری پر ہی توڑتے تھے۔''

مجنوںؔ گورکھپوری:۔''فراقؔ جیسی جید جامع شخصیتیں روز روز نہیں پیدا ہوا کرتیں۔اُردو شاعری اور خاص کر اُردو غزل میں ان کی آواز نہ صرف نئی آواز ہے بلکہ فکری حجم اور صوتی آہنگ کے اعتبار سے جو اس میں بلاغتیں اور رسائیاں ہیں وہ نئی نسل کے صالح افراد پر اپنا صحت مند اثر چھوڑے بغیر نہیں رہ سکتی تھیں......وہ مجھے ایسی ہمہ گیر شخصیت معلوم ہوئے جو کائنات اور حیاتِ انسانی کے تمام اندرونی رموز اور بیرونی مسائل کو ڈوب کر سمجھنے اور سمجھانے کی غیر معمولی قابلیت رکھتے ہیں۔رگھوپتی زندگی کے اصل و غائت پر فکری دسترس بھی رکھتے ہیں اور اس کے عملی اعتبارات کا تیز عملی شعور بھی......

انھوں نے دوسروں کی خوبیوں کا اعتراف کرنے اور ان سے صحیح اثر قبول کرنے میں کبھی عار محسوس نہیں کیا۔ان کی فکر و بصیرت اور ذوق و نظر کی تربیت میں ہندو معاشرت اور ہندو فلسفہ کے صالح عناصر سے لے کر مسلم تہذیب اور مدنیت اور پھر مغرب کے تمام مفکروں اور فن کاروں کے بہترین تخلیقات کے قابل قبول اثرات تک موجود ہیں جو باہم شیر و شکر ہوگئے ہیں ان کی شاعری بھی طرزِ فکر اور اسلوبِ

اظہار دونوں کے اعتبار سے اسی امتزاج کا ایک خوش آہنگ اظہار ہے۔ وہ جو مواد دوسروں سے پاتے ہیں اس کو اپنے فکر و تخئیل کے ڈھانچے میں ڈھال کر بالکل اپنا بنا لیتے ہیں، اور وہ نہ سرقہ ہوتا نہ مانگے کی چیز وہ ایک ایسی نئی تخلیق ہو جاتی ہے جو بیک وقت انفرادی بھی ہوتی ہے اور انسانی بھی، جو ایک ہی سانس میں ان کے ذاتی مزاج اور زمانے کے مزاج دونوں کی آئینہ دار ہوتی ہے۔''

عبدالقادر سروری:۔''فراقؔ کی شاعری محض اسالیب کی شاعری نہیں بلکہ خیال کی رعنائی شگفتہ تشبیہوں اور بلیغ استعاروں کی شاعری اور ترنم کی شاعری ہے۔ وہ نئے دبستان کی شاعری ہے جو شعریت اور کسی طرح اسمیت میں پیوند لگانا گناہ سمجھتی ہے۔ قلبی کیفیات کو ادا کرنے کے لیے فراقؔ کا ذوق نئے نئے اسالیب اور دلکش سانچے مہیا کر لیتا ہے۔ رازِ دل کو باتوں باتوں میں کہہ جانے کا انھیں خوب ڈھنگ آتا ہے۔ اس شاعری میں صناعی بھی ہے لیکن اس صناعی کے فراقؔ اُردو کے چند بہترین شاعروں میں سے ہیں، اُردو کے لیے باعثِ فخر اور اس کا سرمایہ بڑھانے والے۔ ان کا مطالعہ بہت ہی وسیع ہے۔ لُغت، زبان، لسانیات، غرضیکہ ہر شعبہ پر ان کی نظر ہے۔ اُردو کلچر ان کا اُوڑھنا بچھونا ہے اور شعر و ادب کی گہرائیوں میں وہ ڈوبے ہوئے ہیں۔

انگریزی شاعری کے مقلد ہمارے یہاں کے نظم گوؤں میں بہت پیدا ہو گئے ہیں لیکن انگریزی کی بہترین شاعری کو اپنا لینے کا حق فراقؔ ہی نے ادا کیا ہے اور یہی اصل کمال ہے۔ اور ساتھ ہی وہ اپنے ہاں کے استادوں میرؔ، غالبؔ، آتشؔ، ناسخؔ، مومنؔ، داغؔ، امیرؔ، حسرتؔ، اکبرؔ و اقبالؔ کی بھی ایک ایک ادا کے رمز شناس، ان کی فکر ایک ہی وقت میں مشرقی بھی، مغربی بھی تھی۔ وہ مقلد کسی کے بھی نہیں گو انھوں نے فیضؔ بہتوں سے حاصل کیا ہے۔ اُردو شعر و نظم کے لیے انھوں نے وہ کر دیا جو سرشارؔ اُردو افسانوی ادب کے لیے کر گئے تھے۔''

یگانہ چنگیزی:۔''فراقؔ کی شاعری حقیقی شاعری کی بہترین مثال ہے، یہ میری زندگی

کے آخری لمحات ہیں۔دُنیا سے جاتے ہوئے غزل کو فراقؔ کے ذمہ کیے جارہا ہوں۔"

جگرمرادآبادی:۔"جب لوگ ہم لوگوں کو بھول جائیں گے اُس وقت بھی فراقؔ کی یاد تازہ رہے گی۔"

سیداعجازحسین:۔"جذبات نگاری میں دِقّت فکر کا عنصر شامل کر کے فراقؔ نہ صرف تاثیرکلام میں اضافہ کردیتے ہیں بلکہ اس میں معنویت کوبھی بلندنظر کردیتے ہیں۔"

جمیل جالبی:۔"فراقؔ نے اپنی رباعیوں میں جنس کے وہ لطیف رُخ پیش کیے ہیں جو اب تک اُردو شاعری میں کم کم نظر آتے تھے۔عشق کا تصوّر اس کے ہاں افلاطونی نظریہ سے مختلف ہے۔فراقؔ کے ہاں جنس ملتی ہے،جنس کا شدّت سے احساس ملتا ہے،لذّت وصال سے کامرانی میّسر آتی ہے۔مگر وہ سب کچھ پردوں میں اس طرح سے ملبوس ہوتا ہے کہ ہرشخص ان میں اپنی زندگی کے چند پہلوؤں کی صحیح ترجمانی دیکھ لیتا ہے۔

فراقؔ نے اپنی رباعیوں میں ایک نیا کلچر سمونے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ اس نے ہندوکلچر کی ان شعاعوں کو اپنی رباعیوں میں سموکر شاعری میں اسلامی کلچر کے ساتھ ہندوکلچر کوبھی رچایا۔"

علی جوادزیدی:۔"نابغۂ روزگار فراقؔ" میں لکھتے ہیں:"اُردو ادب فراقؔ دونوں ہی خوش قسمت تھے کہ ایک استوار رشتے محبّت میں بندھے رہے۔اُردو کو ایک جوہر قابل ملا اور فراقؔ کو ان کی بے پناہ صلاحیتوں کے اظہار کے لیے مناسب میدان...... متغزلانہ شاعری میں فراقؔ کی آواز نئی ہی نہیں ہے بلکہ فکری اور صوتی آہنگ کے اعتبار سے بھی بڑی بلندیوں کو چھوآتی ہے۔وہ کائنات اور حیات انسانی کے طلسماتی حقایق کے سامنے بت بن کر کھڑے رہنے کے قایل نہیں ہیں بلکہ...... بنیادی مسائل کو سمجھنے اور سمجھانے کی بے پناہ صلاحیتوں کے ساتھ کوشش کرتے ہیں۔"

محمدحسن:۔فراقؔ اُردو ادب کے ڈاکٹر جانسن تھے ان کی ذہانت ان کے شعروں اور تنقیدی مضامین میں اتنی ظاہر نہیں ہوئی جتنی ان کی نجی گفتگو میں ظاہر ہوتی تھی وہ

گفتگوئیں محفوظ نہیں ہیں اور انھیں کوئی باسویل نہیں ملا جوان کے ہر جملے کو نہ سہی کم از کم یادگار جملوں ہی کو قلم بند کرتا رہتا۔ فراقؔ صاحب دراصل اس کلچر کا نقطۂ عروج تھے جو ہند ایرانی تہذیب اور مشرق ومغرب کی اعلا تہذیبی وراثتوں کے امتزاج سے پیدا ہوا تھا۔‘‘

نریش چندر:۔’’فراقؔ حقیقی شاعری کی تلاش میں اُردو اور فارسی شاعری کی حدوں سے تجاوز کر کے مغربی شاعری کی دُنیا میں پہنچے وہ دُنیا جس کا ان سے پہلے کسی اُردو شاعر نے جائزہ نہیں لیا تھا اس شاعری سے ان کو حق بینی کے ضمن میں کچھ سبق حاصل ہوئے اور ان کو انھوں نے اُردو شاعری کی حدود کی توسیع میں بڑے قرینے سے استعمال کیا۔ نئے حقایق کا کشف ان پر ہوا اور ان کو احساس اور ذہن قارئین تک پہنچانے کے لیے ان کو ایک نئے شاعرانہ انداز کی ضرورت محسوس ہوئی یہاں بھی انگریزی شعرانے ان کی رہنمائی کی۔ انھوں نے سماج کے اندرونی وسایل کا جیسے عوام کی زبان متروکات ایسے الفاظ اور محاورے جن کی طرف ہمارا دھیان نہیں جاتا تھا ہندی لغات اور ہندو دیومالا کا صحیح استعمال کیا اور زبان میں ایک نئی وسعت اور نیا آہنگ پیدا کیا۔ ان کی شاعری میں ہندو دیومالا محض تلمیح کے لیے نہیں استعمال ہوئی ہے بلکہ وہ زبان کا ایک جزو بن جاتی ہے اور اس میں ایک معنویت پیدا کرتی ہے۔‘‘

اصغرگونڈوی:۔’’اُردو شاعری میں آنے والی شخصیت فراقؔ کی شخصیت ہے۔‘‘

’’بہترین غزل گوئی کی دو نادر مثالیں فراقؔ کے یہ اشعار ہیں ؎

اب یادِ رفتگاں کی بھی ہمّت نہیں رہی
یاروں نے کتنی دور بسائی ہیں بستیاں
زندگی کیا ہے اس کو آج اے دوست
سوچ لیں اور اداس ہو جائیں‘‘

انتظار حسین:۔’’فراقؔ صاحب کی غزل کی وہ کروٹ جسے ہم نئی غزل سے عبارت کرتے ہیں۔ عسکری صاحب کی دانست میں ۲۸ء سے شروع ہوتی ہے، مگر فراقؔ

صاحب تو دوسری دہائی کے آغاز کے ساتھ شروع ہوئے تھے، اس عرصہ کو ہم کس کھاتے میں ڈالیں اور اس کی توجیہہ کیسے کریں۔

بات یہ ہے کہ بڑا شاعر پیدا ہوتے ہی بڑا شاعر نہیں بن جاتا یا اگر کسی شاعر کو کسی نئی رجحان کا نقیب بنا ہے تو شروع ہی سے اسے یہ حیثیت حاصل نہیں ہو جاتی۔ ابتدائی مراحل میں تو بس کچھ پرچھائیاں نظر آتی ہیں، اپنے اصل مقام تک پہنچنے کے لیے ریاضت کے ایک پورے عمل سے گزرنا پڑتا ہے۔ فراقؔ صاحب کا ۳۸ء تک کا زمانہ شاعری کی ریاضت کا زمانہ ہے۔ یہ ریاضت کس نوعیت کی تھی۔ اس کا اندازہ فراقؔ صاحب کے مختلف بیانات سے ہوتا ہے ان بیانات سے پتہ چلتا ہے کہ فراقؔ صاحب اکیلی اُردو غزل کی روایت سے استفادے پر قانع نہیں تھے۔ مختلف ادبی روایتوں اور مختلف تہذیبی سرچشموں سے اپنے آپ کو سیراب کر رہے تھے ان کا یہ بیان دیکھئے:-

> ''میری شاعرانہ شخصیت و وجدان کی تخلیق و نشو و نما میں بہت سے اثرات شامل تھے۔ پہلا اثر سنسکرت ادب اور قدیم ہندو تہذیب کے وہ آدرش تھے جن میں مادی کائنات اور مجازی زندگی پر ایک ایسا معصوم اور روشن خیال ایمان ہمیں ملتا ہے جو مذہبی عقائد سے بے نیاز ہو کر شعور میں انتہائی گہرائی پیدا کر دیتا ہو۔''

سید سبط حسن:- ''فراقؔ ایک دفعہ لکھنؤ تشریف لائے تو شام کی بیٹھک مرزا جعفر حسین وکیل کے گھر پر تھی۔ اتفاق سے جوشؔ صاحب بھی موجود تھے اور شمع محفل بنے اپنی نو تصنیف رباعیاں سنا رہے تھے۔ جوشؔ اور فراقؔ میں بڑی گہری دوستی تھی۔ وہ ایک دوسرے کو تم کہہ کر مخاطب کرتے تھے بلکہ نشے کی ترنگ میں تو جوشؔ فراقؔ کو پیار میں ''اے فرقوا'' کہہ کر پکارنے لگتے تھے۔ جوشؔ صاحب جب دس بارہ رباعیاں سنا چکے تو فراقؔ صاحب سے نہ رہا گیا۔ بولے: ''یار اب چار مصرعوں کی بکواس بند کر۔'' جوشؔ صاحب بولے: ''لالہ ایسے چار مصرعے کہے گا تو خون تھوک دے گا۔'' سب لوگ ہنسنے

لگے۔ بات آئی گئی ہوگئی۔ البتہ واپسی پر فراؔق صاحب خلاف معمول بالکل خاموش رہے۔ فقط انگلیوں کو کبھی کبھی ہوا میں ہلانے لگے جیسے کچھ سوچ رہے ہوں۔

دوسرے دن شام کو محفل جمی، شراب کا دور شروع ہوا تو فراؔق صاحب نے جیب سے ایک کاغذ نکالا اور جوؔش صاحب کو مخاطب کرکے بولے: ''ابے اوملیح آباد کے اُجڈ پٹھان، ذرا غور سے سُن۔'' اور تب انھوں نے دس بارہ رباعیاں سنائیں جو انھوں نے دن میں کسی وقت کہی تھیں۔ رباعیاں سن کو جوؔش صاحب مبہوت ہوگئے اور اٹھ کر فراؔق کا منھ چومنے لگے۔ ''روپ سنگھار'' کی رباعیوں کی شان نزول یہ ہے۔ یہ وہ رباعیاں ہیں جن میں عورت کا گاتا گنگناتا بدن بولتا ہے۔''

مصباح الدین عبدالرحمٰن:۔ ''فراؔق گورکھپوری اپنے دور کے خاتم المتغزلین تھے، ان کو نابغۂ روزگار، اقلیم سخن کا شہنشاہ، حسن وعشق کا پیامبر، اُردو شاعری کی شاندار روایت کا وارث، ذوق جمال اور احساسِ جمال کا راز داں اور آفاقی بصیرت کا رمز شناس، جو کچھ بھی کہا جائے صحیح ہوگا۔''

وحید اختر:۔ ''شعر فراؔق ماسوائے غزل'' میں فراؔق کی نظموں اور رباعیوں کے بارے میں لکھتے ہیں: ''فراؔق نے عشق کا یہ تصور محض سنسکرت ادب سے اخذ نہیں کیا کیوں کہ ادب براہ راست ان کی دسترس میں تھا بھی نہیں بلکہ سنسکرت ادب کی قدروں کے عرفان کے ساتھ انھوں نے فارسی اور کلاسیکی اُردو شاعری سے بھی ایک حد تک اخذ کیا ہے، یہ عشق ایک طرف جنسیت بھی ہے جو روپ کی عشقیہ اور جمالیاتی رباعیوں میں ''سنگھار رس'' اور ''امرت'' بن جاتا ہے، دوسری طرف لہجہ کی اس نرمی اور گھلاوٹ کا بھی نام ہے جو اُردو شاعری کو فراؔق کی دین ہے، تیسری سطح پر منظریہ شاعری کا دل بن کر دھڑکتا ہے اور آخر میں اُن کی نظموں میں آفاقیت کا وہ عنصر بن جاتا ہے جو کسی ایک ملک، قوم یا تہذیب کی میراث نہیں بلکہ انسانی تہذیب کی مشترکہ میراث ہے، یہی عشق غم جاناں کے ساتھ غم دوراں بھی ہے جو فراؔق کا ناتا مارکسی اور اشترا کی فلسفے اور

جمہوری تحریکوں سے جوڑتا ہے، اورغم جاں کی سطح پر احساس تنہائی کا خالق بھی، فراقؔ نے عشقیہ شاعری میں بطور خاص جمالیاتی احساس کی لطافت، معشوق کی ارضیت اور جسمانیت، لہجے کی نرمی اور گھلاوٹ عاشق و معشوق کے صحت مند انسانی رشتے اور جنسیت کی زندگی کی اعلیٰ قدروں سے ہم آہنگی پر زور دیا ہے اور یہ تمام خصوصات ان کی عشقیہ نظموں اور رباعیوں میں ملتی ہیں۔''

نظیر صدیقی:-فراقؔ کے لہجے میں جو نرمی، سکون، آہستہ روی اور ٹھیراو ہے وہ ان کے مزاج کا خاصہ بھی ہے اور ان کے وسیع مطالعے اور غور وفکر کا نتیجہ تھی۔

اُردو میں جس حد تک فراقؔ کی شاعری خوش فہمیوں Illusions اور نفسیاتی رکاوٹوں Inhibitions سے خالی ہے اتنی شاید کسی اور کی نہیں۔ان کی شاعری میں جو چونکا دینے والی سچائیاں ملتی ہیں ان کا راز یہی ہے کہ ان کا ذہن بعض ایسے Illusions سے خالی ہے جن میں اُردو شعرا مبتلا رہتے ہیں۔مثلاً ان اشعار کو دیکھئے اور سوچئے کہ اُردو کے کسی اور شاعر نے کبھی اتنی راست گوئی سے کام لینے کی کوشش کی ہے ؎

یونہی سا تھا کوئی جس نے مجھے مٹا ڈالا
نہ کوئی نور کا پُتلا نہ کوئی زہرہ جبیں

عزیز احمد:-فراقؔ کی شاعری میں لکھتے ہیں:''سب سے پہلے یہ واضح کردینا ضروری ہے کہ فراقؔ کی شاعری گو وقت کی شاعری ہے، زمانے کی شاعری ہے اور اپنے عہد کی شاعری ہے لیکن بہ ایں ہمہ ان کا نوّے فیصدی کلام عشقیہ ہے۔رومان ومحبّت کے جذبات ابدی ہیں اور مختلف زاویوں سے دیکھنے سے ان کے مختلف پہلو نکل سکتے ہیں۔عشقیہ شاعری غم کی بھی ہوسکتی ہے اور خوشی کی بھی، واردات کی بھی اور معاملہ بندی کی بھی، لیکن فراقؔ کی عشقیہ شاعری ان احساسات سے جدا خالص کیفیت کی شاعری ہے۔یہ تصوف جھگڑوں اور معرفت کے جھمیلوں سے بے نیاز خالص ''جنس''

اور ''اسرارِ جنس'' کی عکاسی کرتی ہے۔

اسلوب احمد انصاری:- فراقؔ نے اُردو کے جن شاعروں کے اثر قبول کیا ہے ان میں میرؔ، مصحفیؔ اور غالبؔ ہیں۔ میرؔ سے انھوں نے سوز و گداز اور جذبے کی پختگی، مصحفیؔ سے لمسیت اور شادابی اور غالبؔ سے وسعتِ خیال اور احساس کی طرفگی اور پیچیدگی کو نمایاں کرنے کا فن حاصل کیا۔ انگریزی شاعر ورڈز ورتھ اور ہندی اور سنسکرت ادب کے مطالعے اور مغربی علم و فن سے انھوں نے حیات و کائنات کا ادراک فطرت سے وابستگی، زمین کے حسن اور ان کی نعمتوں سے لطف اندوز ہونے کا ولولہ لیا۔ فارسی شاعری سے نزاکتِ خیال اور ژرف بینی حاصل کی اور ہندوستان کی نشاۃ ثانیہ سے یہ سبق سیکھا کہ ہندوستان کی شاعری میں ہندوستان کی روح اس طرح حلول کر جائے کہ وہ یہیں کی پیداوار معلوم ہونے لگے لیکن اب سب اثرات کو بارآور بنانے میں خود ان کی نمو پذیر شخصیت اور لطیف ادراک کو دخل رہا ہے۔''

اخلاق الرحمٰن قدوائی:- فراقؔ صاحب نے اپنی شاعری کے ذریعے ہندوستان کی گنگا جمنی تہذیب کی روایات کو آگے بڑھا کر اُردو ادب اور ملک کی بیش بہا خدمت انجام دی۔ اس کے ان کے فن کی امتیازی خصوصیات ہیں۔ وہ مجاہد آزادی بھی تھے اور ملک و قوم کے لیے انھوں نے بڑی قربانیاں دیں۔

آل احمد سرور:- فراقؔ کو ''اجتماع ضدین'' کا شاعر کہا گیا ہے۔ دراصل یہاں ایک نفسیاتی ژرف بینی ہے جو بیک وقت مختلف اور متضاد کیفیات اور جذبات پر نظر رکھتی ہے اور اس طرح زندگی اور دائروں کی بھی شاعری کی ہے لیکن ان کے تخیل نے ان میں روح کا نغمہ سنا اور سنایا ہے۔

حکم چند نیّر:- فراقؔ بنیادی طور پر رس اور جَس کے شاعر ہیں......فراقؔ کا امتیاز یہ ہے کہ اس نے حسن کے عام پہلوؤں کو اس کے خاص پہلوؤں سے حیرت انگیز طور پر ہم آہنگ کر دیا ہے......فراقؔ کی شاعری کا ایک بڑا حسن زبان کی سادگی اردو ہندی کے

میٹھے اور رسیلے لفظوں کا انتخاب نرم و نازک سہل اور شریں لفظوں کا گنگا جمنی سنگم بامحاورہ ٹکسالی اُردو کا استعمال بھی ہے۔

ممتاز حسن:۔فراقؔ ایک بہت اچھے اور اہم شاعر تھے لیکن وہ کوئی بڑے مفکّر نہ تھے ہمیں نہ تو ان کے کلام میں اور نہ ان کے تنقیدی اور تہذیبی مضامین میں کوئی ایک ایسی فکر بلند ملتی ہے جس کی بنا پر یہ کہا جا سکے کہ وہ ایک بڑے مفکر بھی تھے......تاہم وہ بیسویں صدی کے اُردو ادب کی تاریخ میں ان چند گنے چنے شاعروں میں سے تھے جنھوں نے اُردو شاعری کے رخ کو اس کے پیش پا افتارہ عشقیہ شاعری سے ایک ایسی نئی شاعری کی طرف موڑ دیا جو حیات آفرین اور سماجی زندگی کو منقلب کرنے والی ہے۔

خلیل الرحمان اعظمی:۔فراقؔ کی شخصیت پیچ در پیچ، تہہ دار اور قریب قریب مجموعۂ اضداد ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کے اندرون میں نور وظلمت، خیر وشر اور سکون وانتشار کی مسلسل آویزش رہی ہے۔ ایسی شخصیت یا تو زمانے سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جاتی ہے یا اس کی اپنی ذہنی پیچیدگی اس کے اندر ایسی تلخی پیدا کر دیتی ہے جو آگے چل کر پھر زہر بن جاتی ہے۔فراقؔ کی انفرادیت کا راز یہ ہے کہ اس نے اس زہر کو امرت بنا دیا ہے۔اس نے اس کشمکش اور تضاد پر قابو حاصل کر کے اسے ایک مثبت عمل کی صورت دے دی ہے۔

ثقہ قسم کے نقادوں کے چیخنے چلانے کے باوجود فراقؔ کی غزل جدید غزل کی علامت بن گئی۔۱۹۴۰ء کے بعد اُردو میں روایتی اور رسمی غزل گوئی چھوڑ کر جہاں بھی ایسی غزل ملتی ہے جس میں جدید ذہن کی کارفرمائی ہو اس پر فراقؔ کی آواز کے ارتعاشات محسوس کیے جا سکتے ہیں۔

فراقؔ زندہ متحرک اور حقیقی شاعر ہیں محض استادفن نہیں۔اساتذہ قسم کے شعرا کے بارے میں پروفیسر رشید احمد صدیقی نے بڑی دلچسپ بات کہی ہے کہ ''ان کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ ان کے یہاں کوئی عیب نہیں ہوتا لیکن ان کا سب سے

بڑا عیب یہ ہے کہ ان کے یہاں کوئی خوبی بھی نہیں ہوتی۔''

فراقؔ کا کلام محاسن اور معائب کا ایک رنگارنگ اور جیتا جاگتا مجموعہ ہے۔ انھیں معائب کی نسبت سے وہ خصوصیات بھی اجاگر ہوتی ہیں۔ جنھیں ہم بالاتفاق محاسن میں شمار کرتے ہیں۔ فراقؔ کا کلیات اُردو ادب میں اپنی شاعرانہ قدر و قیمت کے علاوہ ایک زبردست معمل اور تجربہ گاہ کی حیثیت سے بھی اہم ہوگا جس سے آنے والی نسلیں تخلیق طور پر استفادہ کر کے اُردو شاعری کی نئی جہتوں سے آشنا کر سکتی ہیں۔ ان کے کلام کی خصوصیات کے تجزیے اور ان کی تعبیر و تفسیر نیز ان کے شاعرانہ مرتبے کے تعین میں اب بھی اختلافات ہیں اور یہ اختلافات رہیں گے لیکن وہ ان شاعروں میں نہیں جنھیں آسانی سے نظر انداز کیا جاسکے۔

سید صفدر حسین:- فراقؔ عشق اور زندگی پر نئے گوشوں سے نظر ڈال رہے ہیں اور نئے اثرات کو سمجھ کر نئی حقیقتوں کی نقاب کشائی کر رہے ہیں ان کے یہاں خواہ نشاط کا بیان ہو یا غم والم کی داستان کا، فکر کا عنصر اور بصیرت کی روشنی دونوں جگہ پائی جاتی ہے۔ حضرت نیازؔ کے الفاظ میں ''وہ شعر نہیں کہتے زندگی اور محبّت کے نکات پر تبصرہ کرتے ہیں...... اور اتنا لطیف و عمیق تبصرہ کہ شاعری سے علیحدہ ایک فکر مستقل محسوس ہونے لگتی ہے۔''

احمد جائسی:- فراقؔ کی شاعری کے یہ وہی عناصر ہیں جو ان کی شاعری کو ان کے معاصرین کی شاعری سے ممتاز و یگانہ بناتے ہیں اور انہی کے ذریعہ کی شاعری سے شناخت بھی کی جاسکتی ہے۔ فرد کے وجود کا یہ مسئلہ جس کو فراقؔ مختلف انداز سے اپنے اشعار میں پیش کرتے رہے ہیں ایک لاینحل مسئلہ ہے۔ اس مسئلہ کو نہ تو جدید سائنسی علوم ہی حل کر سکے ہیں اور نہ ہی عمرانیات اور نفسیات جیسے جدید تر علوم اس الجھن کے باوصف جو فرد بھی اس دنیا میں پیدا ہوا ہے اس کو وجود کے پیچیدہ مسئلے کے باوجود اپنی عمر اسی مسئلہ سے الجھتے ہوئے بسر کرنی ہے اور اسی کے ساتھ ساتھ اپنے معاشرے کی ترقی کے لیے بھی سرگرم عمل رہنا ہے۔ شاید اسی لیے کہا گیا ہے۔'' شاد باید زیستن ناشاد باید

زیستن'' فراقؔ نے بھی اپنی زندگی شاد و ناشاد دونوں ہی طرح بسر کی ہے۔'' اس طرح شاد و ناشاد زندگی بسر کرتا ہے۔ فراقؔ کا اصل کمال یہ ہے کہ وجود کے مسئلے کی پیچیدگی اور الجھن سے دوچار ہونے کے باوجود وہ زندگی کے مسائل سے کبھی روگرداں نہیں ہوئے بلکہ ان کا دلیری اور پامردی سے مقابلہ کرتے رہے، ان کا ایک شعر ہے ؎

زندگی کو بھی منہ دکھانا ہے
رو چکے تیرے غمگسار بہت

ان کے شاعری کے بقیہ جو عناصر ہیں وہ زندگی کو منہ دکھانے کے مترادف ہیں۔ ان عناصر کا انسانی وجود کی پیچیدگیوں اور الجھنوں کی کوئی تعلق نہیں ہے، اسی وجہ سے ان کی شاعری میں کبھی کبھی تضاد کی سی کیفیت دکھائی دینے لگتی ہے مگر یہ ساری کیفیات ان کی ''غیر متوازن، متوازن'' شخصیت کی غماز ہیں کسی تضاد کی نہیں۔

شمس تبریز خان:- فراقؔ کے بعض اشعار کو پڑھ کر زندگی کی وسعت و بیکرانی اور خیال و حقیقت کے اتصال و تصادم کا احساس پیدا ہوتا ہے۔ حیات و کائنات کے بارے میں ذاتی و انفرادی خیال آرائی، نفسیات انسانی کی تہ داری و پیچیدگی کا مخصوص عرفان، خواب و خیال، فسانہ و افسوں، شاعرانہ طلسم بندی اور زندگی کے ظاہری و باطنی معموں اور دُھندلکوں کی صورت گری اور نقاشی، حسن و عشق کی مادی روحانی اور مجازی تاویل و توبیہ اور تعبیر اور حقیقت کو لباس مجاز میں دیکھنے کی کوشش، کائنات کو ایک زندہ وجود سمجھنے اور مادیت میں روحانیت کی تلاش و سعی اور مجرد و ماورائی انکار کی تجسیم و تمثیل سے فراقؔ کی شاعری عبارت ہے۔

سیدہ جعفر:- جذباتی طور پر فراقؔ ناآسودہ اور ان ہی کے الفاظ میں ''تشنہ'' رہے۔ اس ناآسودگی اور تشنگی کا احساس انھیں عمر بھر ستاتا رہا۔ تسکین و تشفی سے محروم یہ شاعر دائمی ہجر میں مبتلا ہوگیا۔ جذبے کی حقیقی تسکین کے سامان موجود نہ تھے اور صورت حال کا جنسی انحراف کی شکل اختیار کرنا تعجب خیز نہیں معلوم ہوتا۔ جبلت نے اخلاقی اقدار کے

دائرے کے باہر جست لگادی اور اعصاب نے شعور کی نگرانی سے بغاوت کا اعلان کردیا جس کا نفسیاتی نتیجہ یہ ہوا کہ فراؔق کی نارسائی غزل کے پیکروں میں حسن کی عریاں تصویروں سے لطف اندوز ہونے لگی اور اس طرح اپنی آسودگی کے سامان فراہم کرنے کی کوشش کی۔فراؔق کے تخیل کا حُسن کا ایک مثالی نمونہ لفظوں میں تخلیق کرڈالا۔ زندگی نے فراؔق کو محروم رکھا تو خوابوں اور تخیل کے پیکروں سے اس نے حظ اُٹھانے کی کوشش کی۔فراؔق کی غزلوں میں محبوب کی برہنہ تصویریں اسی رجحان کی آئینہ دار ہیں۔

مختار زمن:-فراؔق صاحب کی یاد میں لکھتے ہیں:''جب میں فراؔق کا شاگرد ہوا تو رفتہ رفتہ ان کی علمیت و لیاقت کے جوہر کھلے۔ میں اس نتیجے پر پہنچا کہ فراؔق صاحب مہذب بھی ہیں بے باک بھی شمع انجمن بھی ہیں اور بالکل تنہا بھی شاعر بھی ہیں اور شعر کے اعلیٰ درجہ کے پارکھ بھی وہ صرف شعروادب کے لیے بنے تھے ان کے پڑھانے کا انداز اسکول ماسٹروں کا انداز نہیں تھا۔دراصل وہ نصاب سے زیادہ اس بات کو اہمیت دیتے تھے کہ طالب علموں میں ادب کا صحیح ذوق پیدا ہو۔ بارہا ایسا ہوا کہ لکچر ورڈ زورتھ یا کیٹس پر شروع ہوا لیکن دس منٹ بعد پتہ چلا کہ وہ میؔر یا غالؔب کے کلام کی باریکیوں پر روشنی ڈال رہے ہیں۔آغازِ کلام شیکسپیئر سے ہوا تھا مگر جب گھنٹہ ختم ہوا تو ہمیں یہ معلوم ہو چکا تھا کہ کالی داس کی عظمت کا راز کیا تھا۔''

ظ.انصاری:-فراؔق ایک جی نی ئیس تھا ہماری زبان کا، بگڑا ہوا، بکھرا ہوا، ترچھا نوکیلا، دردمند، بے رحم، بانظر اور مطالعے کی وسعت کے ساتھ ہر خیال ارادے، عقیدے اور عادت کی کاٹ اس کی جیبوں میں بھری ہوئی تھی۔ وہ جب چاہتا (اور نہ چاہتا تب بھی) اپنا رد اپنے اندر سے نکال لیتا تھا...... یہاں تک کہ اپنی شاعری کا رد بھی۔جس کلاسیکی مخزن پر فراؔق کی دست رس تھی، اُسی (از میؔر تا مصحفؔی) کے معیاروں اور پیمانوں سے ناپا جائے تو فراؔق کو ناموزوں، بے ربط، اگلوں کو اور خود کو دہرانے والا، خودستائی کی خاطر معیار اور پیمانے وضع کرنے والا، ایک اوسط درجے کا خوشگوار غزل گو ثابت کیا جاسکتا

ہے۔لیکن جب وہ گم شدہ ہوتا ہے، زمانے کے ذوق سے، داد بیداد سے نپے تلے فرموں کی فرماں برداری سے آزاد ہو کر اپنی ذہنی فضا میں، اپنے تجربوں کے سرمئی دھندلکے میں پرواز کرتا ہے، جب وہ زخم خوردہ اور شاداب باطن کے سوا کسی لہجے، کسی ضابطے کی زد کو خاطر میں نہیں لاتا تب وہ اُردو غزل کا ایک منفرد، ایک بے مثال، اپنے آپ میں ایک مثال، اپنے کلام سے ایک رچا ہوا لہجہ ایک نازک ڈگر اور اپنی آدمیت میں ایک گہرے کلچر کا جیتا جاگتا کھنکنا تا نمونہ بن جاتا ہے، فراقؔ نے جس جس سے جو کچھ لیا، اس پر اب تک بہت کچھ لکھا جاچکا، اُس کی رینج دور تک ہے، لیکن جو دیا، وہ اگلوں پر اضافہ ہونے کے ساتھ ساتھ، بعد والوں کے لیے ایک بڑے ڈی شن (Tradition) یا چلّن بن گیا۔ ناصرؔ کاظمی، ابن انشاءؔ، جاں نثار اخترؔ اور خلیل الرحمٰن اعظمی تک میرؔ کی جو وراثت پہنچی وہ فراقؔ کے ہاتھوں سے ہوتی ہوئی پہنچی ہے۔ جدید غزل کو قدیم ورثے سے گزر کر ذاتی تجربوں کے بیان کا جو حوصلہ ملا، اس میں، عہدِ حاضر کے تقاضوں کے سوا، فراقؔ کی اعضا شکنی کا بھی دخل ضرور ہے۔

شانتی رنجن بھٹاچاریہ:۔''فراقؔ'' میں لکھتے ہیں: ''اُردو کو ہندو کلچر سے مالا مال کرنے اور اُردو کو ہندوں کی ماں بنانے کے لیے اس دور میں کسی نے بھی فراقؔ سے بڑھ کر کوشش نہیں کی۔

صدیق الرحمان قدوائی:۔ زاویے ''فراقؔ کی نادر تحریریں'' مرتبہ عبدالعزیز لکھتے ہیں: ''فراقؔ گورکھپوری ہماری اُن ادبی شخصیتوں میں ہیں جن کا لکھا ہوا ہر لفظ اس اعتبار سے اہم ہے کہ اس سے اُن کے ذہن کے مختلف گوشوں میں جھانکا جاسکتا ہے۔ انھوں نے جتنا کچھ لکھا ہے وہ اب تک پورے طور پر یک جا نہیں ہوسکا۔ اردو، ہندی، انگریزی کے اخبارات اور رسائل میں وقتاً فوقتاً انھوں نے بہت کچھ لکھا ہے جس سے اُن کی شخصیت اور فکر کے ارتقا کا بھی پتہ چلتا ہے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ گزشتہ صدی میں ملک کی سیاسی، ادبی اور تہذیبی زندگی جس مراحل سے گزری ہے اُن کے دوران اُس عہد کے

ایک بڑے دانش ور کے ہاں کیا ردِعمل ہوا اور اس کا اظہار کس طرح ہوا۔ اس اعتبار سے فراقؔ کی بکھری ہوئی تحریروں کو یک جا کرنا اور بہت سے کھوئے ہوئے کاغذات کو پھر سے ڈھونڈ ھ نکالنا ایک نہایت ضروری علمی فریضہ ہے۔''

رشید احمد صدیقی:۔ فراقؔ کی سب سے بڑی خوبی یہ ہوتی ہے کہ ان کے یہاں کوئی عیب نہیں ہوتا لیکن کا سب سے بڑا عیب یہ ہے کہ ان کے یہاں کوئی خوبی بھی نہیں ہوتی۔

''جدید غزل'' میں لکھتے ہیں: ''فراقؔ کے ذہن اور ذوق کو سمجھنے کے لیے ہم کو ان راستوں سے کسی قدر ہٹ کر سوچنا پڑے گا جو ہم نے اب تک اختیار کر رکھے تھے۔''

بش ٹنڈن:۔ ''فراقؔ کی شاعری۔ چند جہات'' میں لکھتے ہیں: ''فراقؔ کی شاعری جمالیات سے عبارت ہے اس لیے انھیں شاعر جمال بھی کیا گیا ہے۔ نرم اور نازک شاعری تو اُردو میں بہت ہے لیکن جذبہ اور زبان دونوں سطحوں پر جو جدت فراقؔ کی شاعری میں نمایاں ہے وہ تحیّر خیز ہے۔ فراقؔ حسن کو معبود کا درجہ دیتے ہیں وہ حسن کے بچاری ہیں وہ کہتے ہیں حسن سطحی ہوتا ہے لیکن بدصورتی تو قلب کو بھی مجروح کر دیتی ہے۔

علی احمد فاطمی:۔ ''فراقؔ شاعر نیم شب'' میں تحریر کرتے ہیں: ''فراقؔ کی زندگی کی تلخی تگ و دو اور جہاد سے لبریز رہی۔ مطالعہ وسیع ہوتا رہا زندگی کی مصروفیات اور عشق و جمال کے شعور کے لیے جو تجربات اور بصیرت ہونی چاہیے وہ سب فراقؔ کو نصیب ہوئے لیکن ان تلخیوں سے بیزار ہو کر انھوں نے فانیؔ کی طرح کلیجہ نہیں پکڑا، اصغرؔ کی طرح غیر معمولی سنجیدگی و خشکی نہیں دکھائی۔ جگرؔ کی طرح سبک روی نہیں اختیار کی بلکہ مطالعہ مشاہدہ، سوچ وفکر اور تخلیق وتنقید کی اس معتدل راہ سے گذرے جس کا راستہ ہندوستان کی اس شاہراہ سے جا ملا جو شاعر کو آفاقی بلندی عطا کر کے اسے حیات جاودانی سے نوازتا ہے۔ فراقؔ نے ذاتی تفکرات وتصورات کو اُردو شاعری کے اس وسیع کینوئس میں جذب کر دیا۔ جہاں صرف ہندوستان ہی نہیں بلکہ پوری کائنات

دھڑکتی نظر آتی ہے۔

یوسف ظفر:۔''شعلۂ ساز'' مجموعہ فراؔق مطبوعہ مکتبہ اُردو لاہور، ۱۹۴۶ء دیباچہ میں لکھتے ہیں: ''اُردو ادب کو فراؔق نے جس قدر نئے اور جدید تصوّرات اور تخیلات دیئے ہیں مستقبل کو جتنی نئی روایات بخشی ہیں، نئے الفاظ ڈھالے ہیں لچک دار بحروں کو استعمال کیا ہے۔ لطافت نرمی حسن اور لوچ کا اضافہ کیا اُردو کے کسی اور شاعر کو میّسر نہیں آیا۔ انھوں نے خالص حسن و عشق کے تصّورات میں زندگی کے ٹھوس حقایق سمو کر رکھ دئے ہیں۔ ان کے الفاظ میں اتنی لچک اور رس ہے کہ میرؔ کا نام لیتے ہوئے بھی ڈر ہوتا ہے ان کے یہاں رمزیت اور اشاریت کے وہ پہلو ملتے ہیں جو تمام اُردو شاعری میں خال خال نظر آتے ہیں۔

محمد طفیل:۔''من آنم'' (مدیر ''نقوش'' کے نام خطوط) مطبوعہ ادارہ فروغ اُردو لاہور ۱۹۶۲ء کے پیش لفظ میں لکھتے ہیں: ''ان کے کچھ خط ابھی میں نے پیش نہیں کیے۔ اس لیے اُن میں یہ کچھ زیادہ ہی مخلص اور کچھ زیادہ ہی سچّے ہو گئے ہیں۔ چوں کہ زیادہ مخلص انسان اپنی تمام تر ہوش مندی کے باوجود پاگل، اور زیادہ سچّا انسان، اپنی تمام تر شرافت کے باوجود بدتمیز کہلاتا ہے۔ اس لیے میں نے کوشش کی ہے کہ اپنے اِس پیارے دوست کو، اُن ''خرابیوں'' سے بچالے جاؤں۔ اس کے باوجود فراؔق، اِن خطوں میں ہر طرح سے اور ہر رنگ میں سامنے آئے ہیں۔ یہی فراؔق کی وہ خوبی ہے جس پر مصلحت آمیز شرافت کے سارے غلاف نثار کیے جاسکتے ہیں۔

میں اِن خطوں کو اپنی اور فراؔق صاحب کی زندگی میں اس لیے چھاپ رہا ہوں۔ تا کہ کل کلاں کو کوئی بقراط قسم کا محقق یہ ثابت کرنے پر اپنا وقت ضائع نہ کرے کہ یہ خط فراؔق صاحب کے لکھے ہوئے ہی نہیں۔ اس لیے کہ طفیؔل کا انتقال تو فلاں سن میں ہو گیا تھا اور یہ خط اس کے مرنے کے بھی آٹھ برس بعد، ہجر نامی شخص نے لکھے تھے۔''

حنیف کیفی:۔''فراؔق معتقد میرؔ'' میں لکھتے ہیں: ''بیسویں صدی نے میرؔ کے جو

معتقدین پیدا کیے ہیں ان میں رگھو پتی سہائے فراقؔ اس اعتبار سے ایک خاص اہمیت کے مالک ہیں کہ وہ بیک وقت شاعر بھی ہیں اور ناقد بھی، اور اپنی ان دونوں حیثیتوں میں وہ اس خدائے سخن کا کلمہ پڑھتے اور اس کی عظمت کے گن گاتے نظر آتے ہیں۔ ان کی نظر میں میرؔ نہ صرف ایک عظیم شاعر ہیں بلکہ ایک عظیم انسان بھی ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ میرؔ کے زمانے میں ''اس دل و دماغ کا آدمی سارے ہندوستان میں کوئی نہیں تھا۔'' نیز یہ کہ ''میرؔ کے دل و دماغ کا آدمی اور شاعر تو عرب یا ایران نے پیدا ہی نہیں کیا۔'' جا بجا فراقؔ نے جس انداز سے میرؔ کی تعریف و توصیف کی ہے اس سے میرؔ کے ساتھ اِن کی گہری عقیدت کا پتہ چلتا ہے۔ اس عقیدت کا اظہار انھوں نے براہ راست بھی کیا ہے اور بالواسطہ و ضمناً بھی۔ یہ ان کی تنقیدوں میں بھی کارفرما نظر آتی ہے اور اشعار سے بھی مترشح ہوتی ہے۔ اس کا اندازہ اس بات سے بھی ہوتا ہے کہ مختلف مواقع پر مثالاً جتنے اشعار انھوں نے میرؔ کے پیش کیے ہیں اتنے کسی اور شاعر کے نہیں کیے۔''

شمیم حنفی:۔''فراقؔ کی حسیّت سے ہمارا رابطہ'' میں تحریر کرتے ہیں: ''فراقؔ کی حسیّت کو تشکیل دینے میں ادب کی تین روایتوں کا عمل دخل تقریباً یکساں رہا ہے۔ ایک تو ہند ایرانی روایت جس سے فراقؔ کا تعارف فارسی غزل کے علاوہ اٹھارہویں اور انیسویں صدی کے اُردو غزل گویوں کے واسطے سے ہوا۔ یہ روایت فراقؔ کی بصیرت کے سیاق میں ایک طرح کی تہذیبی یادداشت کا مرتبہ رکھتی تھی۔ پھر مغربی ادبیات کی روایت تھی جس سے فراقؔ نے براہ راست استفادہ کیا تھا اور جس کا اثر فراقؔ کی تنقید اور فراقؔ کی شاعری دونوں پر دیکھا جا سکتا ہے۔ البتہ اس سلسلے میں ایک غلط فہمی کا ازالہ ضروری ہے کہ فراقؔ صرف رومانی تنقید یا شعر کے صرف رومانی تصور سے مناسبت رکھتے تھے۔ فراقؔ کی شاعری اور تنقید کچھ بھی ثابت نہیں کرتی۔ بس حواس کے کچھ راستے روشن کرتی ہے اور یہ راستے ہمیں صرف رومانی طرز احساس تک نہیں لے جاتے۔ ان راستوں کی

مدد سے ہم فکر کے ایک پورے نظام تک پہنچتے ہیں جو زندگی اور شاعری دونوں کا احاطہ کرتا ہے۔اسی لیے عسکری نے یہ بات کہی تھی کہ فراقؔ کی تنقید ادب کی تنقید ہے۔تنقید کی تنقید نہیں ہے اور یہ تنقید ہمارے لیے ادب کی روح کے ساتھ ساتھ اپنی شخصیتوں اور اپنی انسانیت کو سمجھنے کا وسیلہ بھی بن جاتی ہے۔فراقؔ کی حسیت میں ایک نئی انسان دوستی اور روشن خیالی کے عناصر انہی واسطوں سے شامل ہوئے جن کا سرچشمہ مغربی لبرلزم کو قرار دیا جاسکتا ہے۔تیسری روایت جس نے فراقؔ کی حسیت کا ایک واضح رخ متعین کرنے میں نمایاں حصہ لیا،قدیم ہندوستان تصورات اور شعریات کی روایت ہے۔''

مخمور سعیدی:۔''فراقؔ گورکھپوری'' ذات وصفات کے ''حرفِ آغاز'' میں لکھتے ہیں:
''فراقؔ صاحب شعروادب کے اچھے پارکھ بھی تھے۔ان کی تنقیدی تحریروں سے کئی ایسے گوشے روشن ہوئے جن پر بے توجہی کی دھند چھائی ہوئی تھی۔بالخصوص میرؔ کی شاعرانہ ہمہ گیری اور ان کی عظمت کو سامنے لانے اور منوانے میں ان کا اہم کردار رہا۔ہمارے زمانے میں میرؔ کی جو بازیافت ہوئی ہے اس کی پہل فراقؔ صاحب نے کی تھی اور دلچسپ بات یہ ہے کہ آثرؔ لکھنوی،جن کی فراق دشمنی کے بہت چرچے رہے،اس امر خاص میں ان کے ہمنوا تھے۔فراقؔ صاحب نے خود اپنی شاعری کو بھی اکثر موضوعِ گفتگو بنایا ہے مگر یہاں ان کے لہجے میں اکثر تعلّی آگئی ہے جو اُردو شعرا کا پرانا شعار ہے۔

فراقؔ صاحب ایک دانشور کی حیثیت سے بھی جانے پہچانے گئے اور انھوں نے اپنے زمانے کے سیاسی، ثقافتی اور لسانی مسائل پر جو اظہارِ خیال کیا اس کی گونج اس وقت بھی دور دور تک سنائی دی اور ان کی کہی ہوئی باتوں سے ہم آج بھی بہت کچھ جان سکتے ہیں اور بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں۔''

رمیش چندر دویدی:۔''فراقؔ کی شاعری کا فلسفہ'' میں لکھتے ہیں:''فراقؔ کی شاعری کی گنگا لاکھوں کروڑوں دلوں کی ویرانی اور اجڑے پن کو سرسبز کرتی ہے اس لیے فراقؔ کی شاعری کبھی باسی پڑنے والی شاعری نہیں ہے۔وہ نیچر کی طرح سدا بہار اور سدا سہاگ

ہے۔اس میں آفاقیت ہے۔فراقؔ کی شاعری بظاہر دومختلف حقیقتوں کی ترجمانی کرتی ہے۔شہود وغیب، جز اور کل سرکش انفرادیت اور کائنات اور زندگی کو اِس سرے سے اُس سرے تک لپیٹتی ہوئی رمزیت، محدود اور لامحدود، اہرمن اور یزداں، حقیقت اور مجاز کے بیچ فراقؔ کی شاعری ایک مضبوط لنک (Link) ہے۔

فراقؔ کی شاعری ہمیں اس منزل اور مقام تک لے جاتی ہے، جہاں ہم محسوس کرتے ہیں کہ We are laid asleep in body & became a liveng soul فراقؔ کی شاعری رحمتوں کے دل سے نکلی ہوئی دعا ہے۔کبھی کبھی ہم یہ بھی محسوس کرتے ہیں کہ ہمارا وجود خود ایک عبادت ہے اور ہماری ہستی ہمیں دعائیں دے رہی ہے۔

شاعری جب اپنے حدود پار کر جاتی ہے تو عبادت بن جاتی ہے جسے انگریزی میں Hymnical Poetry کہتے ہیں۔فراقؔ کی تمام شاعری ایک عبادت ہے۔''

ابوالکلام قاسمی:- اپنی تصنیف ''انتخاب کلامِ فراق گورکھپوری'' مطبوعہ ۱۹۹۷ء میں لکھتے ہیں:''جہاں تک اُردو کی شعری روایت سے فراقؔ کے کسبِ فیض کا سوال ہے،تو اس ضمن میں شمس الرحمٰن فاروقی کا خیال ہے کہ''غزل کی روایت سے فراقؔ کی آگاہی نہایت قلیل تھی''اور اپنی بات کے استدلال کے طور پر انھوں نے مختصر اُردو غزل کی روایت کے خدوخال متعین کرنے کی کوشش کی ہے اور پھر یہ ثابت کیا ہے کہ اگر فراقؔ نے غزل کی روایت سے خاطر خواہ استفادہ کیا ہوتا تو ان کے الفاظ میں عدم مناسبت نہ ہوتی یا الفاظ کے تاثر سے ناواقفیت ان کے حصّے میں نہ آتی۔اس سلسلے میں فاروقی صاحب نے اپنے ایک پرانے بیان پر بھی نظر ثانی کی ہے۔جس میں انھوں نے فراقؔ کو لفظی توازن کی روایت کا شاعر قرار دیا تھا۔اس میں کسی شک وشبے کی گنجائش نہیں کہ ہماری کلاسیکی غزل میں لفظی توازن، مناسباتِ لفظی یا لفظی رعایتوں کا ایسا غیر معمولی اہتمام نظر آتا ہے جس کے سبب بیشتر اہم اور ممتاز شاعروں کے کلام میں

لفظیات اور کبھی کبھی تلازمات کا باہمی ربط، ڈکشن کا پورا نظام سا تیار کر دیتا ہے اور یہ بات بھی بہت غلط نہیں کہ بیسویں صدی کے غزل گو شعرا میں ایسے شاعروں کی تعداد گنتی کی ہے جن کے کلام میں الفاظ اور ان کے تلازمات کے باہمی ربط کا پورا سسٹم ملتا ہو۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ لفظی توازن اس صدی میں آکر مستحسن سمجھے جانے کے باوجود نئی شعری روایت کا حصّہ نہ بن سکا۔ خصوصیت کے ساتھ یگانہؔ اور فراقؔ کی شاعری میں اس نوع کی کسی شعوری یا غیر شعوری کوشش کا اندازہ نہیں ہوتا۔ اس سلسلے میں مثال تو حسرتؔ موہانی اور جگرؔ کی بھی دی جا سکتی تھی مگر یگانہؔ اور فراقؔ کو خصوصیت کے ساتھ اس لیے قابل ذکر سمجھا گیا کہ ان دو شاعروں نے پرانے اور روایتی طرزِ احساس سے انحراف کرنے کے سبب اس روایتی رویے کو اپنائے رکھنا زیادہ ضروری تصور نہ کیا۔ تاہم یگانہؔ کے مقابلے میں فراقؔ کی غزلوں میں اس رویے کی جزوی نشاندہی ضرور کی جا سکتی ہے۔ مگر یہ نشاندہی بھی اس شرط کے ساتھ ہے کہ یہ رویہ فراقؔ کا غالب اسلوب یا بنیادی رویہ بنانے میں کوئی اہم رول ادا نہیں کرتا ہے۔

یہ بات ضرور واضح ہو جاتی ہے کہ فراقؔ ایک اہم اور رجحان ساز شاعر ضرور ہیں۔ فراقؔ کے یہاں روایت سے جو رابطہ ملتا ہے وہ احترام کا رابطہ ہے تقلید کا نہیں...... اپنے اس رویے سے فراقؔ نے متکلم یا عاشق کے کردار میں جو نئی جہتیں پیدا کیں، اپنے نئے طرزِ احساس سے جس طرح اگلی نسلوں کے لیے راہیں ہموار کیں اور جس انداز میں انھوں نے اسلامی کلچر کے عناصر کے ساتھ ہندوستانی کلچر یا ہندوستانی سیاق وسباق کو ابھارا اور نمایاں کیا، یہ سب ان کے ایسے امتیازات ہیں جن کی دریافت کے عمل سے غیر جانب دار تنقید ہمیشہ دو چار ہوتی رہے گی۔

<u>شین کاف نظام</u>:۔ ''مطابقت روایت اور فراقؔ'' میں تحریر کرتے ہیں: ''پچھلے کچھ برسوں سے فراقؔ کی اہمیت انحراف کے دور میں داخل ہو رہی ہے۔ ایسا ہر شاعر کی زندگی میں ہوتا ہے۔ ان شعرا کی زندگی میں زیادہ شدت یا شد و مد کے ساتھ ہوتا ہے

جو روایت کا حصہ بن جاتے ہیں۔ یہ ایک ناگزیر عمل ہے۔ یہ انحراف ایک طرح کا اعتراف بھی ہے۔ بہت ممکن ہے کہ انحراف کے اس عمل کے بعد ایک نیا اعتراف سامنے آئے، یہ بھی ممکن ہے کہ یہ انحراف برائے انحراف ہی ثابت ہو اور کل یہ ثابت ہو کہ یہ انحراف کسی تعصب کے سبب تھا اور یہ بھی ممکن ہے کہ جو آج تعصب (Prejudice) معلوم ہوتا ہے وہ کل حقیقت معلوم ہو۔ اس سے پہلے ایک نظر انحراف کے ان نکات پر بھی بار بار دہرائے جاتے رہے ہیں۔

فراقؔ کے متعلق یہ بار بار کہا گیا ہے کہ انھیں اپنی اہمیت کا شدید احساس تھا اور وہ اپنی اہمیت کو عظمت کا نام دینے میں بھی تکلف نہیں کرتے تھے۔ مبالغے پر مبنی ان کے ایسے بیانات اشتہار پسندی کے سوا کچھ نہیں ہوتے تھے۔ ان کی گفتگو کا موضوع اور مرکز اکثر ان کی اپنی ہی ذات ہوتی تھی وغیرہ وغیرہ۔ یہاں یہ سوال پوچھا جا سکتا ہے کہ کیا فراقؔ کے پیش روؤں یا معاصرین میں یہ عیب (اگر یہ عیب ہے تو) نہیں تھا؟ کیا انھوں نے اپنی اہمیت کا اظہار یا نام نہاد عظمت کا اعلان نہیں کیا؟ کیا ہم نے ان کے ایسے بیانات کو شاعرانہ شیخی (جسے ہم نے تعلّی کہا ہے) کہہ کر درگزر نہیں کر دیا؟ کوئی تولوں بھاری، کوئی مولوں بھاری، کوئی تولوں کم، کوئی مولوں کم، فرق اتنا ہی ہے نا؟ پھر اکیلے فراقؔ ہی پر یہ عتاب وعذاب کیوں؟

فراقؔ پر یہ بھی الزام ہے کہ انھوں نے متقدمین ومتاخرین شعرائے اُردو فارسی یا مغربی ومشرقی شعرا کے خرمن سے خوشہ چینی کی، مضامین مستعار لیے اور سنسکرت کے شعرا پر بھی ہاتھ صاف کیا ہے۔ نہایت ادب وانکسار سے یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ ہم نے اپنے کس شاعر پر یہ الزام عائد نہیں کیا ہے؟ غزل میں، ہماری شعریات کی رو سے، یہ ساری چیزیں ناگزیر ہیں۔ ہمیں تو اپنے شعرا کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ انھوں نے قدم قدم پر پکڑنے جکڑنے والی نام نہاد معیاد بندیوں کے باوجود ایسی عمدہ شاعری کی ہے۔ پھر وہ اعتراض جس کا اطلاق قریب قریب ہر شاعر پر ہو سکتا ہو، اس کا ذکر اظہار

علمیت تو ہوسکتا ہے معیار نقد کس طرح گردانا جاسکتا ہے۔ دراصل ایسے سارے اعتراضات شاعر کے اعتبار کو کم کرنے کی غرض سے کیے جاتے ہیں۔ ہماری تنقید نے یہ کام ہمیشہ کیا ہے اس لیے تاسف وتعجب کیا؟

فراق سے کچھ لوگ اس لیے خفا ہیں کہ وہ اقبال کو پسند نہیں کرتے تھے یا اپنی اقبال پسندی کا اظہار انھوں نے کبھی کہیں نہیں کیا۔ یا اقبال کو پسند نہیں کرنے کا موقع بے موقع اعلان کرتے رہے۔ یاس یگانہ چنگیزی تو غالب کو پسند نہیں کرتے تھے اور کیا انھوں نے اس کا اظہار کم کیا ہے؟ اہل لکھنؤ نے برسوں اقبال کو شاعر نہیں مانا تو کیا ہم سارے لکھنؤ سے ناراض ہو جائیں؟ اردو معاشرے نے نہ یگانہ کی بات مانی نہ فراق کی۔ ہم نے یگانہ کی غالب شکنی کے باوجود غالب کو وہی مقام ومرتبہ دیا جس کے وہ مستحق تھے اور فراق کی اقبال ناپسندیدگی کے باوجود (اگر وہ ساری باتیں سچ ہیں تو) ہم نے اقبال کو اسی ممتاز مقام پر فائز کر دیا جس کے وہ حق دار تھے لیکن جس طرح غالب شکنی سے مرزا یاس کے کلام کا محاسبہ متاثر نہیں ہوسکتا ویسے ہی اقبال دشمنی کے باوجود فراق کی شعری اور ثقافتی خدمات کا محاکمہ بے لاگ ہونا چاہیے۔ شمس الرحمان فاروقی فراق کو کمزور شاعر مانتے ہیں رشید حسن خاں فیض کو، اور ہم میں سے چند حضرات جو فراق یا فیض کو پسند کرتے ہیں انھیں اسی لیے یہ حق حاصل ہو جاتا ہے کہ وہ فاروقی صاحب یا خاں صاحب کی دیگر خدمات کو ماننے سے۔۔۔

عبادت بریلوی:۔''غزل کی اہمیت'' نگار، دسمبر ۱۹۴۳ء میں لکھتے ہیں۔''فراق میرے خیال میں عصرِ حاضر کا سب سے بڑا غزل گو شاعر ہے۔ اس کی شاعری ایک ایسا بے پایاں سمندر ہے جس میں مد و جزر کی وجہ سے زندگی کے آثار نمایاں ہیں۔ اس بحرِ بے پایاں میں ہمیں طرح طرح کی چیزیں نظر آتی ہیں۔ کہیں حسن و عشق کی واردات و کیفیات کا بیان اچھوتے انداز میں، کہیں معاشی مسایل کی گہرائیاں اور ان کی بے نقابی شاعرانہ رنگ میں، کہیں سیاسی مسایل پر تبصرہ مگر تغزل

کے روپ میں، کہیں فلسفیانہ مسایل کا بیان لیکن ہنستے اور مسکراتے ہوئے طرز ادا کے ساتھ۔فراقؔ کا ایسا غزل گو شاعر صدیوں اُدھر نہ پیدا ہوا ہے اور نہ پیدا ہونے کی اُمید ہے۔غزل کو سر بلند کرنے میں اس کا بڑا مرتبہ ہے۔اس کی غزل کا ہر شعر اپنے اندر ایک طویل نظم کی وسعت لیے ہوئے ہوتا ہے۔وہ انقلاب، اس کی اس کی آمد، اس کی ضرورت، اس کی اہمیت اور اس کے اثرات کا تذکرہ بھی غزل ہی ہیں کرتا ہے۔وہ ہندوستان کی غلامی اور کسی مپرسی پر خون کے آنسو بھی غزل ہی میں روتا ہے۔وہ ایک نئی دُنیا بسانے کے خواب کا بیان بھی غزل ہی کے ذریعہ کرتا ہے، وہ سیاسیات اور معاشیات کے بنیادی مسایل کو بھی غزل ہی کے پردے میں بیان کرتا ہے۔غرض کیا چیز ہے جو اس کی غزل میں نہیں ملتی۔اس کے چند اشعار دیکھ کر آپ خود اندازہ لگالیں گے۔

حیات بھی نہ ہو معراج آسمان و زمیں
مرا وجود بھی میرا وجود ہے کہ نہیں
اگر بدل نہ دیا آدمی نے دُنیا کو
تو جان لو کہ یہاں آدمی کی خیر نہیں
ہر انقلاب کے بعد آدمی سمجھتا ہے
کہ اس کے بعد نہ پھر لے گی کروٹیں یہ زمیں
ہیں اہلِ مرتبہ حائل بہ پستیِ معکوس
اُبھارتے ہیں زمانے کو چند خاکِ نشیں
اگر تلاش کریں کیا نہیں ہے دُنیا میں
جز ایک زندگی کی طرح، زندگی کہ نہیں
جو بھولتیں بھی نہیں یاد بھی نہیں آتیں
تری نگاہ نے کیوں وہ کہانیاں نہ کہیں''

اگرچہ کئی شاعروں نے فراقؔ کی شاعری ان کا ادبی مقام اور ان کے فن و شخصیت پر خراج عقیدت پیش کیا ہے لیکن ہم اختصار کو پیش نظر رکھتے ہوئے گلدانِ سپاس سے صرف چند منتخب شعر پیش کرتے ہیں۔

بشرؔ نواز : وہ خواب جو دیکھا تھا کبھی اُردو غزل نے
تو ہے اُسی رنگین و حسیں خواب کی تعبیر
جس غم سے چمک اٹھیں تری فکر کی راہیں
جس غم کو ترے فن نے بنا ڈالا ہے اکیسر
اے پیکرِ غم اور ابھی عام کر اس کو
جس غم سے ہوئی ہے ترے افکار کی تطہیر

◆-◆-◆

مسعود اختر جمالؔ : صنم کدہ ہند کا سلامت وہی ہے محفل کا رنگ اب تک
فراقؔ کے دل کی دھڑکنوں سے زمانۂ میرؔ ہے غزل میں
وقارِ گردوں ہے شخصیت میں سخن میں ہے عظمتِ ہمالہ
خرامِ گنگ وجمن بیاں میں، بہارِ کشمیر ہے غزل میں

◆-◆-◆

نازشؔ پرتاب گڈھی : تری باتوں میں ترا فن تیرے فن میں تیری بات
کیوں ہو تیرے باب میں پھر کاوشِ ذات وصفات
تو نے جس آواز کو مرمر کے پالا تھا فراقؔ
آج اسی کی نرم لو ہے شمع محرابِ حیات

◆-◆-◆

باوا کرشن گوپال مغمومؔ : اللہ رے وہ اس کی غزل کا انداز
تخیل انوکھی تو انوکھی پرواز

انگریزی ادب کا تھا نرالا پر تو
مفہوم و معانی کا وہ البیلا ساز

◆-◆-◆

آئینہ ندرت ہے رباعی اس کی
اک نقشِ محبّت ہے رباعی اس کی

◆-◆-◆

نظموں میں وطن ہی کی فضا ملتی ہے
دیہات کی مستانہ ہوا ملتی ہے

◆-◆-◆

اقبال ماؔہر : خیالات کی انجمن تھے فراؔق — علامات کا بانکپن تھے فراؔق
نسیمِ معانی شمیمِ غزل — خیابانِ گنگ وجمن تھے فراؔق
صنم خانۂ فکر و ادراک میں — نئے آذر فکر وفن تھے فراؔق
ثنا خوانِ تہذیبِ ہندوستان — وفادار ارضِ وطن تھے فراؔق

◆-◆-◆

ظفؔر مرزاپوری : شعر و ادب کی شان تھا اُردو کی جان تھا
رگھوپتی سہائے نام کا انساں مہان تھا
سب قدرداں ہیں اس کے ہو یورپ کہ ایشیا
شیدا نہ اس کا صرف یہ ہندوستان تھا

◆-◆-◆

احمؔد میرٹھی : پاسباں اُردو ادب کے اے شہنشاہِ سخن
ناز کرتے ہیں تری فکر رسا پر اہلِ فن

فکر کی گہرائی سے تخیل کی پرواز سے
شعر میں مضمون جو باندھے نئے انداز سے
تو نے جو بھی نقش چھوڑا وہ ہے تابندہ ترا
نام دنیا میں رہے گا تاابد زندہ ترا

◆-◆-◆

جعفر عسکری : گلزارِ معانی کا گلِ تر تھا فراق
افکار کے کوزے میں سمندر تھا فراق
دنیائے تمدن تھی درخشاں جس سے
تہذیب کے ماتھے پہ وہ جھومر تھا فراق

◆-◆-◆

یونس رحمانی : غزلوں میں تھرکتی ہوئی بے باک جوانی
نظموں میں غریبوں کی کشاکش کی کہانی
ہے صنفِ رباعی کی رواں بحر معانی
تنقید میں چھوڑی ہے ڈگر اس نے پرانی
ہر گام پہ کرتا رہا وہ جس کی وکالت
رگ رگ میں رواں تھی اُسی اُردو کی محبّت

◆-◆-◆

جگن ناتھ آزاد : اے فراق اے شاعرِ اعظم سخن کی آبرو
اے کہ تیرا شعر ہے گنگ و جمن کی آبرو
اے ادیبِ نکتہ سنج اے شاعرِ رفعت مقام
میر و غالب کی طرح سے فیض تیرا بھی ہے عام

نسلِ نو ہندوستاں کی ہے کہ پاکستان کا
آج ہیں ممنون یہ دونوں ترے احسان کے

◆-◆-◆

کیفؔ جھانسوی : اس میں کوئی شک نہیں اے راہی ملکِ عدم
تیرا فن ہے اک حصولِ جذبۂ بے اختیار
وہ غزل ہو یا رباعی یا قصیدہ یا سلام
تیری ہر تخلیق ہے اپنی جگہ اک شاہکار

◆-◆-◆

مبصرؔ عباسی امروہوی : تیرا ذوقِ فکر ہے اک زبدۂ حسن و جمال
مظہر فکر و عمل شیریں سخن شیریں مقال
خوش مزاج و خوش ادا خوش نگاہ وہ خوش خیال
نیک سیرت نیک طینت نیک صورت نیک فال
ہے صریر خامہ تیری اک نوائے سوز و ساز
منکشف تھے تجھ پہ الفت کے سبھی راز و نیاز

◆-◆-◆

اشرفؔ مالوی : اِدھر فراقؔ ہیں بزمِ غزل کے روح رواں
اُدھر ہیں جوشؔ شہنشاہِ نظم شعلہ بیاں
اِدھر لطافتِ تخیل کا جواب نہیں
اُدھر نزاکتِ تمثیل کا جواب نہیں
اِدھر جمالِ شب ماہتاب کا شاعر
اُدھر جلالِ شراب و شباب کا شاعر

◆-◆-◆

آزاؔد عمروی : دنیائے فکر و فن جو سجا دی فراؔق نے
علم و ادب کی شان بڑھا دی فراؔق نے
اہلِ سخن بھی مان گئے رنگِ نظر کو
لہجے کو وہ لطیف ادا دی فراؔق کو

◆-◆-◆

حضوؔر سہسوانی : ادب سے عشق اُنھیں شاعری سے الفت تھی
اگر ہے پھول زباں تو وہ اس کی خوشبو تھے
جلی حروف میں تاریخ ساز لکھیں گے
وہ پاسباں ہی نہیں آبرے اُردو تھے

◆-◆-◆

سید علی دانش : زبانِ مصحفؔی و میؔر کا تمنّائی
مزاجِ مومؔن و سوؔدا کا دل سے شیدائی
مئے وصال کے کیف و اثر کا متوالا
شبِ وصال میں دوشیزگی کا رکھوالا
دھواں دھواں ہے شبستان فکر کا منظر
تصّورات غزل پر ہے تیرگی کا اثر

◆-◆-◆

تنویر سیؔد : فراؔق جانِ رباعی فراؔق جانِ غزل
فراؔق وہ کہ نہیں جس کا آج کوئی بدل
فراؔق رات کا عاشق فراؔق دن کا اسیر
فراؔق زخم کا ملبہ فراؔق سوزِ کثیر

◆-◆-◆

خضرؔ برنی : علم و ادب کا ماہر و فنکار تھا فراقؔ
تاثیر تھی زبان میں شعروں میں طمطراق
اس کی رباعیوں میں کہانی تھی عشق کی
شامل تھی ہر غزل میں محبّت کی چاشنی

◆-◆-◆

حیاتؔ وارثی : دل نشیں شعلۂ آہنگ غزل کو بخشا
تیری کاوش نے حسیں ڈھنگ غزل کو بخشا
اک نیا روپ نیا رنگ غزل کو بخشا
شعر نے تیرے نئے دیپ جلائے کتنے
فکر نے تیری حسیں تاج بنائے کتنے

◆-◆-◆

چندر پرکاش جوہرؔ : کبھی غالبؔ تو کبھی میرؔ کے انداز میں شعر
ہے میسّر یہ کسے طرزِ سخن تیرے بعد
جان دینے کے لیے اپنی بنام اُردو
کون پہنچے گا سرِدار و رسن تیرے بعد

◆-◆-◆

اخلاق سہسوانی : فراقؔ فن شاعری میں رنگ و نور بھر گئے
ادب کے ہر مقام کو بہت بلند کر گئے
مرا عقیدہ تو یہی ہے رحلتِ فراقؔ پر
فراقؔ زندہ ہیں رگھوپتی سہائے مرگئے

◆-◆-◆

اسؔعد بدایونی : بصد خلوص بصد احترام بھیجتا ہوں

شرابِ اُردو کا بس ایک جام بھیجتا ہوں

علی گڑھ ایک چمن ہے ترے گلوفوں کا

میں اس دیار سے تجھ کو سلام بھیجتا ہوں

◆-◆-◆

عبدالرشید احساس : نازشِ کاروانِ عشق نکہتِ زلف دلبراں

مطرب محفل غزل میکشِ جامِ ارغواں

اشہب فکر تھا ترا فاتح سرحدِ خرد

شہر غزل کی آبرو دشتِ جنوں کا پاسباں

❑❑❑

فہرست رباعیات

روح کائنات

رباعی	پہلا مصرعہ	صفحہ نمبر
۱	غفلت کا حجاب کوہ وصحرا سے اُٹھا	169
۲	رہتی ہے جان لے کے پیاری دُنیا	169
۳	ہوں عشقِ سیاہ کار، مجھ میں ہیں نہاں	170
۴	اُٹھ اُٹھ کے جھکی نگاہِ جاناں کیسی	170
۵	ممکن ہوتو فرضِ عشق پورا کر لیں	170
٦	ہستی کو کسی طرح سے یہ راز ملے	170
۷	اے دوست بتا ترا تکلّم کیا ہے	171
۸	سوتے رہے میٹھی نیند سونے والے	171
۹	اک شوخ کی تصویر لیے آئے ہیں	171
۱۰	ہاں زخمِ جگر کو کچھ تو اچھا کر لیں	171
۱۱	کچھ بے خودی ہجر میں بھولا ہوا درد	172
۱۲	کیا تھی یہی مصلحت شناسی تیری	172

۱۳	کچھ حال مرا مری زبانی سن لو	172
۱۴	اے دل تجھے حسن رُوئے تاباں کی قسم	172
۱۵	اک درد کی دُنیا ہے اِدھر دیکھ تو لے	173
۱۶	سوئی ہوئی تقدیر کو بیدار کریں	173
۱۷	اتنی جو بڑی نہیں تو چھوٹی بھی نہیں	173
۱۸	اللہ رے ستم کہ دل دکھاتے بھی نہیں	173
۱۹	گھر سے نکلے ہوؤں کی منزل نہ سہی	174
۲۰	اے دل تری ادائے وحشت دیکھی	174
۲۱	سونا چاہیں اگر تو سوتے نہ بنے	174
۲۲	ہوتا ہے نثارِ ناز بے جا ہو جا	174
۲۳	ہر سمت خموشی کا سماں ہوتا ہے	175
۲۴	ہم ہیں کہ ہیں جھیلتے مصیبت بیٹھے	175
۲۵	سونے والوں کو کیا جگاتی دُنیا	175
۲۶	اے دوست بچھڑ کے تجھ سے جینے والے	175
۲۷	ہر ایک کو بے تاب بنا کے اُٹھے	176
۲۸	ناشاد ہیں جو شاد بھی ہو جائیں گے	176
۲۹	کچھ اور بھی بھولے کوئی، بھولا ہوا دل	176
۳۰	جو رنگ اُڑا وہ رنگ آخر لایا	176
۳۱	کیا کہتے تھے اس کا تو کسے ہوش رہا	177

۳۲	اُٹھے گی اُنھیں کی آنکھ تیرے آگے	177
۳۳	کچھ اہلِ ہوس کی بھی تمنّا دیکھی	177
۳۴	کرتے نہیں کچھ تو کام کرنا کیا آئے	177
۳۵	سو طرح کے سوانگ ہے رچاتی دُنیا	178
۳۶	دُنیا میں ترے سوا سہارا بھی نہیں	178
۳۷	ہاں دین کی وہ شان کہاں سے لاؤں	178
۳۸	سچ ہے ان کا کوئی سہارا بھی نہیں	178
۳۹	ناشاد کسے کہتے ہیں اور شاد کسے	179
۴۰	سچے دل سے دعائیں دیتا کوئی	179
۴۱	ہاں! پاک نگاہوں سے تجھے دیکھا تھا	179
۴۲	کتنوں کو مٹا چکی محبّت تیری	179
۴۳	ہاں! نام تو دھر چکی محبّت تیری	180
۴۴	کیا کہیے کئی حیاتِ فانی کیسی	180
۴۵	مجھ سے یہ عبث ہے بدگمانی تیری	180
۴۶	خود کو جو ترے غم ہیں مٹا جائیں گے	180
۴۷	بچھڑے ہم دوست سے مقدر پھوٹے	181
۴۸	کھوتے ہیں اگر جان تو کھو لینے دے	181
۴۹	بے تاب ہیں تیرا نام لیتے بھی نہیں	181
۵۰	اعجاز یہ تقدیر نے تم کو ہی دیا	181

۵۱	رات اتنی گزر چکی یہ سوتے بھی نہیں	182
۵۲	دن ڈوب گیا رات کی اندھیاری ہے	182
۵۳	دُنیا تبدیلیوں کا نقشا ہوگی	182
۵۴	ہر ایک نظریہ کام کرتی بھی نہیں	182
۵۵	پروانے کو ہے چراغِ محفل کی تلاش	183
۵۶	رکھا ہے کسی کی آس رہنے ہی میں کیا	183
۵۷	ہاں کم نہیں تیرے پاس رہ لینا بھی	183
۵۸	اے دل تو کسی کو یاد آتا بھی نہیں	183
۵۹	کوئی جو سنور جائے، سنور جانے دے	184
۶۰	اے دُکھتے ہوئے دل کے دکھانے والے	184
۶۱	تنہا کب بعدِ مرگ، بستر سے اُٹھا	184
۶۲	بڑھتے چلے ہاتھ جیب وداماں کی طرف	184
۶۳	ذرّوں کی نظر ہے ماہِ تاباں کی طرف	185
۶۴	پینا تو نہیں ہے خیر پینے کا ہے نام	185
۶۵	جینا تو نہیں ہے خیر جینے کا ہے نام	185
۶۶	دل تھا کہ کوئی شمع شبستانِ حیات	185
۶۷	غافل دُنیا کو تو نے فانی سمجھا	186
۶۸	خلقت کو سنوار دے، عبادت کیا ہے	186

مادرِ ہند سے (خطاب)

۶۹	اے مادرِ ہند صبح تیری تری شام	187
۷۰	دریا آئینۂ جہانِ گذراں	187
۷۱	حور و غلماں حسنِ ہندی کی صفت	188
۷۲	انساں کو انسان بنایا تو نے	188
۷۳	شانِ رمِ زندگی اداؤں میں تری	188
۷۴	بادل کا دھواں سرفرازِ کہسار	188
۷۵	وہ اندر دھنش، وہ سات رنگوں کی پھوار	189
۷۶	رُخساروں میں تیری ہی دمک دیکھتے ہیں	189
۷۷	دن رات کھنک رہے ہیں لاکھوں ہی تار	189
۷۸	تیری ہر سانس میں، جناں کی بو باس	189
۷۹	ہر فرقہ و ہر ملّت و ہر مذہب و دیں	190
۸۰	پھیری ترے در کی جو لگا جاتے تھے	190
۸۱	کیا کیا ہمیں دے گئے ہمارے اجداد	190
۸۲	پیغام ترا بات اٹل ہے اے ہند	190
۸۳	لے اے ماتا نظامِ شمسی کا سلام	191
۸۴	وہ سیاروں کے آنے جانے کی صدا	191
۸۵	دل سانچوں میں انوار کے ڈھل جاتے تھے	191

۸۶	تو ہی نے کھلائے ہیں حقایق کے وہ پھول	191
۸۷	یہ تیرا سکوت ہے کہ بنتے ہوئے بول	192
۸۸	انسان کی تقدیر بنا دیتی ہے	192
۸۹	دیکھا نہیں آنکھوں نے ترا کومل گات	192
۹۰	ہر غنچہ و گل، جام و سبو ہے تیرا	192
۹۱	ہے تیرے گداز دل میں ایسی شفقت	193
۹۲	کنیائیں، ازل کی ہے صباحت جن میں	193
۹۳	شعلے سے جبینوں سے لپک جاتے ہیں	193
۹۴	اک نغمہ ہوا اب بھی سنا جاتی ہے	193
۹۵	وہ تیرے رزمیوں کی دُنیائے عظیم	194
۹۶	ہے تیری قدامت میں بھی برنائی سی	194
۹۷	ہر فنِ لطیف کی وہ نوعیت ہے	194
۹۸	بیداریٔ چشمِ غیب کی ہے جو مثال	194
۹۹	ہر نقشِ اجنتا کا وہ چلتا جادو	195
۱۰۰	پہنچے ہیں کہاں کہاں یہ تیرے فن کار	195
۱۰۱	فطرت کی خلوتوں میں ڈالے ڈیرے	195
۱۰۲	ماتا ترے فرزند بھرت کا کردار	195
۱۰۳	تہذیب کی پہلی صبح کی پاک دُعائیں	196
۱۰۴	وہ تیرے مفکروں کا قلبِ ہشیار	196

۱۰۵	بے فائدہ ہے عارضی حالات کی ڈینگ	196
۱۰۶	شاعر ترے جس وقت صدا دیتے ہیں	196
۱۰۷	ان راگوں کا راز کوئی پوچھے ہم سے	197
۱۰۸	یہ دورِ خزاں جلد گذر جائے گا	197
۱۰۹	آغوشِ ملائم میں سلایا ہم کو	197
۱۱۰	یہ رات مصیبت کی ہے کٹنے والی	197
۱۱۱	دل میں ترے ہیں آج کیا کیا سنکوچ	198
۱۱۲	ہر ساز سے ہوتی نہیں یہ دھن پیدا	198
۱۱۳	ہر غم ترے رنج والم ہے ہم کو	198
۱۱۴	قومیتیں بیسوں ہی مگر ایک مزاج	198
۱۱۵	وہ دیکھ نئی صبح کی پو پھوٹتی ہے	199
۱۱۶	پتھر جو راہ میں ہیں، ہٹ جائیں گے	199
۱۱۷	ہم سب ترا دُکھ درد مٹا سکتے ہیں	199
۱۱۸	یہ ہے تری چاندنی کی امرت کی بہار	199
۱۱۹	دُنیا ہے قائل نگاہِ جزرس	200
۱۲۰	گردن میں پڑ چکی ہیں باہیں تیری	200
۱۲۱	ہر سو یہ سنسناہٹیں کس کی ہیں	200
۱۲۲	ہم کو رُوداد خوش گمانی نہ سنائیں	200
۱۲۳	ہر جانب وہ سنہری موجیں سی اُٹھیں	201

۱۲۴	جاگ اُٹھتے ہیں ہم لوگ کہ سو جاتے ہیں	201
۱۲۵	ہر گام اب انقلاب ساماں ہے ترا	201
۱۲۶	اک مسکان شرافت ہیں کھلے تن میں بھی	201
۱۲۷	فطرت نے دیا ہے تجھ کو وہ درسِ یقیں	202
۱۲۸	رازِ نقشِ ونگارِ فطرت سمجھیں	202
۱۲۹	اے کاش کہ راز ہائے فطرت سمجھیں	202
۱۳۰	تو وحدتِ انساں کی نقیبِ بے باک	202
۱۳۱	رشیوں نے ترے زیست کی تقسیم نہ کی	203
۱۳۲	یہ سازِ سلامتی سنایا تو نے	203
۱۳۳	کونین کی یہ مرگ نما بے خبری	203
۱۳۴	یہ حسنِ انتخاب تھا فطرت کا	203
۱۳۵	دُنیا کی نئی قومو! یوں ہی باتیں بناؤ	204
۱۳۶	کنیا کا رُوپ پھر جوانی کا نکھار	204
۱۳۷	آکاش کے مندر میں ترا درشن ہے	204
۱۳۸	گہرا ہر قوم سے ترا ناتا ہے	204
۱۳۹	ماضیِ بعید میں وہ تیری تادیب	205
۱۴۰	افلاک حضوری میں تری سر بسجود	205
۱۴۱	موسیقی عنصری کی وہ تال اور سم	205
۱۴۲	کلیاں گلزارِ راز کی کھلتی ہیں	205

۱۴۳	کیا شمعیں سرِ حریم جاں جلتی ہیں	206
۱۴۴	اک چشمۂ نور پھوٹتا ہو جیسے	206
۱۴۵	پھیلے گا ترا فیض ابھی عالم عالم	206
۱۴۶	قوموں کے تضاد کو مٹانا ہے تجھے	206
۱۴۷	دُنیا کو جنگ سے بچانا ہے تجھے	207
۱۴۸	اس دورِ نفاق کو مٹانا ہے تجھے	207
۱۴۹	تیرے لیے کاش جیتے مرتے ماتا	207
۱۵۰	اک بقعۂ نور بن گیا ہے تن من	207
۱۵۱	ہر مسئلہ حیات کو سمجھا ہے	208
۱۵۲	تانیں ہر ساز کی یہیں ٹوٹی ہیں	208
۱۵۳	ہے تیری نظر کاشف اسرارِ یقیں	208
۱۵۴	ہم لوگ زِ ہر دیر و حرم گذرے ہیں	208
۱۵۵	ہر دورِ زمانہ ترا شیدائی ہے	209
۱۵۶	سینے میں ترے انجمنِ سوز و گداز	209
۱۵۷	اک چادرِ زر، شرق میں جب تنتی ہے	209
۱۵۸	تو ہی نے سنوار دی ہے زُلفِ ایام	209
۱۵۹	پیشانی ہے آئینہ اسرارِ دوام	210
۱۶۰	ماتھے پہ ضوفگن طلوعِ تہذیب	210
۱۶۱	شبنم کی کھنک لیے ادائیں تیری	210

۱۶۲	شمشیر و کتاب اور طاؤس و رباب	210
۱۶۳	ظاہر میں غیب کو سمونا سیکھا	211
۱۶۴	تہذیبوں کو بقا کے اسرار بتا	211
۱۶۵	کھاتی ہے تری منزل مقصود قسم	211
۱۶۶	تیرے نغمات، زندگی کی سرگم	211

فکریات

۱۶۷	اے سب سے پرانی قوم دُنیا کی سلام	212
۱۶۸	بولا شعلہ چمن کا، بے باک ہیں ہم	212
۱۶۹	دُنیا ہے فسانہ بہ حدیثِ دگراں	213
۱۷۰	کچھ رندوں کو سن گن سی ملی ہے ساقی	213
۱۷۱	ہیں کیا نئے انساں کے جنم کے آہنگ	213
۱۷۲	پیچھے بیتے جُگوں اُڑتے ہیں غُبار	213
۱۷۳	انساں خود اپنی منزل، اپنا رہبر	214
۱۷۴	سب لوگ کریں گے نذر تجھ کو کیا کیا	214
۱۷۵	کن کن دھوکوں میں مبتلا ہے انساں	214
۱۷۶	پل مارتے اس جہاں کا نقشہ بدلا	214
۱۷۷	کل رات پری تھی ایک رقصاں سرِ جام	215
۱۷۸	ظلمت کی تہہ میں موج آبِ زرکی	215

۱۷۹	پلکیں سی فضائے شام نے جھپکائیں	215
۱۸۰	وہ حُسن خرام ہے کہ کوثر پیاسے	215
۱۸۱	رنگیں نگاروں کا تماشہ کرلے	216
۱۸۲	گویا جنّت نے جام چھلکایا ہے	216
۱۸۳	لفظوں کی دکاں کو اب بڑھانا ہوگا	216
۱۸۴	دن رات شجر حجر کی نبضیں ہیں تپاں	216
۱۸۵	ہر عیب سے مانا کہ جدا ہو جائے	217
۱۸۶	کچھ نظریے ہیں ہر تمدن کی بنا	217
۱۸۷	تاریکی کا رہے زمانہ میں نہ داغ	217
۱۸۸	کل لندن و نیویارک میں گونجی یہ صدا	217
۱۸۹	لہرایا پسِ اُفق نشانِ فردا	218
۱۹۰	دن ڈوب گیا تو بات کچھ اور بھی ہے	218
۱۹۱	ہر جسم کو ہم کرتے گئے جان نما	218
۱۹۲	کہہ دو بامِ فلک سے ہو اور بلند	218
۱۹۳	انسان کو محض کھاتے پیتے گزرے	219
۱۹۴	وجدانِ جمال ایک جوہر ہے لطیف	219
۱۹۵	وہ پھوٹ مذاہبِ جہاں نے ڈالی	219
۱۹۶	اس نظم کے بچنے کا نہیں کوئی اُپائے	219
۱۹۷	ان نغموں میں تاثیرِ شفا ہے جو بہم	220

۱۹۸	شاخوں پہ کنول گل کے جلا دیتی ہیں	220
۱۹۹	کھوئی ہوئی ہستی کا بہم ہو جانا	220
۲۰۰	صحرا میں زماں مکاں کے کھو جاتی ہیں	220
۲۰۱	کھلتا نہیں یہ بھید ہے کیا، بات ہے کیا	221
۲۰۲	اک دن شاعر حریمِ قدرت میں گیا	221
۲۰۳	قبل اس کے کہ ہو فیصلۂ خیر و شر	221
۲۰۴	گو بزمِ سخن میں آپ لائے تشریف	221
۲۰۵	الفاظ کے پردوں میں کر واس کا یقیں	222
۲۰۶	عورت روح و روانِ تہذیبِ بشر	222
۲۰۷	اک راز سے کر رہا ہوں تجھ کو آگاہ	222
۲۰۸	پاتے جانا ہے اور نہ کھوتے جانا	222
۲۰۹	واعظ تری جنّت ہے فقط وہم و گماں	223
۲۱۰	اے شیخ مآل زہد و تقویٰ معلوم	223
۲۱۱	اک حلقۂ نور تھا ابد کا منظر	223
۲۱۲	تو بزمِ سخن میں نغمہ خواں ہوتا ہے	223
۲۱۳	شاعر کے تصورات ہیں کتنے حسیں	224
۲۱۴	ہنگامۂ روزگار دم لیتے ہیں	224
۲۱۵	بے وجہ نہیں ہے مری افسردہ دمی	224
۲۱۶	غیرت کو سست اساس کر دیتا ہے	224

۲۱۷	تنہائی میں ہم کسے بلائیں اے دوست	225
۲۱۸	کل رات گئے فکرِ سخن کے ہنگام	225
۲۱۹	ہر چیز یہاں اپنی حدیں توڑتی ہے	225
۲۲۰	آئے دمِ صبح، رسمساؤ اے دوست	225
۲۲۱	جاگ اُٹھے گی روح تم تو سو جاؤ گے	226
۲۲۲	یہ بزمِ خیال! چوڑیاں بجتی ہیں	226
۲۲۳	من موہ لے سو رنگ سے رہتی دُنیا	226
۲۲۴	اک حلقۂ زنجیر تو زنجیر نہیں	226
۲۲۵	میں ایک بیوگنی برہ سے بے کل	227
۲۲۶	ہر شے پر تیرگی کی وہ چھاؤں گھنی	227
۲۲۷	اے معنئ کائنات مجھ میں آجا	227
۲۲۸	معصوم خلوص باطنی کچھ بھی نہیں	227

رُوپ

۲۲۹	ہر جلوے سے اک درس نمو لیتا ہوں	228
۲۳۰	ابرو ہلتے ہیں یا لچکتی ہے کٹار	228
۲۳۱	انسان کے پیکر میں اُتر آیا ہے ماہ	229
۲۳۲	قامت ہے کہ انگڑائیاں لیتی سرگم	229
۲۳۳	نکھرا ہوا رنگ، کیا سہانا ہے سمے	229

۲۳۴	نظروں کی شعاؤں میں سواتی کی پھوار	229
۲۳۵	آئینہ نیلگوں سے پھوٹی ہے کرن	230
۲۳۶	ہے رُوپ میں وہ کھٹک، وہ رس، وہ جھنکار	230
۲۳۷	خاموش نگاہ کے تکلّم کی قسم	230
۲۳۸	خاموش فضا صاف چمک جاتی ہے	230
۲۳۹	رگ رگ کی لچک میں پینگ لیتی ہے بہار	231
۲۴۰	یہ نقرئی آواز یہ مترنم خواب	231
۲۴۱	آواز پہ سنگیت کا ہوتا ہے بھرم	231
۲۴۲	مہتاب میں سرخ انار جیسے چھوٹے	231
۲۴۳	بر روئے سحر حیا کی لہریں ہیں کہ رنگ	232
۲۴۴	رنگت ہے کہ گھنگھروؤں کی مدھم جھنکار	232
۲۴۵	یہ پچھلی رات! رسمسائی سی فضا	232
۲۴۶	یہ رُوپ کے گرد سات رنگوں کی پھوار	232
۲۴۷	وہ بادِ سحر کا رس میں ڈوبا ہوا راگ	233
۲۴۸	یہ چہرہ کھِلا ہوا یہ مہکے ہوئے ہونٹ	233
۲۴۹	چہرہ دیکھے تو رات غم کی کٹ جائے	233
۲۵۰	وہ پینگ ہے رُوپ میں کہ بجلی لہرائے	233
۲۵۱	نغمے کی الاپ ہے کہ قامت کا تناؤ	234
۲۵۲	زُلفوں سے فضاؤں میں اُداہٹ کا سماں	234

۲۵۳	بَر میں فردوس کے گلستاں کی جھلک	234
۲۵۴	گہوارۂ صد بہار، ہر موجِ نفس	234
۲۵۵	قطرے عرقِ جسم کے موتی کی لڑی	235
۲۵۶	سر تا بقدم رُخِ نگاریں ہے کہ تن	235
۲۵۷	یہ شعلۂ حسن جیسے بجتا ہو ستار	235
۲۵۸	ہونٹوں پہ یہ گنگناتی نے ہے کہ سکوت	235
۲۵۹	ٹھہری ٹھہری نظر میں وحشت کی کرن	236
۲۶۰	یہ رنگ، یہ لو، یہ بھیگا بھیگا ہوا نور	236
۲۶۱	اُمڈی بدمست کالی زُلفوں کی گھٹا	236
۲۶۲	سینے میں لہک رہا ہے پھولا گلزار	236
۲۶۳	اس طرح دمک رہا ہے رُوئے تاباں	237
۲۶۴	اُٹھنے میں ہمالیہ کی گھٹاؤں کا اُبھار	237
۲۶۵	شبنم سے یہ شعلوں کی جبیں دُھلتی ہے	237
۲۶۶	تاروں کی سہانی چھاؤں، گنگا اشنان	237
۲۶۷	ہے تارِ نظر کہ کپکپاتی ہوئی صبح	238
۲۶۸	ہے چشم سیہ کہ تھرتھراتی ہوئی رات	238
۲۶۹	زُلف پیچاں میں تھرتھراتی ہوئی شام	238
۲۷۰	رنگیں سحر اپنی لہلہاہٹ بھولے	238
۲۷۱	ہے بسمل نازِ عشق نظارہ پرست	239

۲۷۲	یہ شانِ طلوعِ صبح، یہ حسنِ چمن	239
۲۷۳	ساغر کفِ دست میں، صراحی بہ بغل	239
۲۷۴	یہ موجِ مئے ناب بہکی بہکی سی یہ چال	239
۲۷۵	عیسیٰ کے نفس میں بھی یہ اعجاز نہیں	240
۲۷۶	وہ مست نظر کہ موجِ صہبا تھرائے	240
۲۷۷	یہ چال، یہ مستی، یہ قدح سامانی	240
۲۷۸	ہر عضو میں پرتو لے لہکتا گلزار	240
۲۷۹	کومل، پدگامنی کی آہٹ تو سنو	241
۲۸۰	ہے شام کا آسماں کہ زُلفوں کا دھواں	241
۲۸۱	ہنگامِ خرام وہ غزالِ بدمست	241
۲۸۲	تلوے سے بھری ہوئی گلابی چھلکی	241
۲۸۳	رنگِ رخ میں مہر سیال کی ضو	242
۲۸۴	چھلکے ہوئے سینکڑوں پیالے ہیں کہ چال	242
۲۸۵	پائل کی صدا ہے یا چھلکتے ہیں ایاغ	242
۲۸۶	فیضان گناہِ عشق سب کو پہنچا	242
۲۸۷	مکھڑے کی ضو سے دشتِ ایمن پرنور	243
۲۸۸	تابندہ رُخِ نگار شعلے کی لپک	243
۲۸۹	سرتاسر بے پناہ مستی طاری	243
۲۹۰	لرزش میں بدن کی، باغِ جنّت کی لہک	243

۲۹۱	پگھلے ہوئے آفتاب سینے میں ہیں بند	244
۲۹۲	ماتھے کی یہ کہکشاں یہ جوبن کی لور	244
۲۹۳	اُٹھی موجِ تبسم آبِ زر سے	244
۲۹۴	ہے عکسِ جبیں یا ہے کمر کی زنجیر	244
۲۹۵	ہونٹوں میں وہ رَس کہ جس پہ بھونرا منڈلائے	245
۲۹۶	موتی کی کان، رس کا ساگر ہے بدن	245
۲۹۷	رشکِ دل کیکئی کا فتنہ ہے بدن	245
۲۹۸	تیرے قدموں میں چاند سر کے بل جائے	245
۲۹۹	الکوں کی لٹک میں سانپ کنڈلی مارے	246
۳۰۰	جیسے اُودی گھٹا میں گلشن لہکے	246
۳۰۱	نبھ منڈل گونجتا ہے، تیرے جس سے	246
۳۰۲	گیسو بکھرے ہوئے گھٹائیں بے خود	246
۳۰۳	آنکھوں میں وہ رس جو پتّی پتّی دھو جائے	247
۳۰۴	یوں عشق کی آنچ کھا کے رنگ اور کُھلے	247
۳۰۵	وہ رُوپ کی موہنی، وہ چہرے کا نکھار	247
۳۰۶	نیرنگیٔ جس دیکھ از پا تا فرق	247
۳۰۸	وہ نکھرے بدن کا مسکرانا ہے ہے	248
۳۰۸	زُلفوں سے فضاؤں کی اداہٹ ہے ہے	248
۳۰۹	پہلو کی کہکشاں تنبھوں کا اُبھار	248

۳۱۰	کھینچا ہے عبث بغل میں بانہوں کو تولے	248
۳۱۱	چڑھتی ہوئی ندی ہے کہ لہراتی ہے	249
۳۱۲	بَر کی قوسِ قزح، الک کے بادل	249
۳۱۳	یہ نرم نگاہ، یہ رسیلی باتیں	249
۳۱۴	جمنا کی تہوں میں دیپ مالا ہے کہ زُلف	249
۳۱۵	راتیں برکھا کی تھرتھراتی ہیں کہ زُلف	250
۳۱۶	گنگا اشنان کا یہ ریلا ہے کہ زُلف	250
۳۱۷	بادل کوئی آہستہ گرجتا ہے کہ زُلف	250
۳۱۸	لہرائی دھواں دھار گھٹائیں ہیں کہ زُلف	250
۳۱۹	سنبل کے تروتازہ چمن ہیں زُلفیں	251
۳۲۰	کاٹے کٹتی نہیں یہ ظلمات کی رات	251
۳۲۱	چڑھتی جمنا کا تیز ریلا ہے کہ زُلف	251
۳۲۲	برسات کی راتیں آنکھیں ملتی ہیں کہ زُلف	251
۳۲۳	بھیگی زُلفوں کے جگمگاتے قطرے	252
۳۲۴	ہر سمت دھواں دھواں سی عنبر کی مہک	252
۳۲۵	نکھری ہوئی رات جگمگاتی ہوئی زُلف	252
۳۲۶	مہکی ہوئی شام، رسمساتی ہوئی زُلف	252
۳۲۷	مجنوں کی وحشتیں بڑھاتی ہوئی زُلف	253
۳۲۸	یہ شام کی نکہتوں کا اُٹھتا ہے دھواں	253

۳۲۹	سرشار فضاؤں میں اداہٹ کم کم	253
۳۳۰	زُلفیں سارنگیوں کے بجتے ہوئے تار	253
۳۳۱	ٹھہری ٹھہری سی رہتی دُنیا کی حیات	254
۳۳۲	اس مشکستاں میں سانس لیتی ہے رات	254
۳۳۳	رگ رگ میں تھرتھرائے رُوحِ نغمات	254
۳۳۴	بھولی ہوئی زندگی کی دُنیا ہے کہ آنکھ	254
۳۳۵	تاروں کو بھی لوریاں سناتی ہوئی آنکھ	255
۳۳۶	چنچل آنکھوں میں گنگناتی ہوئی شام	255
۳۳۷	چلمن میں مژہ کی گنگناتی آنکھیں	255
۳۳۸	چھلکاتی ہیں پریم کی گلابی آنکھیں	255
۳۳۹	راتوں کی جوانیاں نشیلی آنکھیں	256
۳۴۰	آہوئے سیاہ، شوخ کچھ پلکیں اُٹھائے	256
۳۴۱	تاروں بھری رات! بزمِ فطرت ہے سجی	256
۳۴۲	جیسے جھومے ہوا میں وجدانِ گناہ	256
۳۴۳	کہسار پہ گھنگھور گھٹا چھانے لگے	257
۳۴۴	پیدا ہے نگاہ سے تبسم کا سماں	257
۳۴۵	خوشبو سے مشام آنکھوں کے بس جاتے ہیں	257
۳۴۶	دوشیزہ سحر، رسیلی آنکھوں کی چمک	257
۳۴۷	جوبن رس پتلیوں کے اندر ڈولے	258

۳۴۸	یہ رنگِ نشاط، لہلہاتا ہوا گات	258
۳۴۹	یہ نازک جسم، رنگ و بو سے بوجھل	258
۳۵۰	ہے لوچ بلور میں کہ پیکر کا رچاؤ	258
۳۵۱	پنڈلی میں لہکتا ہوا جیسے کوندا	259
۳۵۲	ہے قوسِ قزح کہ تھرتھراتے بازو	259
۳۵۳	وہ چہرہ کہ برقِ طور آنکھیں جھپکائے	259
۳۵۴	گنگا وہ بدن کی جس میں سورج بھی نہائے	259
۳۵۵	انگڑائی سے نیند آفتابوں کو بھی آئے	260
۳۵۶	سورج کو بھی روپ کا جھمکڑا جھپکائے	260
۳۵۷	رنگین فضا سنگار درپن کی مثال	260
۳۵۸	امرت سے دُھلی جبین، ابرو کے ہلال	260
۳۵۹	گنگا میں چوڑیوں کے بجنے کا یہ رنگ	261
۳۶۰	گنگا اشنان، یہ چمکتے بجرے	261
۳۶۱	مکھڑا دیکھیں تو ماہ پارے چھپ جائیں	261
۳۶۲	سنگیت کی پنکھڑی کو شبنم دھو جائے	261
۳۶۳	حسنِ خوابیدہ میں بھی ایسی سج دھج	262
۳۶۴	کچھ نیندسی کل رات تجھے آتی ہوئی	262
۳۶۵	کچھ ہجر و صال کا معمہ نہ کھلا	262
۳۶۶	سوتے جادو جگانے والے دن ہیں	262

263	پروائی جس گھڑی ہو سنکی سنکی	۳۶۷
263	آجاتا ہے گات میں سلونا پن اور	۳۶۸
263	ہے وجد میں رہ گزر یہ گاتی ہوئی چال	۳۶۹
263	حمال میں زیرِ آب جسم جاناں	۳۷۰
264	یہ رات! فلک پہ تھرتھراتا سا غبار	۳۷۱
264	آئینۂ درآئینۂ ہے شفاف بدن	۳۷۲
264	پیکر ہے کہ چلتی ہوئی پچکاری ہے	۳۷۳
264	امرت میں دُھلی ہوئی فضائے سحری	۳۷۴
265	آواز میں وہ لوچ کہ بلبل چہکے	۳۷۵
265	جوڑے میں سیاہ رات کنڈلی مارے	۳۷۶
265	جوبن رس پگھلے چاند سورج چھلکائے	۳۷۷
265	چھل بل سے بھری نار، دئی کی ماری	۳۷۸
266	سرشار جمال سے شبستاں نکھر آئے	۳۷۹
266	وہ چہرہ قمر میں سرخ لہریں جو اُٹھائے	۳۸۰
266	وہ اک گہرا سکوت کل رات گئے	۳۸۱
266	جب پریم گھاٹیوں میں ساغر اُچھلے	۳۸۲
267	جب کھول رہی ہوں پہلی کرنیں پلکیں	۳۸۳
267	جب تاروں نے جگمگاتے نیزے تولے	۳۸۴
267	جب چاند نے امرت کی گگر چھلکائی	۳۸۵

۳۸۶	جب تاروں کے کارواں ہوں ٹھہرے ٹھہرے	267
۳۸۷	جب تاروں بھری رات نے لی انگڑائی	268
۳۸۸	جب آجاتا ہے دھیان ترا اے دوست	268
۳۸۹	جب زُلف شبِ تار ذرا لہرائی	268
۳۹۰	جب جلوہ نما چاند لبِ بام ہوا	268
۳۹۱	جب رات ہو جگمگاتی چادر اوڑھے	269
۳۹۲	جب زُہرہ لیے ہوئے ہو ہاتھوں میں ستار	269
۳۹۳	جب پچھلے پہر پریم کی دُنیا سولی	269
۳۹۴	جب سورج جگمگاتے ساغر چھلکائے	269
۳۹۵	جب تاروں کا کارواں نگاہوں سے چھپا	270
۳۹۶	جب کرنیں ہمالیہ کی چوٹی گوندھیں	270
۳۹۷	جب چاند کی وادیوں سے نغمے برسیں	270
۳۹۸	جیسے شب تار میں ستارے ٹوٹیں	270
۳۹۹	جس طرح ندی میں ایک تارا لہرائے	271
۴۰۰	آجا کہ کھڑی ہے شام پردا گھیرے	271
۴۰۱	دامن قوسِ قزح، گھٹائیں زُلفیں	271
۴۰۲	جیسے ہو کوئی چراغ دھادے پہ رواں	271
۴۰۳	جس طرح رگوں میں خونِ صالح ہو رواں	272
۴۰۴	کھلتا ہی نہیں، حسن ہے پنہاں کہ عیاں	272

۴۰۵	یہ خنکی، یہ رت جگا، یہ بھاری پلکیں	272
۴۰۶	ماں اور بہن بھی اور چہیتی بیٹی	272
۴۰۷	منڈلاتا ہے پلک کے نیچے بھونرا	273
۴۰۸	ثانی نہیں تیرا، نہ کوئی تیری مثال	273
۴۰۹	پھولوں کی سہاگ سیج یہ جوبن رس	273
۴۱۰	ہے تیر نگاہ کا کہ پھولوں کی چھڑی	273
۴۱۱	شبنم میں نہائی صبح نکھری نکھری	274
۴۱۲	بن باسیوں میں جلوۂ گلشن لے کر	274
۴۱۳	آواز کی نغمگی پپیہے کو دی	274
۴۱۴	کومل مُسکیاں جھلملاتے تارے	274
۴۱۵	اے رُوپ کی لکشمی یہ جلووں کا راگ	275
۴۱۶	جوبن رس سے رُوپ کی کھیتی ہے ہری	275
۴۱۷	مہکے ہوئے بن سے زُلف کھاتی ہوئی میل	275
۴۱۸	دن ڈوب چکا ہے، یہ اداہٹ، یہ بدن	275
۴۱۹	خوشبو دیتی ہے رات رانی تیری	276
۴۲۰	کس بادہ سے چور ہے جوانی تیری	276
۴۲۱	دوشیزہ کرن کلی کو جیسے اُکسائے	276
۴۲۲	یہ نرم ہوائیں، لہلہاتا ہوا باغ	276
۴۲۳	جھرمٹ میں گلوں کے جیسے جگنو چمکے	277

۴۲۴	جیسے ہیرے کی آنچ کا دل دھڑکے	277
۴۲۵	لو جیسے سکوت کی ہو مدھم مدھم	277
۴۲۶	دوشیزہ شفق کا سینہ دھڑکا دھڑکا	277
۴۲۷	بل کھائی کرن نے جیسے پھینکی ہو کمند	278
۴۲۸	شعلوں میں برگِ گل ہو ڈھلتا جیسے	278
۴۲۹	کھلتے ہوئے گلزاروں کے رس اور سگند	278
۴۳۰	آنکھوں میں کنمنا رہی ہے بجلی	278
۴۳۱	ہر سانس میں گلزار سے کھل جاتے تھے	279
۴۳۲	وہ آنکھ کھلی، دن کی کرامات ہوئی	279
۴۳۳	جس طرح اساوری کے دل کی دھڑکن	279
۴۳۴	ان انکھڑیوں میں سرور ہلکا ہلکا	279
۴۳۵	ہونٹوں پہ لرز رہے ہیں پیغامِ حیات	280
۴۳۶	وہ چہرہ ستا ہوا وہ حسن بیمار	280
۴۳۷	وہ نبض کی موجِ دود، وہ سوز دروں	280
۴۳۸	افسردہ فضا پہ جیسے چھایا ہو ہراس	280
۴۳۹	دل کس لیے بے قرار سرتا سر ہے	281
۴۴۰	رہ رہ کے کوئی قدر جمال آنکتا ہے	281
۴۴۱	ہیں ایک شہود و غیب، ان دونوں کی	281
۴۴۲	کہتی ہیں یہی تیری نگاہیں اے دوست	281

۴۴۳	کیوں ہمت آسماں سے ہاریں اے دوست	282
۴۴۴	غافل کشش حسن سے بچنا بے سود	282
۴۴۵	پڑنے لگا ماند چندرماں کا آکار	282
۴۴۶	چتون میں ہے سادگی بھی پرکاری بھی	282
۴۴۷	کروڑ ارس کی سریلی کرتا ہے بدن	283
۴۴۸	کتنا بھرپور دن تھا تو تھا جب پاس	283
۴۴۹	زنجیرِ حیات بحروبر ہلتی ہے	283
۴۵۰	بن بن کے مٹے ہیں اور مٹ مٹ کے بنے	283
۴۵۱	یکسر وہ تبسم ہے، تمام آنسو ہے	284
۴۵۲	کشتی پر چاندنی میں سیرِ دریا	284
۴۵۳	یہ عالمِ رنگ و بو یہ قدِ رعنا	284
۴۵۴	وہ رُوپ کہ کامدیو جس کا ہوشکار	284
۴۵۵	رُخساروں پہ زُلفوں کی گھٹا چھائی ہوئی	285
۴۵۶	ہیں اُٹھتی جوانیاں کہ جیون کا اوج	285
۴۵۷	گیسو کے بناؤ میں لہکتے ہیں بھجنگ	285
۴۵۸	انگ انگ میں لے بجتے ہوئے سازوں کی	285
۴۵۹	ہونٹوں پہ پیام لطف آنے بھی نہ دے	286
۴۶۰	وہ ہونٹ ڈرے ڈرے نگاہوں سے دُعا	286
۴۶۱	یہ چیت کی چاندنی میں آنا تیرا	286

۴۶۲	رگ رگ میں تھرتھراتے رس کا یہ اُبال	286
۴۶۳	رنگیں جبیں صبحِ چمن کا عالم	287
۴۶۴	آنچل کے تلے دمکتے جوبن کی یہ لو	287
۴۶۵	پلکوں سے پڑ رہی ہے امرت کی پھوار	287
۴۶۶	منہ اُٹھائے ہرن کے بچّے کومل لوچن	287
۴۶۷	تو ہر لحظہ کچھ اور آتا ہے نظر	288
۴۶۸	بل کھائی ہوئی کرن ہے، نازک قامت	288
۴۶۹	رس میں ڈوبی تو اور نکھری شوخی	288
۴۷۰	رنگت تری کچھ اور نکل آتی ہے	288
۴۷۱	چھن چھن کے پڑے جہاں ستاروں کی کرن	289
۴۷۲	موتی کے ہار بن کے پھولوں میں رہی	289
۴۷۳	یہ پچھلی رات! رُوپ بے سُدھ ہے نپٹ	289
۴۷۴	آہٹ ہے نسیم کی حضوری کا پیام	289
۴۷۵	مشرق سے جوئے شیر بہنے لگی جب	290
۴۷۶	کیا رات گئے رنگ ہیں گلزاروں کے	290
۴۷۷	لہرائی ہوئی شفق میں اُوشا کا یہ رُوپ	290
۴۷۸	مہکا مہکا چمکتے بالوں کا بن	290
۴۷۹	یہ پوپھٹتی ہوئی، شفق کے شعلے	291
۴۸۰	تارے چھپتے چلے، جھلا جھل ہے فضا	291

۴۸۱	افلاک پہ جب پریم شبِ لہرایا	291
۴۸۲	یہ موجِ نسیم، یہ سہانا تڑکا	291
۴۸۳	جیسے کوئی چھلکائے ساغر بھر کے	292
۴۸۴	افلاک کو کچھ آئی ہوئی انگڑائی	292
۴۸۵	کچھ بڑھتا ہوا شفق کے دل کا دھڑکا	292
۴۸۶	یہ سناٹا، سماں کی یہ بوالعجبی	292
۴۸۷	جاڑوں میں منہ اندھیرے سنگم کا سماں	293
۴۸۸	وہ مطلع صبح رقص کرتی کرنیں	293
۴۸۹	یہ رُوپ کی موہنی، یہ ابرو کے ہلال	293
۴۹۰	دھیما دھیما سا نور جیسے تہہِ ساز	293
۴۹۱	پورے جوبن پہ جیسے مہکی ہوئی رات	294
۴۹۲	ڈھلکا آنچل، دمکتے سینے پہ الک	294
۴۹۳	آنگن میں لیے چاند کے ٹکڑے کو کھڑی	294
۴۹۴	نہلا کے چھلکے چھلکے نرمل جل سے	294
۴۹۵	دیوالی کی شام گھر پتے اور سجے	295
۴۹۶	گل ہیں رخِ گرم کے ہیں انگارے	295
۴۹۷	کس پیار سے دے رہی میٹھی لوری	295
۴۹۸	آنگن میں ٹھنک رہا ہے، ضد یایا ہے	295
۴۹۹	کس پیار سے ہوتی ہے خفا بچّے سے	296

۵۰۰	رکشا بندھی کی صبح، رس کی پتلی	296
۵۰۱	دوشیزہ فضا میں لہلہایا ہوا رُوپ	296
۵۰۲	منڈپ کے تلے کھڑی ہے رس کی پتلی	296
۵۰۳	آنکھوں میں سرشک جگمگاتا مکھڑا	297
۵۰۴	تکیوں کے آس پاس الکوں کی لٹک	297
۵۰۵	یہ راز و نیاز اور یہ سمے خلوت کا	297
۵۰۶	انگ انگ کی لوچ میں وہ شانِ تسخیر	297
۵۰۷	جب رات گئے سہاگ کرتی ہے نگاہ	298
۵۰۸	ہے بیاہتا پر رُوپ ابھی کنوارا ہے	298
۵۰۹	یہ ہلکے سلونے سانولے پن کا سماں	298
۵۱۰	مدھوبن کے بسنت سا سجیلا ہے وہ رُوپ	298
۵۱۱	تو ہاتھ کو جب ہاتھ میں لے لیتی ہے	299
۵۱۲	لچکا لچکا بدن مجسم ہے نسیم	299
۵۱۳	لچکیلا گات اور اوستھا ہے کشور	299
۵۱۴	چھڑکاؤ ہوئے چبوترے پر کچھ نم	299
۵۱۵	ہے مانند فلک پہ کہکشاں کا بھی نکھار	300
۵۱۶	چوکے کی سہانی آنچ، مکھڑا روشن	300
۵۱۷	کس درجہ سکوں نما ہیں ابرو کے ہلال	300

۵۱۸	پریمی کے ساتھ کھانے کا وہ عالم	300
۵۱۹	جب جھولا جھولنے میں ساون وہ گائے	301
۵۲۰	اُودی اُودی گگن پہ چھائی ہے گھٹا	301
۵۲۱	ہودی پہ کھڑی، کھلا رہی ہے چارا	301
۵۲۲	وہ گائے کو دوہنا، سہانی صُبحیں	301
۵۲۳	متھتی ہے جسے دہی کو رس کو پتلی	302
۵۲۴	آنکھیں ہیں کہ پیغام محبّت والے	302
۵۲۵	کروٹ سے سو رہی ہے کھولے گیسو	302
۵۲۶	حمام میں عریانی تن کا عالم	302
۵۲۷	نرمل جل سے نہا کے رس کی پتلی	303
۵۲۸	نکھری نکھری نئی جوانی دم صبح	303
۵۲۹	آنگن میں سہاگنی نہا کے بیٹھی	303
۵۳۰	معصوم جبیں اور بھوؤں کے خنجر	303
۵۳۱	امرت وہ ہلاہل کو بنا دیتی ہے	304
۵۳۲	پیاری تری چھب دل کو لبھا لیتی ہے	304
۵۳۳	زُلف پرخمِ عنانِ شب موڑتی ہے	304
۵۳۴	وہ کالی رات کمندیں ٹوٹیں	304
۵۳۵	اُڑ کر وہ کبوتروں کی ٹکڑی اُتری	305

۵۳۶	آنسو سے بھرے بھرے وہ نینا رس کے	305
۵۳۷	پریمی کو بخار، اُٹھ نہیں سکتی ہے پلک	305
۵۳۸	چہرے پہ ہوائیاں نگاہوں میں ہراس	305
۵۳۹	پنگھٹ پر گگریاں چھلکنے کا یہ رنگ	306
۵۴۰	یہ ایکھ کے کھیتوں کی چمکتی سطحیں	306
۵۴۱	یہ رُوپ! مدن کے بھی خطا ہوں اوسان	306
۵۴۲	لہروں میں کھلا کنول نہائے جیسے	306
۵۴۳	اُوشا پچھلے کو کنمنائے جیسے	307
۵۴۴	دوشیزۂ بہار مسکرائے جیسے	307
۵۴۵	غنچے کو نسیم گدگدائے جیسے	307
۵۴۶	نگ لعل یمن کا جگمگائے جیسے	307
۵۴۷	پچھلے کو چراغ لڑکھڑائے جیسے	308
۵۴۸	جادو وہ جھلی پلک جگائے جیسے	308
۵۴۹	تاریخ نقابِ رُخ اُٹھائے جیسے	308
۵۵۰	تھی گیسوئے شب میں تھرتھراہٹ کم کم	308
۵۵۱	تھی سرد ہوا میں سنسناہٹ کم کم	309
۵۵۲	چھپتے تارے، سحر کی آہٹ کم کم	309
۵۵۳	ملتی تھی ابھی سحر کی آہٹ کم کم	309

۵۵۴	رگ رگ میں جوانی کی سلگتی ہوئی آگ	309
۵۵۵	ہر عشوہ کا کچھ بھید بھرم لینے دے	310
۵۵۶	خاموش لبوں سے گلستاں جھڑتا ہے	310
۵۵۷	رفتار میں منڈلاتی گھٹاؤں کا اُبھار	310
۵۵۸	مدھ ماس میں جیسے جاگ اُٹھتا ہے چمن	310
۵۵۹	آنکھیں کہ کھلے کنول میں جلتے ہیں دیے	311
۵۶۰	پلکوں کی اُوٹ میں ہیں اسرارِ حیات	311
۵۶۱	معصومیٔ حسن چھیڑ جائے جس کو	311
۵۶۱	ان آنکھوں کے نشے نہ بڑھیں اور نہ گھٹیں	311
۵۶۳	آنکھوں میں بہار کی ہیں صبحیں پلتی	312
۵۶۴	کیا تیرے خیال نے بھی چھیڑا ہے ستار	312
۵۶۵	گورے ماتھے کی یہ سہانی مہتاب	312
۵۶۶	محرم سے چھن رہی ہے جوبن کی دھوپ	312
۵۶۷	کھلتی کلی، مسکراتے ہونٹوں کی مہک	313
۵۶۸	بالوں میں خنک سیاہ راتیں ڈھلتی	313
۵۶۹	لہرائے سروں سے سر کے آنچل	313
۵۷۰	میرے منہ سے میرے ترانے سُن لے	313
۵۷۱	پہلے مصرعے میں حُسن کا خط جبیں	314

۵۷۲	ہر بیت کے ٹھاٹھ میں سمندر لہرائے	314
۵۷۳	آنکھیں ہوں تو دیکھ ان ترانوں کا کمال	314
۵۷۴	لَے میں مری گونجتا ہے سورج منڈل	314
۵۷۵	صبح صادق میں جیسے گلزارِ جہاں	315
۵۷۶	ہے غازۂ رُوئے دوست شاعر کا خیال	315
۵۷۷	کرائے گلِ تازہ کچھ تو شاعر کا بھی پاس	315
۵۷۸	جز میرے یہ رنگ حُسن اُچھالے کس نے	315
۵۷۹	پیغمبرِ عشق ہوں سمجھ میرا مقام	316

رباعیات چین

۵۸۰	منڈلائی کئی کروڑ ہاتھوں کی گھٹا	316
۵۸۱	وہ کشتِ بہارِ عصر لہکی لہکی	316
۵۸۲	یہ ولولہ یہ اُمنگ دریا دریا	317
۵۸۳	دشت وگلزار کوہ و دریا آزاد	317
۵۸۴	ہاتھوں میں عنانِ وقت لینے والے	317
۵۸۵	آپس میں نئے قول وقسم لیتے ہیں	317
۵۸۶	وہ مطلعِ ایشیا یہ ست رنگ سحر	318
۵۸۷	وہ ایک ارب ہاتھ لُٹاتے ہوئے جَس	318

۵۸۸	وہ گاؤں وہ شہر وہ ادارے ذیشان	318
۵۸۹	وہ یونیورسٹیاں وہ لاکھوں اسکول	318
۵۹۰	کُھلتا ہے اہم ترین بابِ تاریخ	319
۵۹۱	وہ چین وہ امن ایشیا کا ضامن	319
۵۹۲	شائستہ انقلاب انساں کا وطن	319

رباعیات فراقؔ

روح کائنات

﴿۱﴾

غفلت کا حجاب کوہ و صحرا سے اُٹھا
پردہ فطرت کے رُوئے زیبا سے اُٹھا
پو پھٹنے کا آج سہانا ہے سماں
پچھلے کو فراقؔ کون دُنیا سے اُٹھا

﴿۲﴾

رہتی ہے جان لے کے پیاری دُنیا
رہتی ہے خراب کرکے اچھی دُنیا
رہتی دُنیا میں سب ہیں جاتی دُنیا
اک عشوۂ جاں ستاں ہے کیسی دُنیا

﴿۳﴾

ہوں عشقِ سیاہ کار، مجھ میں ہیں نہاں
صد جلوۂ بے قرار حسنِ جاناں
چشمک زنِ طور، ظلمت ہے تری
سرتا سر ہوں فراقؔ سحر لرزاں

﴿۴﴾

اُٹھ اُٹھ کے جھکی نگاہِ جاناں کیسی
ہوتی تھی اُبھر اُبھر کے پنہاں کیسی
فوارۂ خوں کا حال سینے میں نہ پوچھ
دل پر چلتی رہی ہیں چھریاں کیسی

﴿۵﴾

ممکن ہو تو فرضِ عشق پورا کرلیں
ممکن ہو تو دل میں درد پیدا کرلیں
اپنا کرلیں تجھے یہ قسمت میں کہاں
دُکھتے دل سے تری تمنّا کرلیں

﴿۶﴾

ہستی کو کسی طرح سے یہ راز ملے
ہستی کے کسی ساز سے یہ ساز ملے
ہستی کو تو ہم دیتے سکونِ جاوید
کچھ دل کے دھڑکنے کا بھی انداز ملے

﴿۷﴾

اے دوست بتا ترا تکلّم کیا ہے
چشمک کیا ہے، ترا تبسم کیا ہے
اس وقت فضا ہے ایک سحر لرزاں
آگے ترے یہ مرا تو ہم کیا ہے

﴿۸﴾

سوتے رہے میٹھی نیند سونے والے
غافل حالِ جہاں سے ہونے والے
بڑھتا ہی رہا سکوتِ شامِ ہجراں
روتے ہی رہے کسی کے رونے والے

﴿۹﴾

اک شوخ کی تصویر لیے آئے ہیں
مٹ جانے کی تدبیر لیے آئے ہیں
یا اک دل بیتاب لیے آئے ہیں، یا
پھوٹی ہوئی تقدیر لیے آئے ہیں

﴿۱۰﴾

ہاں زخمِ جگر کو کچھ تو اچھا کرلیں
ہاں سوزِنہاں کو کچھ تو ٹھنڈا کرلیں
رولیں ترا نام لے کے شامِ ہجراں
دُکھتے ہوئے دل کا کچھ مداوا کرلیں

﴿۱۱﴾

کچھ بے خودی ہجر میں بھولا ہوا درد
کچھ تیرتی یاس میں چمکا ہوا درد
دُنیا نہ بدل دیں ترے بیماروں کی
کچھ کشمکش ضبط، کچھ اُٹھتا ہوا درد

﴿۱۲﴾

کیا تھی یہی مصلحت شناسی تیری
کیوں بڑھ گئی اتنی بدحواسی تیری
ہم سے سرِ بزمِ نازِ جاناں اے دل
دیکھی نہیں جاتی یہ اُداسی تیری

﴿۱۳﴾

کچھ حال مرا مری زبانی سن لو
کس طرح کٹی ہے زندگانی سن لو
ہاں بزمِ نشاط کے ترانے تو سنے
دُکھتے ہوئے دل کی بھی کہانی سن لو

﴿۱۴﴾

اے دل تجھے حسن رُوئے تاباں کی قسم
اے دل تجھے گیسوئے پریشاں کی قسم
کیوں اتنی دُکھی ہوئی ہے ہستی تیری
اے دل تجھ کو جمالِ جاناں کی قسم

﴿۱۵﴾

اک درد کی دُنیا ہے اِدھر دیکھ تو لے
کچھ اور نہیں کہتے مگر دیکھ تو لے
جس دل کو ترے غم نے کیا دل اے دوست
اِس دل کی طرف ایک نظر دیکھ تو لے

﴿۱۶﴾

سوئی ہوئی تقدیر کو بیدار کریں
کھوئی ہوئی دُنیا کو خبردار کریں
جس آنکھ کی مستی ہے جہاں پر چھائی
ممکن ہو تو اس آنکھ کو ہشیار کریں

﴿۱۷﴾

اتنی جو بڑی نہیں تو چھوٹی بھی نہیں
کٹتی ہے لیکن اتنی جلدی بھی نہیں
جی مر کے فراقؔ صبح کرہی دیں گے
گو لاکھ بڑی ہے رات، اتنی بھی نہیں

﴿۱۸﴾

اللہ رے ستم کہ دل دکھاتے بھی نہیں
اپنے سے جو دل دُکھے رُلاتے بھی نہیں
مایوس دلوں کو چھیڑتے جاتے بھی نہیں
روتا ہو کوئی تو مسکراتے بھی نہیں

﴿۱۹﴾

گھر سے نکلے ہوؤں کی منزل نہ سہی
ہوتی نہیں سہل گر یہ مشکل نہ سہی
اس گردشِ آسماں میں کھو جانے کو
ویرانہ سہی کسی کی محفل نہ سہی

﴿۲۰﴾

اے دل تری ادائے وحشت دیکھی
تیری نیرنگیٔ طبیعت دیکھی
کھلتا نہیں یہ بھید کہ اے دل تجھ میں
ہنس دینے کی روتے روتے عادت دیکھی

﴿۲۱﴾

سونا چاہیں اگر تو سوتے نہ بنے
رونا چاہیں اگر تو روتے نہ بنے
اس جانِ وبال جاں کو تجھ سے چھٹ کر
کھونا چاہیں اگر رو کھوتے نہ بنے

﴿۲۲﴾

ہوتا ہے نثارِ ناز بے جا ہو جا
ہوتا ہے اگر کسی کا، اچھا ہو جا
ہاں فرقِ نیاز و بے نیازی نہ رہے
اے دل معصومیت سراپا ہو جا

﴿۲۳﴾

ہر سمت خموشی کا سماں ہوتا ہے
عالم ہے کہ بے لاگ پڑا سوتا ہے
اے دوست مگر رات کے سناٹے میں
لے لے کے ترا نام کوئی روتا ہے

﴿۲۴﴾

ہم ہیں کہ ہیں جھیلتے مصیبت بیٹھے
اور تم ہو کہ ڈھا رہے ہو آفت بیٹھے
ہم بیٹھیں اگر، سمند گردوں نہ اُٹھے
تم اُٹھو اگر، ابھی قیامت بیٹھے

﴿۲۵﴾

سونے والوں کو کیا جگاتی دُنیا
افسانے تھے کون جو سناتی دُنیا
دُنیا کا بھرم کھلا نہ پوچھو کیسے
جب آنکھ کھلی تو دیکھی جاتی دُنیا

﴿۲۶﴾

اے دوست بچھڑ کے تجھ سے جینے والے
چپ چاپ لہو کے گھونٹ پینے والے
کرتے نہیں آہ تک، شکایت کیسی
اپنے ہاتھوں سے ہونٹ سینے والے

﴿۲۷﴾

ہر ایک کو بے تاب بنا کے اُٹھے
شعلے دلِ سوزاں کے اُٹھا کے اُٹھے
بیٹھے بھی اگر دل میں سما کے بیٹھے
اُٹھے بھی اگر آگ لگا کے اُٹھے

﴿۲۸﴾

ناشاد ہیں جو شاد بھی ہو جائیں گے
برباد ہیں آباد بھی ہو جائیں گے
مجبور سے مجبور تو ہو لیں پہلے
قیدی ترے آزاد بھی ہو جائیں گے

﴿۲۹﴾

کچھ اور بھی بھولے کوئی، بھولا ہوا دل
کچھ اور بھی گم ہو کوئی کھویا ہوا دل
یہ کیسی صدا غیب سے آتی ہے فراقؔ
کچھ اور بھی دُکھتا کوئی دُکھتا ہوا دل

﴿۳۰﴾

جو رنگ اُڑا وہ رنگ آخر لایا
درد و غم و سوز و ساز کیا کیا پایا
جینے کا مزا ملا کسی پر مر کے
صد شکر فراقؔ دل کو دُکھتا آیا

﴿۳۱﴾

کیا کہتے تھے اس کا تو کسے ہوش رہا
ہاں بزم میں تقریر کا اک جوش رہا
دیکھا جو یہ حال جوش والوں کا فراق
دیوانہ بھی کچھ سوچ کے خاموش رہا

﴿۳۲﴾

اُٹھے گی اُنھیں کی آنکھ تیرے آگے
کب معرکہ سے کبھی یہ پہلے بھاگے
آئی تھی اُنھیں کو نیند گہری سرِدار
اے دوست ترے دیکھنے والے جاگے

﴿۳۳﴾

کچھ اہلِ ہوس کی بھی تمنّا دیکھی
کچھ للچائے دلوں کی دُنیا دیکھی
دیکھا ہے جو مرتبہ شہیدوں کا ترے
تجھ پر مرنے چلے ہیں دیکھا دیکھی

﴿۳۴﴾

کرتے نہیں کچھ تو کام کرنا کیا آئے
جیتے جی جان سے گزرنا کیا آئے
رو رہ کے موت مانگنے والوں کو
جینا نہیں آسکا تو مرنا کیا آئے

﴿۳۵﴾

سو طرح کے سو انگ ہے رچاتی دُنیا
ہم کو نہیں ایک آنکھ بھاتی دُنیا
رہتی دُنیا ہو یا ہو جاتی دُنیا
دُنیا والوں کے کام آتی دُنیا

﴿۳۶﴾

دُنیا میں ترے سوا سہارا بھی نہیں
عقبیٰ بھی ہے تو ہی، ورنہ عقبیٰ بھی نہیں
سونپا تجھے جس نے خود کو، سب کچھ پایا
تیرا جو نہیں ہوا وہ اپنا بھی نہیں

﴿۳۷﴾

ہاں دین کی وہ شان کہاں سے لاؤں
ایمان کی وہ جان کہاں سے لاؤں
جو دین جو ایمان ترے شایاں ہو
وہ دین وہ ایمان کہاں سے لاؤں

﴿۳۸﴾

سچ ہے ان کا کوئی سہارا بھی نہیں
سچ ہے ان کا کہیں ٹھکانا بھی نہیں
تھا صبر انھیں ہر حال میں رونا تو یہ ہے
دل آپ کے دُکھوں کا دکھتا بھی نہیں

﴿۳۹﴾

ناشاد کسے کہتے ہیں اور شاد کسے
مجبور کسے کہتے ہیں آواز کسے
اک دل ہے کہ سو بھیس بدلتا ہے فراق
برباد کسے کہتے ہیں آباد کسے

﴿۴۰﴾

سچے دل سے دعائیں دیتا کوئی
کہنے کو تو ہو جائے کہ جیتا کوئی
دُنیا کہتی ترے تغافل کا بھلا
بے تابیِ عشق دیکھ لیتا کوئی

﴿۴۱﴾

ہاں! پاک نگاہوں سے تجھے دیکھا تھا
نمناک نگاہوں سے تجھے دیکھا تھا
وہ دل تھا جس نے مجھ کو غافل پا کے
بیباک نگاہوں سے تجھے دیکھا تھا

﴿۴۲﴾

کتنوں کو منا چکی محبّت تیری
کتنوں کو سلا چکی محبّت تیری
سنتے ہیں ہمیں بھی گوشِ عبرت کے لیے
افسانہ بنا چکی محبّت تیری

﴿۴۳﴾

ہاں! نام تو دھر چکی محبّت تیری
بدنام تو کرچکی محبّت تیری
کہتے ہیں جو لوگ ہم سمجھتے بھی نہیں
اب حد سے گزر چکی محبّت تیری

﴿۴۴﴾

کیا کہیے کئی حیاتِ فانی کیسی
آئی تھی بلائے ناگہانی کیسی
جینے کے دن تھے اور تھیں مرنے کی دعائیں
اک موت تھی دوستو، جوانی کیسی

﴿۴۵﴾

مجھ سے یہ عبث ہے بدگمانی تیری
یوں ہی سہی خیر مہربانی تیری
اپنی اپنی پڑی ہے سب کو اے دل
سنتا ہی نہیں کوئی کہانی تیری

﴿۴۶﴾

خود کو جو ترے غم ہیں مٹا جائیں گے
جاتے ہوئے یاد اپنی دلا جائیں گے
اُجڑیں گے اگر جہانِ فانی تو بھی
اک درد کی دُنیا تو بسا جائیں گے

﴿۴۷﴾

بچھڑے ہم دوست سے مقدر پھوٹے
ڈر ہے غمِ ہجر میں نہ ہمت چھوٹے
وہ کٹ چلی شام غم وہ ٹپکے آنسو
وہ صبح ہوئی، وہ دیکھو! تارے ٹوٹے

﴿۴۸﴾

کھوتے ہیں اگر جان تو کھو لینے دے
اے دوست جو ہو جائے وہ ہو لینے دے
تجھ سے جو چھٹے صبر بھی کرلیں گے کبھی
اس وقت تو جی کھول کے رو لینے دے

﴿۴۹﴾

بے تاب ہیں تیرا نام لیتے بھی نہیں
دُکھتے ہوئے دل کو تھام لیتے بھی نہیں
ایسا کب تھا ترا تغافل لیکن
کچھ جذبِ نہاں سے کام لیتے بھی نہیں

﴿۵۰﴾

اعجاز یہ تقدیر نے تم کو ہی دیا
ناکام محبّت کا بھرم کھو ہی دیا
کیا جانیے کیوں مجھ کو سرِ بزم طرب
تم ہنس ہی دیے دیکھ کے، میں رو ہی دیا

﴿۵۱﴾

رات اتنی گزر چکی یہ سوتے بھی نہیں
غافل کچھ دیر کو یہ ہوتے بھی نہیں
عالم ہے کہ محوِ خواب غفلت ہے فراقؔ
رونے والے کسی کو روتے بھی نہیں

﴿۵۲﴾

دن ڈوب گیا رات کی اندھیاری ہے
ہر سمت خموشی کا سماں طاری ہے
تارے بھی اُگے، درد بھی سینے میں اُٹھا
وہ آنکھ کی، یہ قلب کی بیدار ہے

﴿۵۳﴾

دُنیا تبدیلیوں کا نقشا ہوگی
یہ ہوگی، وہ ہوگی جانے کیا کیا ہوگی
جب کیفِ دوام دے گی شانِ تغیر
دُنیا اس دم فراقؔ دُنیا ہوگی

﴿۵۴﴾

ہر ایک نظر یہ کام کرتی بھی نہیں
ہر ایک نگاہ یوں اُترتی بھی نہیں
صدقے ترے دیکھنے کے ظالم دل پر
پڑتی ہے وہ چوٹ جو اُبھرتی بھی نہیں

﴿۵۵﴾

پروانے کو ہے چراغِ محفل کی تلاش
جاں باز کو ہے جلوۂ قاتل کی تلاش
گم کردہ رہ وطن کو منزل کی تلاش
اس حسن کو ہے دُکھتے ہوئے دل کی تلاش

﴿۵۶﴾

رکھا ہے کسی کی آس رہنے ہی میں کیا
رکھا ہے کسی کے پاس رہنے ہی میں کیا
عادت سی پڑگئی ہے شاید ورنہ
رکھا ہے فراقؔ اُداس رہنے ہی میں کیا

﴿۵۷﴾

ہاں کم نہیں تیرے پاس رہ لینا بھی
ہاں کم نہیں تیری آس رہ لینا بھی
یوں دل کو نہ ہو صبر بہت ہے ورنہ
تجھ سے چھٹ کر اُداس رہ لینا بھی

﴿۵۸﴾

اے دل تو کسی کو یاد آتا بھی نہیں
تجھ کو اپنا کوئی بناتا بھی نہیں
یہ یاد کسی کی رنگ لائے گی کبھی
اے دل تو کسی کو بھول جاتا بھی نہیں

﴿۵۹﴾

کوئی جو سنور جائے، سنور جانے دے
کوئی جو نکھر جائے، نکھر جانے دے
یہ فرصت نظارہ، غنیمت ہے فراقؔ
دل پر جو گزر جائے، گزر جانے دے

﴿۶۰﴾

اے دُکھتے ہوئے دل کے دکھانے والے
روتے ہوئے کو اور رُلانے والے
اتنی بھی نہیں چھیڑ کسی سے اچھی
ہنستے ہوئے منہ پھیر کے جانے والے

﴿۶۱﴾

تنہا کب بعدِ مرگ، بستر سے اُٹھا
اک اور جنازہ بھی برابر سے اُٹھا
اُٹھا رسمِ وفا جہاں سے لے کر
بیمار ترا عجیب تیور سے اُٹھا

﴿۶۲﴾

بڑھتے چلے ہاتھ جیب و داماں کی طرف
وحشی کے قدم اُٹھے بیاباں کی طرف
ہے صبحِ بہار، لڑکھڑاتی ہے نسیم
اُٹھتی ہے نظر تری گلستاں کی طرف

﴿۶۳﴾

ذرّوں کی نظر ہے ماہِ تاباں کی طرف
پروانہ بھی اُڑ چلا چراغاں کی طرف
ہے محوِ جمالِ دہر، بزمِ ہستی
میری بھی نظر ہے رُوئے جاناں کی طرف

﴿۶۴﴾

پینا تو نہیں ہے خیر پینے کا ہے نام
تر کرلے لبوں کو کیوں رہے گا ناکام
پیمانۂ دل کی تہہ میں کچھ تو ہے تری
قسمت میں کہاں فراقؔ چھلکا ہوا جام

﴿۶۵﴾

جینا تو نہیں ہے خیر جینے کا ہے نام
رونا قسمت کا بھی ہے آخر اک کام
اے موت کی نیند! ہم بھی جاگے ہیں بہت
آئے بھی تو آفتاب اپنا لب بام

﴿۶۶﴾

دل تھا کہ کوئی شمع شبستانِ حیات
اندھیر ہوا بجھتے ہی، کہنے کی ہے بات
دل ہی تھا کہ جس کا ساتھ دینے کے لیے
بیٹھے ہوئے رویا کیے ہم رات کی را

﴿٦٧﴾

غافل دُنیا کو تو نے فانی سمجھا
کیا تو نے بھی رازِ زندگانی سمجھا
ہستی کی حقیقت کوئی اس سے پوچھے
پل پل کو جو عمرِ جاودانی سمجھ

﴿٦٨﴾

خلقت کو سنوار دے، عبادت کیا ہے
دُنیا کا شباب آئے، جنّت کیا
ہاں مے کدۂ جہاں کا ذرّہ ذرّہ
سر شارِ مجاز ہو، حقیقت کیا ہے

❑❑❑

گلبانگ

مادرِ ہند سے (خطاب)

﴿۶۹﴾

اے مادرِ ہند صبح تیری تری شام
ہیں ساقیٔ دوراں کے چھلکتے ہوئے جام
لمحوں میں ترے رازِ ابد پنہاں ہیں
تیری ہر سانس ایک پیغامِ دوام

﴿۷۰﴾

دریا آئینۂ جہانِ گذراں
کہسار ترے سکونِ دائم کے نشاں
ہے تیری فضا میں کچھ گھلاوٹ ایسی
افزوں جو کرے رقتِ قلبِ یزداں

﴿۷۱﴾

حور و غلماں حسنِ ہندی کی صفت
گلزارِ جناں میں ترے رنگ و نکہت
ندیوں کا تری نچوڑ نہرِ کوثر
مٹی میں ہے تری شانِ ارضِ جنّت

﴿۷۲﴾

انسان کو انسان بنایا تو نے
وجدان کو وجدان بنایا تو نے
ہر فن کو آئینہ حقیقت کا کیا
ہر علم کو عرفان بنایا تو نے

﴿۷۳﴾

شانِ رمِ زندگی اداؤں میں تری
پیچ و خم زندگی، کلاؤں میں تری
موسیقی سیال لب و لہجہ ترا
کیف و کم زندگی، صداؤں میں تری

﴿۷۴﴾

بادل کا دھواں سرفرازِ کہسار
جلوہ دہِ دیو لوک دشت و گلزار
گاتی ہوئی اپسرائیں جیسے گزریں
ندیوں نے تری وہ چھیڑ رکھا ہے ستار

﴿۷۵﴾

وہ اندر دھنش، وہ سات رنگوں کی پھوار
بہروپ دکھاتے موسموں کی رفتار
آجاتی ہے جھنکار تری پائل کی
اک رقص سرمدی ہے یا رُت سنگھار

﴿۷۶﴾

رُخساروں میں تیری ہی دمک دیکھتے ہیں
ہر عضو میں تیری ہی لچک دیکھتے ہیں
پڑتی ہے آنکھ اپنی جب خلقت پر
ہر چہرے میں تیری ہی جھلک دیکھتے ہیں

﴿۷۷﴾

دن رات کھنک رہے ہیں لاکھوں ہی تار
کانوں میں ازل سے آرہی ہے جھنکار
افلاک بریں پر انگلیوں نے تیری
لو دیتے ہوئے تاروں کا چھیڑا ہے ستار

﴿۷۸﴾

تیری ہر سانس میں، جناں کی بو باس
دامن کی ہوا ترے، زمانے کو ہے راس
حاصل ہوا دھڑکنوں سے تیری دل کی
روحانیتِ مادّہ کا یہ احساس

﴿۷۹﴾

ہر فرقہ و ہر ملّت و ہر مذہب و دیں
سب نے جائے پناہ پائی ہے یہیں
اولاد میں مامتا جھلکتی ہے تری
دُنیا کی مادرِ وطن ہے یہ زمیں

﴿۸۰﴾

پھیری ترے در کی جو لگا جاتے تھے
سینے کی دبی جوت جگا جاتے تھے
سنتے ہیں علاوہ دولت دُنیا کے
سائل ترے کچھ اور بھی پا جاتے تھے

﴿۸۱﴾

کیا کیا ہمیں دے گئے ہمارے اجداد
کیا کیا ہمیں کر گئے وہ شاد و ناشاد
دی دولت بیدار رموزِ ہستی
گہری ہے نشاط وغم سے جن کی بنیاد

﴿۸۲﴾

پیغام ترا بات اٹل ہے اے ہند
ہر دور ترا ایک ہی پل ہے اے ہند
شاموں پہ تری شام ابد کا سایہ
ہر صبح تری، صبح ازل ہے اے ہند

﴿۸۳﴾

لے اے ماتا نظامِ شمسی کا سلام
دے اے ماتا نظامِ شمسی کو پیام
اے ہند ترا نزول عالم میں ہے
سینے میں فضاؤں کے خدا کے الہام

﴿۸۴﴾

وہ سیاروں کے آنے جانے کی صدا
وہ قلب زماں کے تھرتھرانے کی صدا
پہلی آواز تھی زمانے میں تری
کہتے ہیں جسے الکھ جگانے کی صدا

﴿۸۵﴾

دل سانچوں میں انوار کے ڈھل جاتے تھے
آتش نفسی کے لوگ بل جاتے تھے
ظلمات کے سینے میں بقولِ راوی
سانسوں سے تری چراغ جل جاتے تھے

﴿۸۶﴾

تو ہی نے کھلائے ہیں حقایق کے وہ پھول
بیٹھی اب تک نہ جن پہ قرنوں کی دھول
تاریخِ بشر ہے خیر و برکت تیری
تہذیب جہاں کا تو امامؑ اور رسولؐ

﴿۸۷﴾

یہ تیرا سکوت ہے کہ بنتے ہوئے بول
ہے جام جہاں نما کہ تیرا کشکول
اک چٹکی بھبھوت ہے شفائے ہر درد
ہے خاک تری کہ کیمیا ہے انمول

﴿۸۸﴾

انسان کی تقدیر بنا دیتی ہے
ہر آہ کو تاثیر بنا دیتی ہے
پہلو میں ترے دبی ہوئی ہے وہ آنچ
جو درد کو اکسیر بنا دیتی ہے

﴿۸۹﴾

دیکھا نہیں آنکھوں نے ترا کومل گات
ہیں تیرے گواہ زندگی کے لمحات
تو ایک وجود غیر مرئی کی طرح
رہتی ہے ہمارے ساتھ، دن ہو یا رات

﴿۹۰﴾

ہر غنچہ و گل، جام و سبو ہے تیرا
اولاد تری، جوشِ نمو ہے تیرا
ہر اہلِ وطن کو تو نے پالا پوسا
اس قوم کی رگ رگ میں لہو ہے تیرا

﴿۹۱﴾

ہے تیرے گداز دل میں ایسی شفقت
جو، بن کے چھلک رہی ہے خیر و برکت
ساوتری و سیتا کی قسم کھائے ہوئے
ہے اب بھی زنِ ہند میں اک دیویت

﴿۹۲﴾

کنیائیں، ازل کی ہے صباحت جن میں
رادھا کی اداؤں کی نزاکت جن میں
تو آج بھی جن رہی ہے ایسے بچّے
ہے کرشن کی شوخی و شرارت جن میں

﴿۹۳﴾

شعلے سے جبینوں سے لپک جاتے ہیں
مرجھائے ہوئے چہرے دمک جاتے ہیں
ان چہروں میں جن پر ہے اٹی گردِ ملال
رُخ بھیشم و ارجن کے جھلک جاتے ہیں

﴿۹۴﴾

اک نغمہ ہوا اب بھی سنا جاتی ہے
اک آگ سی سینوں میں لگا جاتی ہے
ہاں آج بھی سنسنانی بسواڑیوں سے
بنسی والے کی تان آجاتی ہے

﴿۹۵﴾

وہ تیرے رزمیوں کی دُنیائے عظیم
وہ دھرم اور نیت کے ہزاروں ہی کلیم
جو آنکھوں میں زندگی کی ڈالیں آنکھیں
جو بس میں کریں سب کو، رجا ہو کہ ہو بیم

﴿۹۶﴾

ہے تیری قدامت میں بھی برنائی سی
اسرارِ نمو سے ہے شناسائی سی
وہ لوچ ہے زاویوں میں فکر و فن کے
لیتا ہے دوام جن میں انگڑائی سی

﴿۹۷﴾

ہر فنِ لطیف کی وہ نوعیت ہے
نشتر زدِ وجدان وہ شعریت ہے
اَن دیکھی حقیقتوں نے صورت پکڑی
کتنی دل کش یہ قلب ماہیت ہے

﴿۹۸﴾

بیداریٔ چشمِ غیب کی ہے جو مثال
دیکھا ترے فن کاروں نے وہ خوابِ جمال
جو قلب حقیقت سے چھلک جاتا ہے
شاداب اسی لہو سے رگ ہائے خیال

﴿۹۹﴾

ہر نقشِ اجنتا کا وہ چلتا جادو
وہ حسن و جمال کے بدلتے پہلو
وہ بت سازی کہ جان پتھر میں پڑے
ہے تاج کہ رُخسار فضا پر آنسو

﴿۱۰۰﴾

پہنچے ہیں کہاں کہاں یہ تیرے فن کار
شوکا تانڈو ہے، یا ہے سرشٹی و سنگار
پیشانی شو، دم ہلاہل نوشی
وہ ابرووں پر چڑھی کمانوں کا اُتار

﴿۱۰۱﴾

فطرت کی خلوتوں میں ڈالے ڈیرے
پیچ و خم زیست کے لگائے پھیرے
دُنیا کے کتب خانوں سے جو پنہاں تھے
وہ راز کھلے ہیں جنگلوں میں تیرے

﴿۱۰۲﴾

ماتا ترے فرزند بھرت کا کردار
وہ تخت و تاج چھوڑنے کا ایثار
رہتے ہوئے رام کی غریب الوطنی
ٹھوکر سے قدم کی وہ اہلیا اُدّھار

﴿۱۰۳﴾

تہذیب کی پہلی صبح کی پاک دُعائیں
گونجی ہوئی ہے فضا میں رشیوں کی صدائیں
اے گنگ و جمن کی گنگناتی لہرو
دیتی ہیں سنائی تم میں ویدوں کی رچائیں

﴿۱۰۴﴾

وہ تیرے مفکروں کا قلبِ ہشیار
پلکوں میں جن کی بند، روحِ بیدار
وہ جین اور بدھ مت کی غائر نظری
انکار کو کردیا ہے رشکِ اقرار

﴿۱۰۵﴾

بے فائدہ ہے عارضی حالات کی ڈینگ
بے کار عبور بحرِ ظلمات کی ڈینگ
اے تو کہ ہے فاتح قلوبِ اقوام
نظروں میں تری ہیچ فتوحات کی ڈینگ

﴿۱۰۶﴾

شاعر ترے جس وقت صدا دیتے ہیں
سوئے ہوئے سپنوں کو جگا دیتے ہیں
آفاق کے مندر میں وہ نغمے ان کے
رہ رہ کے گھنٹیاں بجا دیتے ہیں

﴿۱۰۷﴾

ان راگوں کا راز کوئی پوچھے ہم سے
افلاک کھنک رہے ہیں تال و سم سے
مٹی تری اے ہند ہے نرمائی ہوئی
سیتا و شکنتلا کے اشکِ غم سے

﴿۱۰۸﴾

یہ دورِ خزاں جلد گذر جائے گا
پھر وقت لیے برگ و ثمر آئے گا
ہر اشک رواں قاصد مستقبل ہے
پھر اچھے دنوں کی وہ خبر لائے گا

﴿۱۰۹﴾

آغوشِ ملائم میں سلایا ہم کو
خاموش آواز سے جگایا ہم کو
کچھ ہم بھی بنائیں ترے بگڑے ہوئے کام
اے خاکِ وطن تو نے بنایا ہم کو

﴿۱۱۰﴾

یہ رات مصیبت کی ہے کٹنے والی
یہ کالی گھٹائیں ہیں اب چھٹنے والی
ہیں وقت کے اوراق اُلٹنے والے
پھر ہے تری تقدیر پلٹنے والی

﴿۱۱۱﴾

دل میں ترے ہیں آج کیا کیا سنکوچ
دست و پا میں ہیں خارزاروں کے کھروچ
پھر مانگ رہا ہے دورِ حاضر کا رکاؤ
وہ نرم روی، وہ تری رفتار کا لوچ

﴿۱۱۲﴾

ہر ساز سے ہوتی نہیں یہ دھن پیدا
ہوتا ہے بڑے جتن سے یہ گن پیدا
فیضانِ نشاط و غم میں صدیوں تل کر
ہوتا ہے حیات میں توازن پیدا

﴿۱۱۳﴾

ہر غم ترے رنج و الم ہے ہم کو
معلوم ترا بھید بھرم ہے ہم کو
اُجڑے گی نہ کوکھ تیری اے مادرِ ہند
ہاں تیرے سہاگ کی قسم ہے ہم کو

﴿۱۱۴﴾

قومیتیں بیسوں ہی مگر ایک مزاج
نسلیں ہیں پچیسوں ہی مگر ایک سماج
ہے وسعتِ قلب، ذرّے ذرّے میں ترے
یعنی تری خاک پر تعصب کا علاج

﴿۱۱۵﴾

وہ دیکھ نئی صبح کی پو پھوٹتی ہے
وہ دیکھ کہ نبضِ شبِ غم چھوٹتی ہے
وہ دیکھ بکھرتے چلے اشکِ انجم
وہ دیکھ کہ زنجیر فلک ٹوٹتی ہے

﴿۱۱۶﴾

پتھر جو راہ میں ہیں، ہٹ جائیں گے
سنگین جگر کوہ کے پھٹ جائیں گے
تیشے وہ کئی کروڑ ہاتھوں نے اُٹھائے
اب پاپ جنم جنم کے کٹ جائیں گے

﴿۱۱۷﴾

ہم سب ترا دُکھ درد مٹا سکتے ہیں
پھر دھرتی کو تری سورگ بنا سکتے ہیں
تیری چھاتی کا دودھ پی کر ماتا
تقدیر سے ہم آنکھ لڑا سکتے ہیں

﴿۱۱۸﴾

یہ ہے تری چاندنی کی امرت کی بہار
شبنم کی شبوں میں گونجتی ہے جھنکار
آواز میں ٹھنڈکیں گونجتی ہیں کہ ہے
ندیوں میں جل ترنگ تیری گفتار

﴿۱۱۹﴾

دُنیا ہے قائل نگاہِ جز رس
ہے روحِ نسیم خلا ہر موجِ نفس
تو سامانِ سکونِ کربِ ہستی
ہاتھوں میں ترے وہ جس ہے، آنکھوں میں وہ رس

﴿۱۲۰﴾

گردن میں پڑ چکی ہیں باہیں تیری
رُخ پر اکثر رہیں نگاہیں تیری
پائے ہوئے ہیں دولتِ توفیق نظر
دیکھی ہے ہندیوں نے آنکھیں تیری

﴿۱۲۱﴾

ہر سو یہ سنسناہٹیں کس کی ہیں
پردوں میں یہ جگمگاہٹیں کس کی ہیں
جھل مل یہ ہوائیں ہیں کہ ملبوس ترا
کانوں میں یہ سرسراہٹیں کس کی ہیں

﴿۱۲۲﴾

ہم کو رُوداد خوش گمانی نہ سنائیں
فردوس و جہنم کی کہانی نہ سنائیں
ہر جگ میں ہمیں تجھ سے ملے ہیں احکام
ہم کو احکامِ آسمانی نہ سنائیں

﴿۱۲۳﴾

ہر جانب وہ سنہری موجیں سی اُٹھیں
وہ دیکھ چہار سمت کرنیں دوڑیں
تیرے ماتھے کی جگمگاہٹ سے کھلا
روحانیت نو کا ہے مطلع یہ جبیں

﴿۱۲۴﴾

جاگ اُٹھتے ہیں ہم لوگ کہ سو جاتے ہیں
پا جاتے ہیں کیا چیز کہ کھو جاتے ہیں
گم ہوتے ہیں جب ترے تصور میں ہم
اپنے سے بہت قریب ہو جاتے ہیں

﴿۱۲۵﴾

ہر گام اب انقلاب ساماں ہے ترا
دامانِ ہوائے وقت، داماں ہے ترا
ہے منزل نو پہ ارتقائے عالم
تاریخِ بشر سے عہد و پیماں ہے ترا

﴿۱۲۶﴾

اک مسکان شرافت ہیں کھلے تن میں بھی
اک شعلہ دبائے ہوئے ہیں من میں بھی
ہیں تیرے عوام میں بھی لاکھوں ایسے
اک آن ہے جن کے ان پڑھے پن میں بھی

﴿۱۲۷﴾

فطرت نے دیا ہے تجھ کو وہ درسِ یقیں
کہیے جسے جلوہ دہِ ہر مذہب و دیں
منڈلائی ہوئی گھٹاؤں میں سے شانِ جبریل
کیا کریں مہر و مہ کی آیات نہیں

﴿۱۲۸﴾

رازِ نقشِ و نگارِ فطرت سمجھیں
اے کاش مظاہر کی حقیقت سمجھیں
عالم عالمِ مجاز کا بھی عالم
دُنیائے صور کی معنویت سمجھیں

﴿۱۲۹﴾

اے کاش کہ راز ہائے فطرت سمجھیں
اے کاش کہ رمز ہائے کثرت سمجھیں
اے کاش کہ ہر مذہب و ملّت والے
گونا گوں زندگی کی وحدت سمجھیں

﴿۱۳۰﴾

تو وحدتِ انساں کی نقیبِ بے باک
تو سرتا پا خلوص، تو محض تپاک
اے مادرِ کائنات دامن تیرا
دینی ملّت کی علتوں سے ہے پاک

﴿۱۳۱﴾

رشیوں نے ترے زیست کی تقسیم نہ کی
ملّت بازی سے اُن کو وحشت ہی رہی
دُنیا بھی ہے، عقبیٰ بھی ہے، ہر دورِ حیات
جو لمحہ ازل ہے آخرت بھی ہے وہی

﴿۱۳۲﴾

یہ سازِ سلامتی سنایا تو نے
اعجاز سلامتی دکھایا تو نے
روحانیت اور شے سے مذہب کچھ اور
یہ رازِ سلامتی بتایا تو نے

﴿۱۳۳﴾

کونین کی یہ مرگ نما بے خبری
ہستی کے عناصر کی یہ افراتفری
تو نے بخشی نظامِ شمسی کو حیات
تو ہے شبِ دہر کا طلوعِ سحری

﴿۱۳۴﴾

یہ حسنِ انتخاب تھا فطرت کا
اس منصب خاص کے لیے تجھ کو چنا
دُنیا میں اور دیس تھے لیکن
فطرت نے تجھ کو رازداں اپنا کیا

﴿۱۳۵﴾

دُنیا کی نئی قومو! یوں ہی باتیں بناؤ
افسانے رسوم اور عقائد کے سناؤ
حاصل ہے ہمیں بلوغِ روحانی، تم
مذہب کے کھلونے سے ابھی جی بہلاؤ

﴿۱۳۶﴾

کنیا کا رُوپ پھر جوانی کا نکھار
پھر مادرِ کائنات کا رخ، یہ وقار
ہر عالم زندگی کا دیتا ہے پتہ
کن کے مندر میں روز تیرا سنگار

﴿۱۳۷﴾

آکاش کے مندر میں ترا درشن ہے
سینے میں چراغ سرمدی روشن ہے
رُخساروں میں پہلی صبح کی نرم دمک
مکھڑے پر ترے عجب سہانا پن ہے

﴿۱۳۸﴾

گہرا ہر قوم سے ترا ناتا ہے
ہم پر ہی نہیں ماں تجھے پیار آتا ہے
اوروں کا بھی حق ہے ماں تا پر تیری
سنتے ہیں ترا نام جگت ماتا ہے

﴿۱۳۹﴾

ماضیِ بعید میں وہ تیری تادیب
سنتے ہیں جاگ اٹھتے تھے دھرتی کے نصیب
زیرِ محراب چرخ دیوی تیرا
تھا نقشِ قدم کہ تھی بنائے تہذیب

﴿۱۴۰﴾

افلاک حضوری میں تری سر بسجود
جس کو سمجھے بغیر جینا بے سود
تو ہی نے بتایا ہمیں معلوم نہ تھا
وہ نازک رشتۂ وجود و موجود

﴿۱۴۱﴾

موسیقی عنصری کی وہ تال اور سم
وہ پردۂ ساز جو کھنکتے ہیں بہم
وہ تیرے لوک گیت جن کی لے میں
دیتی ہے سنائی زندگی کی سرگم

﴿۱۴۲﴾

کلیاں گلزارِ راز کی کھلتی ہیں
افلاک بریں کی ڈوریاں ہلتی ہیں
پردے میں سکوتِ بیکراں کے اکثر
تیرے پاؤں کی آہٹیں ملتی ہیں

﴿۱۴۳﴾

کیا شمعیں سر حریم جاں جلتی ہیں
کیا شیشۂ سوزاں میں ڈھلتی ہیں
تخئیل کی انگلیوں نے جن کو نہ چھوا
دل میں ترے وہ نزاکتیں پلتی ہیں

﴿۱۴۴﴾

اک چشمۂ نور پھوٹتا ہو جیسے
فوارۂ صبح چھوٹتا ہو جیسے
انگڑائیاں لے رہا ہے خوابِ دوراں
صدیوں کا خمار ٹوٹتا ہو جیسے

﴿۱۴۵﴾

پھیلے گا ترا فیض ابھی عالم عالم
انسان کے سر پر ہو ترا دستِ کرم
اقوام کے قالب میں تجھے حل ہوکر
دُنیا کو بنا دیا ہے ہندِ اعظم

﴿۱۴۶﴾

قوموں کے تضاد کو مٹانا ہے تجھے
قوموں کی بنیاد کو مٹانا ہے تجھے
ناقابل تقسیم ہے دُنیا کی فلاح
تقسیمِ مفاد کو مٹانا ہے تجھے

﴿۱۴۷﴾

دُنیا کو جنگ سے بچانا ہے تجھے
اقوام کی دشمنی مٹانا ہے تجھے
جو جاگ کے بھی ہیں کانوس زدہ
ان جاگے ہوؤں ہی کو جگانا ہے تجھے

﴿۱۴۸﴾

اس دورِ نفاق کو مٹانا ہے تجھے
اک مرکز پر بشر کو لانا ہے تجھے
متضاد جتھوں میں بٹ گئی ہیں اقوام
بچھڑوں کو کھینچ کے ملانا ہے تجھے

﴿۱۴۹﴾

تیرے لیے کاش جیتے مرتے ماتا
تجھ سے رس لے کے نکھرتے ماتا
تیرے خوابوں کی کاش بنتے تعبیر
ہم ہند کو کاش ہند کرتے ماتا

﴿۱۵۰﴾

اک بقعۂ نور بن گیا ہے تن من
سینوں میں فروزاں ہوئی وہ شمع لگن
تیرے سوزِ دروں کی دھیمی آنچیں
رشیوں کی ریاضتوں میں جن کی ہے پتن

﴿۱۵۱﴾

ہر مسئلہ حیات کو سمجھا ہے
خیر و شر کے رموز کو سوچا ہے
تیرے اہل نظر نے با دیدۂ غور
نیکی و بدی کے اس طرف دیکھا ہے

﴿۱۵۲﴾

تانیں ہر ساز کی یہیں ٹوٹی ہیں
ہر رنج و خوشی کی منزلیں چھوٹی ہیں
وہ قلب دوام کی تہیں ہیں جن سے
تیری تہذیب کی جڑیں پھوٹی ہیں

﴿۱۵۳﴾

ہے تیری نظر کاشف اسرارِ یقیں
آزاد از رسم بندگی تیری جبیں
منظور خدا کی بھی غلامی نہ ہوئی
بالا ہے عبادت سے تیرا مذہب و دیں

﴿۱۵۴﴾

ہم لوگ زہر دیر و حرم گذرے ہیں
ہر منزلِ عالم سے قدم گذرے ہیں
پھر راہ دکھا کہ رہنمائی میں تری
تاریخ کے ہر موڑ سے ہم گذرے ہیں

﴿۱۵۵﴾

ہر دورِ زمانہ ترا شیدائی ہے
افلاک نے تیری ہی قسم کی کھائی ہے
بل کھائی فضاؤں میں لچک ہے تیری
بد مست گھٹا میں تری انگڑائی ہے

﴿۱۵۶﴾

سینے میں ترے انجمنِ سوز و گداز
ہے تری نوائے درد یا شعلۂ ساز
اے مادرِ ہند حق تو یہ ہے کہ تری
آوازِ ضمیرِ خلق کی ہے آواز

﴿۱۵۷﴾

اک چادرِ زر، شرق میں جب تنتی ہے
تُو روز نئی ایک دلھن بنتی ہے
ماتھے کی شعاؤں کا وہ عالم کہ نہ پوچھ
گھونگھٹ سے تری صبحِ ازل چھنتی ہے

﴿۱۵۸﴾

تو ہی نے سنوار دی ہے زُلفِ ایام
تو ہی نے دیے ہیں دیوتاؤں کو پیام
ہر روز فرازِ آسماں سے جھک کر
مہر و مہ انجم تجھ کو کرتے ہیں سلام

﴿۱۵۹﴾

پیشانی ہے آئینہ اسرارِ دوام
ہاتھوں میں حیات کے چھلکتے ہوئے جام
لب ہیں کہ نوائے سرمدی کے کوندے
تیرا سنگیت زندگی کا پیغام

﴿۱۶۰﴾

ماتھے پہ ضو فگن طلوعِ تہذیب
آنکھوں آنکھوں میں لاکھ درس و تادیب
انگلیوں کے ترے اشارے جن سے
جتنے تھے بعید آتے گئے تیرے قریب

﴿۱۶۱﴾

شبنم کی کھنک لیے ادائیں تیری
نغموں کی لچک لیے ہوائیں تیری
کھولے وجدانیات کے راز اس طرح
ہیں حال میں آج تک فضائیں تیری

﴿۱۶۲﴾

شمشیر و کتاب اور طاؤس و رباب
تیری آنکھوں کے اتنے سستے نہیں خواب
بول اُٹھتے ہیں سازِ سرمدی کے پردے
پڑتی ہے تری نظر کی جس دم مضراب

﴿۱۶۳﴾

ظاہر میں غیب کو سمونا سیکھا
ہر نفی گو، اثبات کو کھونا سیکھا
احساسِ رمزیت کو تجھ سے پاکر
ہر ایک بھرم نے بھید ہونا سیکھا

﴿۱۶۴﴾

تہذیبوں کو بقا کے اسرار بتا
تو راہِ سلامتی بھٹکتوں کو دکھا
رفتارِ زمانہ میں توازن آجائے
وہ رازِ اعتدال دُنیا کو سکھا

﴿۱۶۵﴾

کھاتی ہے تری منزل مقصود قسم
بے راہ روی کا نہ ہوا تجھ کو بھرم
پابندیِ اخلاق بہ ہر گام سفر
شائستۂ زنجیر ہیں آزاد قدم

﴿۱۶۶﴾

تیرے نغمات، زندگی کی سرگم
تیری گمبھیرتا کی کھاتی ہے قسم
تو واقف رازِ اتحاد ضدین
ہے تیری سر خوشی بھی شائستۂ غم

❑❑❑

فکریات

﴿۱٦۷﴾

اے سب سے پُرانی قوم دُنیا کی سلام
رشیوں نے بتائی تجھے وہ رازِ دوام
کہتے ہیں جنھیں روح و روانِ تہذیب
مضمر جن میں ہیں زندگی کے پیغام

﴿۱٦۸﴾

بولا شعلہ چمن کا، بے باک ہیں ہم
اور خنجر رنگ و بو کہ سفاک ہیں ہم
شبنم میں دُھلے ہوئے شگوفوں نے کہا
ہم دیدۂ گلزار ہیں، نمناک ہیں ہم

﴿۱۶۹﴾

دُنیا ہے فسانہ بہ حدیثِ دگراں
کہتے جسے آر ہے ہیں عنواں عنواں
دُنیا کس کی غلط بیانی ہے فراقؔ
ہر جھوٹ میں جس کے بعدِ حقایق پنہاں

﴿۱۷۰﴾

کچھ رندوں کو سن گن سی ملی ہے ساقی
نو یگ کے جنم کی یہ گھڑی ہے ساقی
تخلیق کے لمحے تھرتھراتے سر جام
یا شام کی گود بھر رہی ہے ساقی

﴿۱۷۱﴾

ہیں کیا نئے انساں کے جنم کے آہنگ
یزداں بھی دم بخود فرشتے بھی دنگ
ماں بننے کا سکون، کربِ تخلیق
رُوئے گیتی کے یہ بدلتے ہوئے رنگ

﴿۱۷۲﴾

پیچھے بیتے جگوں اُڑتے ہیں غُبار
آگے مُستقبلوں کے دشتِ پر خار
اے قافلۂ حیات آہستہ گذر
صحرا ہے زماں مکاں کا دشوار گزار

﴿۱۷۳﴾

انساں خود اپنی منزل، اپنا رہبر
کون اس سے کہے راہِ سفر کھوٹی کر
تاریخوں کے دور اُڑ گئے مثلِ غُبار
جاری ہے کاروانِ انساں کا سفر

﴿۱۷۴﴾

سب لوگ کریں گے نذر تجھ کو کیا کیا
دُنیا میں ہے اک عمر کا لینا دینا
اوروں سے مل رہیں گے غم اور نشاط
سنجیدگیِ شعور مجھ سے لے جا

﴿۱۷۵﴾

کن کن دھوکوں میں مبتلا ہے انساں
کیا عیش و نشاط، کیسے رنج و حرماں
ہستی میں کہیں سے دیکھ خامی نہ رہے
بس رازِ حیات پختگی ہے ناداں

﴿۱۷۶﴾

پل مارتے اس جہاں کا نقشہ بدلا
اپنے کو بھی پہچاننا دشوار ہوا
دُنیا پھر ایک بار پلٹا لے گی
اے دیدۂ حیراں ابھی دیکھا ہی ہے کیا

﴿۱۷۷﴾

کل رات پری تھی ایک رقصاں سرِ جام
اُڑتے ہوئے کہہ گئی یہ رازِ ایام
ہر صبح تبسمِ لبِ لعلیں ہے
ہر شام اس آہوئے ختن کا ہے پیام

﴿۱۷۸﴾

ظلمت کی تہہ میں موج آبِ زر کی
آکاش پر اک جھلک سی رُوئے تر کی
آنکھیں ملتے اٹھی وہ دوشیزۂ صبح
تاروں بھری رات کی جو چادر سر کی

﴿۱۷۹﴾

پلکیں سی فضائے شام نے جھپکائیں
ہر سمت دھواں دھواں گھٹائیں چھائیں
اُس گیسوئے عنبریں کی گر ہیں جو کھلیں
خوشبو سے لدی ہوئی ہوائیں آئیں

﴿۱۸۰﴾

وہ حُسن خرام ہے کہ کوثر پیا سے
چھڑ جاتے ہیں راگ جنبشِ اعضا سے
چڑیوں کے پروں میں جیسے لپٹے ہوئے گیت
وہ نغمے پھوٹتے ہیں دست و پا سے

﴿۱۸۱﴾

رنگیں نگاروں کا تماشہ کرلے
دامانِ نگاہ ان گلوں سے بھرلے
اے دل یہ سیر سرسری موت سہی
مرنے ہی پر آیا ہے تو اچھا مرلے

﴿۱۸۲﴾

گویا جنّت نے جام چھلکایا ہے
جس گل کی نظر پڑی ہے شرمایا ہے
کس کے لیے پچھلی رات رو رہے ہو فراق
چہرہ جو دمِ صبح نکھر آیا ہے

﴿۱۸۳﴾

لفظوں کی دکاں کو اب بڑھانا ہوگا
کچھ کرکے معلم کو دکھانا ہوگا
تعلیم کو خلاقِ عمل ہونا ہے
ہاتھوں میں دماغ اب بسانا ہوگا

﴿۱۸۴﴾

دن رات شجر حجر کی نبضیں ہیں تپاں
ہر سانس زمین کی ہے سوزاں سوازاں
موفون وہاں کون سی چنگاری ہے
اب تک اُٹھتا ہے بطن گیتی سے دھواں

﴿۱۸۵﴾

ہر عیب سے مانا کہ جدا ہو جائے
کیا ہے اگر انسان خدا ہو جائے
شاعر کا تو بس کام یہ ہے، ہر دل میں
کچھ دردِ حیات اور سوا ہو جائے

﴿۱۸۶﴾

کچھ نظریے ہیں ہر تمدن کی بنا
تاریخ، تصادم اٹھیں آدرشوں کا
تہذیبوں کو اپنے سے ہے خطرہ یعنی
ہے نقص فکریات پیغام قضا

﴿۱۸۷﴾

تاریکی کا رہے زمانہ میں نہ داغ
اس نورِحیات کا لگاتے ہیں سراغ
موجِ نفسِ سرد دیے جاتی ہے لو
دھارے پہ فنا کے ہم جلاتے ہیں چراغ

﴿۱۸۸﴾

کل لندن و نیویارک میں گونجی یہ صدا
معلوم بھی ہے روزِ حساب آ پہنچا
کب تک یہ ملوکیت کے خوابِ نوشیں
بھاگو بھاگو کہ ایشیا جاگ اُٹھا

﴿۱۸۹﴾

لہرایا پسِ اُفق نشانِ فردا
تاریخ نے چھیڑی داستانِ فردا
چھپتا جاتا ہے کاروانِ امروز
بڑھتا آتا ہے کاروانِ فردا

﴿۱۹۰﴾

دن ڈوب گیا تو بات کچھ اور بھی ہے
آنکھ اوجھل واردات کچھ اور بھی ہے
خاموشی و تیرگی و خنکی کے سوا
اے انجم و ماہ رات کچھ اور بھی ہے

﴿۱۹۱﴾

ہر جسم کو ہم کرتے گئے جان نما
فطرت کو بناتے گئے انسان نما
غدار عناصر کو کیا ہم نے مطیع
ہوتا گیا قہر مان، رحمان نما

﴿۱۹۲﴾

کہہ دو بامِ فلک سے ہو اور بلند
سیاروں کی رفتار بھی ہو جائے دو چند
بے لاگ مہ و مہر کھنچے آتے ہیں
پڑتی ہے کہاں نگاہِ شاعر کی کمند

﴿۱۹۳﴾

انسان کو محض کھاتے پیتے گزرے
اس منزل سے وہ پاؤں آگے نہ دھرے
وحشی کے عمل کی انتہا صید و شکار
گر عشق نہ ہو عمل ترقی نہ کرے

﴿۱۹۴﴾

وجدانِ جمال ایک جوہر ہے لطیف
بے اس کے تو نیکیاں بھی رہتی ہیں کثیف
بے فائدہ شاعری کی زحمت نہ کریں
ہر ایک کے بس کا نہیں یہ فن شریف

﴿۱۹۵﴾

وہ پھوٹ مذاہبِ جہاں نے ڈالی
اخلاق میں بھی پڑگئی نفسی نفسی
اخلاق حیاتِ اجتماعی کی دین
ماحول کی میراث نہیں بٹ سکتی

﴿۱۹۶﴾

اس نظم کے بچنے کا نہیں کوئی اُپائے
بیٹھے ہیں گر چارہ آج آس لگائے
جیسے مرتے مریض کے سمبندھی
سوچیں کہ عجب کیا یہ کہیں بچ ہی جائے

﴿۱۹۷﴾

ان نغموں میں تاثیرِ شفا ہے جو بہم
راز اس کا تمہیں آج بتاتے ہیں ہم
دل کے سوزِ نہاں میں ہوکر تحلیل
کچھ نشترِ تیز بن گئے ہیں مرہم

﴿۱۹۸﴾

شاخوں پہ کنول گل کے جلا دیتی ہیں
سوئے ہوئے فتنوں کو جگا دیتی ہیں
یہ عالمِ سوز و سازِ گلزار جہاں
شبنم کی لویں آگ لگا دیتی ہیں

﴿۱۹۹﴾

کھوئی ہوئی ہستی کا بہم ہو جانا
آزاد فریب کیف و کم ہو جانا
تو رازِ حیات پوچھتا ہے مجھ سے
وہ راز ہے شائستۂ غم ہو جانا

﴿۲۰۰﴾

صحرا میں زماں مکاں کے کھوجاتی ہیں
صدیوں بیدار رہ کے سو جاتی ہیں
اکثر سوچا کیا ہوں خلوت میں فراق
تہذیبیں کیوں غروب ہو جاتی ہیں

﴿۲۰۱﴾

کھلتا نہیں یہ بھید ہے کیا، بات ہے کیا
الہام کہیں اس کو، کہ سمجھیں القا
ہاں فکرِ سخن کے وقت کانوں میں فراق
اکثر پرِ جبرئیل کی آئی ہے صدا

﴿۲۰۲﴾

اک دن شاعر حریمِ قدرت میں گیا
سر بستہ مشیتوں کو جانچا، پرکھا
اور ان میں آخری مشیت یہ تھی
آدم کا مشیتوں پہ قابو پانا

﴿۲۰۳﴾

قبل اس کے کہ ہو فیصلۂ خیر و شر
جینے کا ثبوت دے زمانے کو بشر
بے حس کردارِ نیک سے موت بھلی
نامرد اخلاق سے جرائم بہتر

﴿۲۰۴﴾

گو بزمِ سخن میں آپ لائے تشریف
خوش ہوں گے سن کے قافیہ اور ردیف
اس کا کیا کیجیے گا اے حاکمِ وقت
احساس لطیف سے جو ہوگی تکلیف

﴿۲۰۵﴾

الفاظ کے پردوں میں کرو اس کا یقیں
لیتی ہے سانس نظمِ شاعر کی زمیں
آہستہ ہی گنگناؤ میرے اشعار
ڈر ہے مرے خواب کچل جائیں کہیں

﴿۲۰۶﴾

عورت روح و روانِ تہذیبِ بشر
ہے پر توِرُخ، جلوہ وہ قلب و جگر
عورت وہ عروسِ ازلی ہے کہ فراق
ہم کو لیے جاتی ہے جو آگے، اوپر!

﴿۲۰۷﴾

اک راز سے کررہا ہوں تجھ کو آگاہ
ممنوع و حرام کچھ نہیں ہے واللہ
جس کام میں محویت کامل نہ رہے
اے دوست سمجھ لے کہ ہے وہ کام گناہ

﴿۲۰۸﴾

پاتے جانا ہے اور نہ کھوتے جانا
ہنستے جانا ہے اور نہ روتے جانا
اوّل اور آخری پیامِ تہذیب
انسان ہر ایک فرد کو ہوتے جانا

﴿۲۰۹﴾

واعظ تری جنّت ہے فقط وہم و گماں
ہے روکشِ فردوس بریں باغ جہاں
تو اس کو فریبِ رنگ و بو کہتا ہے
تنکا بھی ہے اس کا باغِ رشکِ رگِ جاں

﴿۲۱۰﴾

اے شیخ مآل زہد و تقویٰ معلوم
دُنیا ہی نہ ہاتھ آئی تو عقبٰی معلوم
انکار ہے ماسوائے اللہ سے تجھے
خاموش کہ ماسوائے دُنیا معلوم

﴿۲۱۱﴾

اک حلقۂ نور تھا ابد کا منظر
آویزاں تھے بے شمار خورشید و قمر
تاحدِ نظر سلسلۂ موجودات
ہر شے سے اُبھر رہی تھی تقدیرِ بشر

﴿۲۱۲﴾

تو بزمِ سخن میں نغمہ خواں ہوتا ہے
مطرب مجھے کچھ اور گماں ہوتا ہے
نغماتِ خوش آہنگ کے ہر پردے میں
اک سازِ سکوت بے کراں ہوتا ہے

﴿۲۱۳﴾

شاعر کے تصورات ہیں کتنے حسیں
اک عالمِ رنگ و نور رقصاں ہے کہیں
جیسے دمِ صبح تھرتھراتی کرنیں
جب چوم رہی ہوں وہ ہمالیہ کی جبیں

﴿۲۱۴﴾

ہنگامۂ روز گار دم لیتے ہیں
سنسار کا ہم بھید بھرم لیتے ہیں
یہ لمحے وہ ہیں جب دلِ شاعر میں فراقؔ
کچھ رمز و کنایات جنم لیتے ہیں

﴿۲۱۵﴾

بے وجہ نہیں ہے مری افسردہ دمی
دُنیا میں نہیں چاشنیٔ غم کی کمی
سنسار کی جس چیز کو چھو دیتا ہوں
ملتی ہے فراقؔ اس میں اشکوں کی نمی

﴿۲۱۶﴾

غیرت کو سست اساس کردیتا ہے
احسان بھی بدحواس کردیتا ہے
انسان کا جذبۂ تشکر ہمدم
اکثر مجھ کو اُس کردیتا ہے

﴿۲۱۷﴾

تنہائی میں ہم کسے بلائیں اے دوست
تم دور ہو، کس کے پاس جائیں اے دوست
اس دولتِ وقت سے تو دم گھٹتا ہے
یہ نقدِ شب کہاں بھنائیں اے دوست

﴿۲۱۸﴾

کل رات گئے فکرِ سخن کے ہنگام
وجدانِ جمال کے چھلکتے ہوئے جام
وہ کشف و کرامات کا عالم کہ فراق
ہر پل پر پڑ رہے تھے صد عکسِ دوام

﴿۲۱۹﴾

ہر چیز یہاں اپنی حدیں توڑتی ہے
ہر لمحے پہ صد عکس بقا چھوڑتی ہے
روندے ہوئے سبزے کی مڑی پتی بھی
ہمدم قلبِ ابد میں جڑ پھوڑتی ہے

﴿۲۲۰﴾

آئے دمِ صبح، رسمساؤ اے دوست
جب دن ڈوبے تو گھر نہ جاؤ اے دوست
دن بھر تو رہے ہو پھول بن کر مرے پاس
اب بن کے چراغ جگمگاؤ اے دوست

﴿۲۲۱﴾

جاگ اُٹھے گی روح تم تو سو جاؤ گے
سر چشمۂ زندگی میں دھو جاؤ گے
کھو جاؤ گے جب مناظرِ فطرت میں
اپنے سے بہت قریب ہو جاؤ گے

﴿۲۲۲﴾

یہ بزمِ خیال! چوڑیاں بجتی ہیں
بھیگی راتیں اداسیاں تجتی ہیں
دریا مکھڑوں کے اُمڈے آتے ہیں فراقؔ
آئینۂ دل میں صورتیں سجتی ہیں

﴿۲۲۳﴾

من موہ لے سو رنگ سے رہتی دُنیا
یہ وہم حسیں، یہ خوب صورت دھوکا
اس دُکھ بھری دُنیا کا مگر اصلی رُوپ
جب آنکھ کھلی فراقؔ دیکھا نہ گیا

﴿۲۲۴﴾

اک حلقۂ زنجیر تو زنجیر نہیں
اک نقطۂ تصویر تو تصویر نہیں
تقدیر تو قوموں کی ہوا کرتی ہے
اک شخص قسمت کوئی تقدیر نہیں

﴿۲۲۵﴾

میں ایک بیوگنی برہ سے بے کل
ہریالی پہ چل رہی ہوں آنکھیں ہیں سجل
یہ تاروں بھری رات کھنک جاتی ہے
شبنم، پاؤں کی بن گئی ہے چھا گل

﴿۲۲۶﴾

ہر شے پر تیرگی کی وہ چھاؤں گھنی
میخانۂ شب میں نوش و پیمانہ زنی
چھلکی چھلکی صبوحی موجِ نسیم
فطرت کی وہ پچھلی رات اعضا شکنی

﴿۲۲۷﴾

اے معنیٔ کائنات مجھ میں آجا
اے رازِ صفات ذات مجھ سے آجا
سوتا سنسار جھلملاتے تارے
اب بھیگ چلی ہے رات مجھ میں آجا

﴿۲۲۸﴾

معصوم خلوص باطنی کچھ بھی نہیں
وہ قرب وہ قدر باہمی کچھ بھی نہیں
اک رات کی وہ جھڑپ وہ جھک جھک سب کچھ
اور آٹھ برس کی دوستی کچھ بھی نہیں

❑❑❑

رُوپ

﴿۲۲۹﴾

ہر جلوے سے اک درس نمو لیتا ہوں
چھلکے ہوئے صد جام و سبو لیتا ہوں
اے جانِ بہار تجھ پہ پڑتی ہے جب آنکھ
سنگیت کی سرحدوں کو چھولیتا ہوں

﴿۲۳۰﴾

ابرو ہلتے ہیں یا لچکتی ہے کٹار
یہ رُوپ کہ رحمتوں کی جیسے چمکار
یہ لوچ، یہ دھج یہ مسکراہٹ یہ نگاہ
یہ موجِ نفس کہ سانس لیتی ہے بہار

﴿۲۳۱﴾

انسان کے پیکر میں اُتر آیا ہے ماہ
قد، یا چڑھتی ندی ہے امرت کی اُتھاہ
لہراتے ہوئے بدن پہ پڑتی ہے جب آنکھ
رس کے ساگر میں ڈوب جاتی ہے نگاہ

﴿۲۳۲﴾

قامت ہے کہ انگڑائیاں لیتی سرگم
ہو رقص میں جیسے رنگ و بو کا عالم
جگمگ جگمگ ہے شبنمستانِ ارم
یا قوسِ قزح لچک رہی ہے پیہم

﴿۲۳۳﴾

نکھرا ہوا رنگ، کیا سہانا ہے سمے
لرزاں ہے بدن کہ گنگناتی ہوئی نے
ہر عضو کی نرم لو میں مدھم جھنکار
پو پھٹتے ہی بھیروں کی آنے لگی لے

﴿۲۳۴﴾

نظروں کی شعاؤں میں سواتی کی پھوار
زُلفوں کی گھٹا میں موجِ ابر کہسار
وہ جانِ وفا تمام دل ہی دل ہے
سرتا بقدم بدن ہے آیا ہوا پیار

﴿۲۳۵﴾

آئینہ نیلگوں سے پھوٹی ہے کرن
آکاش پر ادھ کھلے کنول کا جوبن
یوں اُودی فضا میں لہلہاتی ہے شفق
جس طرح کھلے تیرے تبسم کا چمن

﴿۲۳۶﴾

ہے رُوپ میں وہ کھٹک، وہ رس، وہ جھنکار
کلیوں کے چٹکتے وقت جیسے گلزار
یا نور کی انگلیوں سے دیوی کوئی
جیسے شب ماہ میں بجاتی ہو ستار

﴿۲۳۷﴾

خاموش نگاہ کے تکلّم کی قسم
اس سازِ جمیل کے ترنم کی قسم
کلیاں سی چٹک رہی ہیں سینے میں تمام
مہکے ہوئے شبنمی تبسم کی قسم

﴿۲۳۸﴾

خاموش فضا صاف چمک جاتی ہے
بجلی کوئی لہرا کے لپک جاتی ہے
امرت کی پھوار ہے کہ نورس آواز
یا پگھلی ہوئی صبح چھلک جاتی ہے

﴿۲۳۹﴾

رگ رگ کی لچک میں پینگ لیتی ہے بہار
گردش میں نگاہ، سات رنگوں کی پھوار
صدہا مہ و خورشید برس جاتے ہیں
بے لاگ ہنسی کی یہ سنہری بوچھار

﴿۲۴۰﴾

یہ نقرئی آواز یہ مترنم خواب
تاروں پر پڑ رہی ہو جیسے مضراب
لہجے میں یہ کھنک یہ رس، یہ جھنکار
چاندی کی گھنٹیوں کا بجنا تہہ آب

﴿۲۴۱﴾

آواز پہ سنگیت کا ہوتا ہے بھرم
کروٹ لیتی ہے نرم لے میں سرگم
یہ بول سریلے تھرتھراتی ہے فضا
اُن دیکھے ساز کا کھنکنا پیہم

﴿۲۴۲﴾

مہتاب میں سرخ انار جیسے چھوٹے
یا قوسِ قزح لچک کے جیسے ٹوٹے
وہ قد ہے کہ بھیرویں سنائے جب صبح
گلزارِ شفق سے نرم کونپل پھوٹے

﴿۲۴۳﴾

بر روئے سحر حیا کی لہریں ہیں کہ رنگ
خونِ انجم کی اُٹھتی موجیں ہیں کہ رنگ
جیسے تہہ آب ہو چراغاں کا سماں
یہ راگنیوں کے دل کی چوٹیں ہیں کہ رنگ

﴿۲۴۴﴾

رنگت ہے کہ گھنگھروؤں کی مدھم جھنکار
جوبن ہے کہ پچھلی رات بجتا ہے ستار
سرشار فضاؤں کی رگیں ٹوٹتی ہیں
چٹکاتا ہے انگلیاں جوانی کا خمار

﴿۲۴۵﴾

یہ پچھلی رات! رسمسائی سی فضا
پردہ فطرت کے رُخ سے سرکا سرکا
تاروں کی چھاؤں میں جھلکتا ہوا رُوپ
جیسے وقت طلوع کنچن جنگھا

﴿۲۴۶﴾

یہ رُوپ کے گرد سات رنگوں کی پھوار
جیسے مدھم سروں میں خود گائے ملہار
پڑتا ہے فضا میں عکسِ جسمِ رنگیں
یا قوسِ قزح کے جھلملاتے ہیں شرار

﴿۲۴۷﴾

وہ بادِ سحر کا رس میں ڈوبا ہوا راگ
چٹکی میں لیا کنول نے دریا کا سہاگ
مہکے ہوئے گات سے ہیں لپٹی زُلفیں
صندل کے بن میں جیسے ماتے ہوئے ناگ

﴿۲۴۸﴾

یہ چہرہ کھِلا ہوا یہ مہکے ہوئے ہونٹ
یہ گیسوؤں کی لپٹ، یہ لہکے ہوئے ہونٹ
یہ تازہ دمی، یہ مسکراہٹ، یہ نشاط
سانسوں کی ٹھنڈی لو سے دہکے ہوئے ہونٹ

﴿۲۴۹﴾

چہرہ دیکھے تو رات غم کی کٹ جائے
سینہ دیکھے تو اُمنڈا ساگر ہٹ جائے
سانچے میں ڈھلا ہوا یہ شانہ، یہ بغل
جیسے گُل تازہ کھلتے کھلتے پھٹ جائے

﴿۲۵۰﴾

وہ پینگ ہے رُوپ میں کہ بجلی لہرائے
وہ رس آواز میں کہ امرت للچائے
رفتار میں وہ لچک، پون رس بل کھائے
گیسو میں وہ لٹک کہ بادل منڈلائے

﴿۲۵۱﴾

نغمے کی الاپ ہے کہ قامت کا تناؤ
کہتا ہے ہر عضو، پینگ شعلوں کی چڑھاؤ
آ آ کے راگنی کھڑی ہوتی ہے
دیکھے کوئی سجل بدن کا یہ رچاؤ

﴿۲۵۲﴾

زُلفوں سے فضاؤں میں اُداہٹ کا سماں
مکھڑا ہے کہ آگ میں تراوٹ کا سماں
یہ سوز و گداز قدِ رعنا جیسے
ہیرے کے منار میں گُھلاوٹ کا سماں

﴿۲۵۳﴾

بَر میں فردوس کے گلستاں کی جھلک
رُخ کے گُلِ تر میں شبنمستان کی جھلک
زُلفوں میں تتار کے شبستاں کی جھلک
پلکوں تلے قاف کے پرِستاں کی جھلک

﴿۲۵۴﴾

گہوارۂ صد بہار، ہر موجِ نفس
یہ رنگِ نشاط، تیرے ہاتھوں کا ہے جس
نظریں ہیں کہ رہ رہ کے نہا اُٹھتی ہیں
ہر عضو بدن سے وہ چھلکتا ہوا رس

﴿۲۵۵﴾

قطرے عرقِ جسم کے موتی کی لڑی
ہے پیکر نازنیں کہ پھولوں کی چھڑی
گردش میں نگاہ ہے کہ بنتی ہے حیات
جنّت بھی ہے آج اُمیدواروں میں کھڑی

﴿۲۵۶﴾

سرتا بقدم رُخِ نگاریں ہے کہ تن
ہیں عضو حسیں کہ بول اُٹھنے کو دہن
یہ مستی و کیف، یہ جماہی، یہ جھپک
ایک ادھ کھلی نرگسِ خماریں ہے بدن

﴿۲۵۷﴾

یہ شعلۂ حسن جیسے بجتا ہو ستار
ہر خط بدن کی لو میں مدھم جھنکار
رنگیں نگاہ سے کھل اُٹھتے ہیں چمن
رس ہونٹوں کا، پی کے جھوم اُٹھتی ہے بہار

﴿۲۵۸﴾

ہونٹوں پہ یہ گنگناتی نے ہے کہ سکوت
جاگ اُٹھنے کا سازوں کے سمے ہے کہ سکوت
لرزش ہے فضاؤں میں کہ بجتے ہیں کان
سنگیت کی کوئی نرم لے ہے کہ سکوت

﴿۲۵۹﴾

ٹھہری ٹھہری نظر میں وحشت کی کرن
چھلکے چھلکے کلس ہیں مد کے جوبن
ماتھے پر سرخ جھلملاتا تارا
کاندھے پر گیسوؤں کا چھایا ہوا گھن

﴿۲۶۰﴾

یہ رنگ، یہ لو، یہ بھیگا بھیگا ہوا نور
جھرمٹ میں گیسوؤں کے جیسے رُخِ حور
لو دیتا ہے رات کے دھندلکے میں بدن
یا رودِ جمن میں جل رہا ہے کافور

﴿۲۶۱﴾

اُمڈی بدمست کالی زُلفوں کی گھٹا
اہلِ دل کا جنوں صحرا صحرا
لہکا ہوا سینہ، لڑکھڑائی ہوئی چال
اُٹھتی ہوئی موجِ حسن دریا دریا

﴿۲۶۲﴾

سینے میں لہک رہا ہے پھولا گلزار
بل کھائے بدن میں لہلہاتی ہے بہار
بجلی کی ہیں کروٹیں کہ کولوں کی لچک
جاتی ہے کہاں دئی کی ماری ہوئی نار

﴿۲۶۳﴾

اس طرح دمک رہا ہے رُوئے تاباں
دریائے شفق میں جیسے ہلکا طوفاں
یوں لہراتی ہیں اُبھرے سینے پہ لٹیں
جیسے کہسار پر گھٹاؤں کا دھواں

﴿۲۶۴﴾

اُٹھنے میں ہمالیہ کی گھٹاؤں کا اُبھار
اندازِ نشست چڑھتی ندی کا اُتار
رفتار میں مدھ بھری ہواؤں کی سنک
گفتار میں شبنم کی رسیلی جھنکار

﴿۲۶۵﴾

شبنم سے یہ شعلوں کی جبیں دُھلتی ہے
کرنوں سے یہ کلیوں کی گرہ کھلتی ہے
یہ رنگ، یہ رس، یہ مسکراہٹ، یہ نکھار
یا نور کی موجوں میں شفق گھلتی ہے

﴿۲۶۶﴾

تاروں کی سہانی چھاؤں، گنگا اشنان
موجوں کی جلو میں رنگ و بو کا طوفان
انگڑائیاں لے رہی ہو جیسے اُوشا
یہ شان جمال، یہ جوانی کا اُٹھان

﴿۲۶۷﴾

ہے تارِ نظر کہ کپکپاتی ہوئی صبح
ہے نورِ جبیں کہ مسکراتی ہوئی صبح
ہے جنبش لب کہ گنگناتی ہوئی صبح
ہے رُوپ کہ پیچ و تاب کھاتی ہوئی صبح

﴿۲۶۸﴾

ہے چشم سیہ کہ تھرتھراتی ہوئی رات
ہے ذوقِ گنہ کہ جگمگاتی ہوئی رات
ہے زُلف کہ پیچ و تاب کھاتی ہوئی رات
رس کے جوبن میں گنگناتی ہوئی رات

﴿۲۶۹﴾

زُلف پیچاں میں تھرتھراتی ہوئی شام
شوخیِ نگہ میں مسکراتی ہوئی شام
نوکِ مژگاں پہ تلملاتی ہوئی شام
سائے میں پلک کے گنگناتی ہوئی شام

﴿۲۷۰﴾

رنگیں سحر اپنی لہلہاہٹ بھولے
بے خود روحِ نمو کہ سینہ چھولے
ہنگامِ وصال کچھ سرکتا ملبوس
زرّیں کمر اور جگمگاتے کولے

﴿۲۷۱﴾

ہے بسمل نازِ عشق نظارہ پرست
خلقت کے پہلے جیسے ہو صبح الست
یہ کہنی تک آستیں چڑھانا تیرا
ہے سارے بدن کی بے حجابی سردست

﴿۲۷۲﴾

یہ شانِ طلوعِ صبح، یہ حسنِ چمن
جھلمل گھونگھٹ میں جیسے چوتھی کی دلہن
ہر شاخ پہ جگمگاتی کرنوں کا طواف
تو جیسے کلائی میں پھرائے کنگن

﴿۲۷۳﴾

ساغر کفِ دست میں، صراحی بہ بغل
کاندھے پر گیسوؤں کے کالے بادل
یہ مدھ بھری آنکھ یہ نگاہیں چنچل
ہے پیکر نازنین کہ حافظؔ کی غزل

﴿۲۷۴﴾

یہ موجِ مئے ناب بہکی بہکی سی یہ چال
گھنگھور گھٹائیں بکھرے بکھرے سے یہ بال
چھلکی چھلکی نئی جوانی کی شراب
قد ہے کہ بھرا بھرا ہے مینائے جمال

﴿۲۷۵﴾

عیسیٰ کے نفس میں بھی یہ اعجاز نہیں
تجھ سے چمک اُٹھتی ہے عناصر کی جبیں
اک معجزۂ خموش طرزِ رفتار
اُٹھتے ہیں قدم کہ سانس لیتی ہے زمیں

﴿۲۷۶﴾

وہ مست نظر کہ موجِ صہبا تھرائے
وہ ہنستی جبیں کہ صبحِ صادق شرمائے
اک موجِ حیات نرم گامی تیری
بےحس راہوں میں جان جیسے پڑ جائے

﴿۲۷۷﴾

یہ چال، یہ مستی، یہ قدح سامانی
یا آتشِ سیال میں ہے طغیانی
یوں دوڑ رہا ہے تنِ شفاف میں رس
جس طرح گگن کھیلتا جائے پانی

﴿۲۷۸﴾

ہر عضو میں پر تولے لپکتا گلزار
ہر گام پہ جھوم جھوم جاتی ہے بہار
یہ مست خرامی، یہ ہوائیں، یہ گھٹا
موروں کا رقص ہے کہ طرزِ رفتار

﴿۲۷۹﴾

کومل، پدگامنی کی آہٹ تو سُنو
گاتے قدموں کی گنگناہٹ تو سُنو
ساون لہرا ہے، مد میں ڈوبا ہوا رُوپ
رس کی بوندوں کی جھم جھماہٹ تو سُنو

﴿۲۸۰﴾

ہے شام کا آسماں کہ زُلفوں کا دھواں
بگلوں کی کج قطار، قامت کی کماں
یہ شانِ سبک روی کہ تارے رُک جائیں
دھارے پر ماہِ نو کی کشتی ہے رواں

﴿۲۸۱﴾

ہنگامِ خرام وہ غزالِ بدمست
نقش کفِ پا کی شوخیاں شعلہ بدست
وہ پاؤں سے چوکڑی بھرے ہر ڈگ میں
ارجن کے کماں سے چھوٹے ناوک کی ہے جست

﴿۲۸۲﴾

تلوے سے بھری ہوئی گلابی چھلکی
نقشِ کف پا سے لو سی لہرا کے اُٹھی
نقشِ قدم سے کھلتے جاتے ہیں کنول
وہ چال میں لوچ جیسے مڑتی ہو ندی

﴿۲۸۳﴾

رنگِ رخ میں مہر سیال کی ضو
ابرو میں لچکتی ہے کمان مہ نو
ستواں ہے ناک جیسے دیپک کی لو
وہ چال میں جست جیسے بجلی کی رو

﴿۲۸۴﴾

چھلکے ہوئے سینکڑوں پیالے ہیں کہ چال
کھلتے ہوئے رہ گزر میں لالے ہیں کہ چال
آہٹ پہ لگے ہیں دیوتاؤں کے بھی کان
مل جل کے ستارے گانے والے ہیں کہ چال

﴿۲۸۵﴾

پائل کی صدا ہے یا چھلکتے ہیں ایاغ
ملتا ہی نہیں ہے آج دھرتی کا دماغ
پگ دھونی لو مارتی ہے انبر سے پرے
جل اُٹھتے ہیں لالہ زارِ جنّت کے چراغ

﴿۲۸۶﴾

فیضان گناہِ عشق سب کو پہنچا
صبح شبِ وصل ذرّہ ذرّہ نکھرا
تاروں کی چھاؤں، نرم گامی تیری
وہ پچھلے پہر کی نرم دوشیزہ فضا

﴿۲۸۷﴾

مکھڑے کی ضو سے دشتِ ایمن پر نور
جوبن کی لو سے جھپکے شمع سر طور
آنکھوں میں گناہ اولیں کی ترغیب
رفتار سے لرزے موجِ صہبائے طہور

﴿۲۸۸﴾

تابندہ رُخِ نگار شعلے کی لپک
وہ شعلہ کہ پڑ جائے دلوں میں ٹھنڈک
انگڑائی میں وہ کشش کہ تارے ٹوٹیں
شمع سرِ طور ہے کلائی کی ڈلک

﴿۲۸۹﴾

سرتا سر بے پناہ مستی طاری
جوبن رس کے اثر سے پلکیں بھاری
وہ جسم کی کافری لگاتی ہوئی آگ
زُلفوں کی ابتری سے ندیاں جاری

﴿۲۹۰﴾

لرزش میں بدن کی، باغ جنّت کی لہک
وجدان سیاہ کار، گیسو کی لٹک
ہر عضو کے لوچ کا کچھ ایسا انداز
ست رنگے دھنش میں جیسے آجائے لچک

﴿۲۹۱﴾

پگھلے ہوئے آفتاب سینے میں ہیں بند
دامِ یزداں شکار زُلفوں کی کمند
بل کھاتی کنک چھڑی ہے رس کی پتلی
خوشبو تنِ نازنیں کی، سونے میں سگند

﴿۲۹۲﴾

ماتھے کی یہ کہکشاں یہ جوبن کی لور
پڑتے ہی جھپک جھپک سی جاتی ہے نظر
وہ رُوپ جہاں دونوں سمے ملتے ہوں
آنکھوں میں سہاگ رات، مکھڑے پہ سحر

﴿۲۹۳﴾

اُٹھی موجِ تبسم آبِ زر سے
وہ ہونٹ کہ چومنے کو ساگر ترسے
مکھڑا ہے کہ زندگی کا چھلکا ہوا جام
مدھ ماس کے چندر ماں سے امرت برسے

﴿۲۹۴﴾

ہے عکسِ جبیں یا ہے کمر کی زنجیر
یہ رات اور یہ آکاش گنگا کی لکیر
یا تیری نظر کے پھول انبر پہ کھلے
بالیندو نے یا کمان سے چھوڑا کوئی تیر

﴿۲۹۵﴾

ہونٹوں میں وہ رَس کہ جس پہ بھونرا منڈلائے
سانسوں کی وہ سیج جس پہ خوشبو سو جائے
چہرے کی دمک جیسے شبنم کی ردا
مد آنکھوں کا، کامدیو کو بھی جو چھکائے

﴿۲۹۶﴾

موتی کی کان، رس کا ساگر ہے بدن
درپن آکاش کا سراسر ہے بدن
انگڑائی میں راج ہنس تو لے ہوئے پر
یا دودھ بھرا مان سروور ہے بدن

﴿۲۹۷﴾

رشکِ دل کیکئی کا فتنہ ہے بدن
سیتاؔ کے برہ کا کوئی شعلہ ہے بدن
رادھاؔ کی نگاہ کا چھلاوا ہے کوئی
یا کرشنؔ کی بانسری کا لہرا ہے بدن

﴿۲۹۸﴾

تیرے قدموں میں چاند سر کے بل جائے
مکھڑے پہ پڑے نظر تو سورج ڈھل جائے
اُوشا کی لالما ہو پانی پانی
شرمانے کی یہ ادا کہ بجلی گل جائے

﴿۲۹۹﴾

الکوں کی لٹک میں سانپ کنڈلی مارے
پلکوں میں ہوں جیسے جھلملاتے تارے
سندر سکمار گات اُوشا کی چھٹا
جوبن کے مدھ کلس پہ سورج وارے

﴿۳۰۰﴾

جیسے اُودی گھٹا میں گلشن لہکے
جیسے زیرِ نقاب شعلہ جھلکے
لودے اُٹھتا ہے اس طرح رنگِ بدن
سیال شفق میں جیسے کوندا لپکے

﴿۳۰۱﴾

نبھ منڈل گونجتا ہے، تیرے جس سے
گلشن کھلتے ہیں غم کے خار و خس سے
سنسار میں زندگی لٹاتا ہوا رُوپ
امرت برسا رہا ہے جوبن رس سے

﴿۳۰۲﴾

گیسو بکھرے ہوئے گھٹائیں بے خود
آنچل لٹکا ہوا، ہوائیں بے خود
پُرکیف شباب سے ادائیں بے خود
گاتی ہوئی سانس سے فضائیں بے خود

﴿۳۰۳﴾

آنکھوں میں وہ رس جو پتّی پتّی دھو جائے
زُلفوں کے فسوں سے مارِ سنبل سو جائے
جس وقت تو سیر گلستاں کرتا ہو
ہر پھول کا رنگ اور گہرا ہو جائے

﴿۳۰۴﴾

یوں عشق کی آنچ کھا کے رنگ اور کُھلے
یوں سوزِ دروں سے رُوئے رنگیں چمکے
جیسے کچھ دن چڑھے گلستانوں میں
شبنم سوکھے تو گل کا چہرہ نکھرے

﴿۳۰۵﴾

وہ رُوپ کی موہنی، وہ چہرے کا نکھار
وہ کولے بھرے بھرے وہ سینے کا اُبھار
وہ چال کہ جیسے رقص کرتی ہو نسیم
ہر گام پہ لوٹ لوٹ جاتی ہے بہار

﴿۳۰۶﴾

نیرنگیٔ جس دیکھ از پا تا فرق
ہوتے ہی نہیں جدا، یہ غرب اور یہ شرق
یہ چہرے کی چلچلاتی دھوپ اور ٹھنڈک
مہرِ نصف النہار شبنم میں ہے غرق

﴿۳۰۸﴾

وہ نکھرے بدن کا مسکرانا ہے ہے
رس کے جوبن کا گنگنانا ہے ہے
کانوں کی لوؤں کا تھرتھرانا کم کم
چہرے کے تل کا جگمگانا ہے ہے

﴿۳۰۸﴾

زُلفوں سے فضاؤں کی اداہٹ ہے ہے
جسمِ رنگیں کی اچپلاہٹ ہے ہے
شوخی ہے کہ گد گدائے جاتی ہے تجھے
ہر عضو بدن کی مسکراہٹ ہے ہے

﴿۳۰۹﴾

پہلو کی کہکشاں نتبھوں کا اُبھار
ہر عضو کی نرم لو میں مدھم جھنکار
ہنگامِ وصال پینگ لیتا ہوا جسم
سانسوں کی شمیم اور چہرہ گلنار

﴿۳۱۰﴾

کھینچا ہے عبث بغل میں باہوں کو تولے
کھو جانے کا وقت ہے تکلف نہ رہے
ہنگامِ وصال کر نہ سنبھلے کی فکر
سوسو ہاتھوں سے میں سنبھالے ہوں تجھے

﴿۳۱۱﴾

چڑھتی ہوئی ندی ہے کہ لہراتی ہے
پگھلی ہوئی بجلی ہے کہ بل کھاتی ہے
پہلو میں لہک کے بھینچ لیتی ہے وہ جب
کیا جانے کہاں بہا لے جاتی ہے

﴿۳۱۲﴾

بَرکی قوسِ قزح، الک کے بادل
جوبن رس، ادھ کھلا سا نینوں کا کنول
مدماتی رگوں میں گنگناتا ہے شباب
برسات مناتی ہے بدن میں منگل

﴿۳۱۳﴾

یہ نرم نگاہ، یہ رسیلی باتیں
یہ گیسوئے شب گوں کی بھری برساتیں
رم جھم رم جھم یہ رس کی بوندوں کی پھوار
سوتا سنسار، یہ منجھیلی راتیں

﴿۳۱۴﴾

جمنا کی تہوں میں دیپ مالا ہے کہ زُلف
جوبن شبِ قدر نے نکالا ہے کہ زُلف
تاریک اور تابناک شامِ ہستی
زندانِ حیات کا اُجالا ہے کہ زُلف

﴿۳۱۵﴾

راتیں برکھا کی تھرتھراتی ہیں کہ زُلف
تقدیریں پیچ و تاب کھاتی ہیں کہ زُلف
پرچھائیاں کانپ کانپ جائیں جیسے
متوالی گھٹائیں گنگناتی ہیں کہ زُلف

﴿۳۱۶﴾

گنگا اشنان کا یہ ریلا ہے کہ زُلف
پچھلے کی سہانی دیو بیلا ہے کہ زُلف
کہرے میں دھواں دھواں سی اُمڈی ہوئی بھیڑ
بڑھتا ہوا کوئی ماگھ میلا ہے زُلف

﴿۳۱۷﴾

بادل کوئی آہستہ گرجتا ہے کہ زُلف
برسات میں قصرِ شام سجتا ہے کہ زُلف
منڈ لائی گھٹا میں جیسے ہاتھی جھومیں
کجلی بن میں ستار بجتا ہے کہ زُلف

﴿۳۱۸﴾

لہرائی دھواں دھار گھٹائیں ہیں کہ زُلف
بے لاگ اُتری ہوئی بلائیں ہیں کہ زُلف
پھپکارتی بے پناہ کالی راتیں
اُڑتے ہوئے ہوش کی قضائیں ہیں کہ زُلف

﴿۳۱۹﴾

سنبل کے تر و تازہ چمن ہیں زُلفیں
بے صبح کی شب ہائے ختن ہیں زُلفیں
خود خضر یہاں راہ بھٹک جاتے ہیں
ظلمات کے مہکے ہوئے بن ہیں زُلفیں

﴿۳۲۰﴾

کاٹے کٹتی نہیں یہ ظلمات کی رات
اک جادوئے ،شب تاب ہے یہ رات کی رات
بھیگی بھیگی فضا میں زُلفوں کی گھٹائیں
آئینہ در آئینہ ہے برسات کی رات

﴿۳۲۱﴾

چڑھتی جمنا کا تیز ریلا ہے کہ زُلف
بل کھاتا ہوا سیاہ کوندا ہے کہ زُلف
گوکل کی اندھیری رات دیتی ہوئی لو
گھنشیام کی بانسری کا لہرا ہے کہ زُلف

﴿۳۲۲﴾

برسات کی راتیں آنکھیں ملتی ہیں کہ زُلف
کچھ شمعیں سیاہ لو کی جلتی ہیں کہ زُلف
پردوں سے اساوری کے شعلوں کی لپک
ظلمات میں بجلیاں اُچھلتی ہیں کہ زُلف

﴿۳۲۳﴾

بھیگی زُلفوں کے جگمگاتے قطرے
آکاش سے نیلگوں شرارے پھوٹے
ہے سرو رواں میں یہ چراغاں کا سماں
یا رات کی گھاٹیوں میں جگنو چمکے

﴿۳۲۴﴾

ہر سمت دھواں دھواں سی عنبر کی مہک
سرشار گلابیاں سی جاتی ہیں چھلک
سینے میں فضا کے پینگ لیتا ہے گناہ
وجدانِ سیاہ کار گیسو کی لٹک

﴿۳۲۵﴾

نکھری ہوئی رات جگمگاتی ہوئی زُلف
تقدیر کے پیچ خم دکھاتی ہوئی زُلف
مدھم لے میں چھڑا ہے سازِ ہستی
جیون سنگیت گنگناتی ہوئی زُلف

﴿۳۲۶﴾

مہکی ہوئی شام، رسمساتی ہوئی زُلف
تاتار کی نکہتیں لٹاتی ہوئی زُلف
کچھ پڑھ کے پھونکتی ہے ہر تیز لپٹ
شفاف فضا کے ہوش اُڑاتی ہوئی زُلف

﴿۳۲۷﴾

مجنوں کی وحشتیں بڑھاتی ہوئی زُلف
لیلیٰ کو لوریاں سناتی ہوئی زُلف
تاروں کا سوز، آسمانوں کا گداز
بے سدھ راتوں کو غش میں لاتی ہوئی زُلف

﴿۳۲۸﴾

یہ شام کی نکہتوں کا اُٹھتا ہے دھواں
جیسے ہو مے کدہ ہوا پر رقصاں
چمکا ہوا کذبِ حسنِ جادو کی کمند
دامِ یزداں شکارِ زُلف پیچاں

﴿۳۲۹﴾

سرشار فضاؤں میں اداہٹ کم کم
نمناک ہوا میں سنسناہٹ کم کم
انگڑائیاں لیتا ہے شبستاں تتار
مشکیں گیسو میں تھرتھراہٹ کم کم

﴿۳۳۰﴾

زُلفیں سارنگیوں کے بجتے ہوئے تار
یہ لہرے بے صدا کے، ساون کی پھوار
ہلتی ہیں لٹیں کہ وجد کرتی ہیں فضائیں
گویا لے چھیڑ کے سنگتی ہے بیار

﴿۳۳۱﴾

ٹھہری ٹھہری سی رہتی دُنیا کی حیات
لہکی لہکی سی مہکے بن میں برسات
یہ زُلف سیہ کی خواب آور خوشبو
چپ چاپ کھڑی انگلیاں چٹکاتی ہے رات

﴿۳۳۲﴾

اس مشکستاں میں سانس لیتی ہے رات
تاریک فضا، یہ مد سے بوجھل برسات
آڑی آڑی سی کالی زُلفوں کی لٹک
کروٹ سے بہہ رہا ہے رُودِ ظلمات

﴿۳۳۳﴾

رگ رگ میں تھرتھرائے رُوحِ نغمات
ہر تار میں یوں چلتی ہوئی نبضِ حیات
بے خود ہوتی چلی ہے نمناک فضا
زُلفوں میں ڈھل رہی ہے میخانے کی رات

﴿۳۳۴﴾

بھولی ہوئی زندگی کی دُنیا ہے کہ آنکھ
دوشیزۂ بہار کا فسانا ہے کہ آنکھ
ٹھنڈک، خوشبو، چمک، لطافت نرمی
گلزارِ ارم پہلا تڑکا ہے کہ آنکھ

﴿۳۳۵﴾

تاروں کو بھی لوریاں سناتی ہوئی آنکھ
جادو شبِ تار کا جگاتی ہوئی آنکھ
جب تازگی سانس لے رہی ہو دم صبح
دوشیزہ کنول سی مسکراتی ہوئی آنکھ

﴿۳۳۶﴾

چنچل آنکھوں میں گنگناتی ہوئی شام
گردش میں نظر کی تھرتھراتی ہوئی شام
وہ پھوٹی جھٹپٹے کے تارے کی کرن
پلکوں کی اوٹ کنمناتی ہوئی شام

﴿۳۳۷﴾

چلمن میں مژہ کی گنگناتی آنکھیں
چوتھی کی دلہن سی کچھ لجاتی آنکھیں
جوبن رس کی سدھا لٹاتی ہر آن
پلکوں کی اوٹ مسکراتی آنکھیں

﴿۳۳۸﴾

چھلکاتی ہیں پریم کی گلابی آنکھیں
صدمے کدہ دربغل شرابی آنکھیں
ہر شام چراغ شبنمستانِ جمال
ہر صبح چمن چمن گلابی آنکھیں

﴿۳۳۹﴾

راتوں کی جوانیاں نشیلی آنکھیں
خنجر کی روانیاں کٹیلی آنکھیں
سنگیت کی سرحدوں پہ کھلنے والے
پھولوں کی کہانیاں رسیلی آنکھیں

﴿۳۴۰﴾

آہوئے سیاہ، شوخ کچھ پلکیں اُٹھائے
ترغیبِ گناہ کے چراغوں کو جلائے
لڑ جائے جہنم سے اگر اُڑتی نگاہ
سوزِ دل اہرمن میں ٹھنڈک پڑ جائے

﴿۳۴۱﴾

تاروں بھری رات! بزمِ فطرت ہے سجی
ہے شوخ نگاہ میں بھی ایسی نرمی
یہ چندر کرن میں سات رنگوں کی جھلک
گاتی ہوئی اپسرا گگن سے اُتری

﴿۳۴۲﴾

جیسے جھومے ہوا میں وجدانِ گناہ
جیسے جادو جگائے آہوئے سیاہ
آکاش کی نرم سطح پر پڑتے ہی
نقشِ تسخیر کھینچ دیتی ہے نگاہ

﴿۳۴۳﴾

کہسار پہ گھنگھور گھٹا چھانے لگے
کرنوں کی پلک مہر بھی جھپکانے لگے
یہ گیسو و رُخ کی ہے جھلک! آنکھوں میں
وہ کیف کہ افلاک کو نیند آنے لگے

﴿۳۴۴﴾

پیدا ہے نگاہ سے تبسم کا سماں
پیدا ہے تبسم سے تکلّم کا سماں
یوں سازِ فضا پر آنکھیں پڑتی ہیں تری
پیدا ہے سکوت سے ترنم کا سماں

﴿۳۴۵﴾

خوشبو سے مشامِ آنکھوں کے بس جاتے ہیں
غنچے سے فضاؤں کے بکس جاتے ہیں
جھکتی ہے تری آنکھ سر خلوتِ ناز
یا کامنی کے پھول برس جاتے ہیں

﴿۳۴۶﴾

دوشیزہ سحر، رسیلی آنکھوں کی چمک
آئینۂ صبح میں مناظر کی جھلک
جیسے پڑے کورے آبگینوں پر چوٹ
شفاف فضا میں وہ نگاہوں کی کھنک

﴿۳۴۷﴾

جوبن رس پتلیوں کے اندر ڈولے
اس نرمل جل میں رُوپ مریم دھولے
یہ نرم نظر کی سیج، پلکوں کی یہ چھاؤں
سوئی ہے سہاگ رات گیسو کھولے

﴿۳۴۸﴾

یہ رنگِ نشاط، لہلہاتا ہوا گات
جاگی جاگی سی کالی زُلفوں کی یہ رات
اے پریم کی دیوی یہ بتا دے مجھ کو
یہ رُوپ ہے یا بولتی تصویر حیات

﴿۳۴۹﴾

یہ نازک جسم، رنگ و بو سے بوجھل
یہ رُوپ، یہ رس کی لہر، یہ نین کنول
کاندھے سے ردائے نور لٹکی لٹکی
یا صبح کی دیوی ہے اُٹھائی آنچل

﴿۳۵۰﴾

ہے لوچ بلور میں کہ پیکر کا رچاؤ
میخانے کو نیند آئے وہ آنکھوں کا جھکاؤ
جس طرح کمانیوں میں پڑ جائے جان
دیکھے کوئی پنڈلی کا گداز اور تناؤ

﴿۳۵۱﴾

پنڈلی میں لہکتا ہوا جیسے کوندا
ٹخنے ہیں کہ پر تولے عطارد ہے کھڑا
ہے پاؤں کہ ٹھہری ہوئی بجلی میں ہے لوچ
تلوے ہیں کہ سیماب میں سورج کی ضیا

﴿۳۵۲﴾

ہے قوسِ قزح کہ تھرتھراتے بازو
رشکِ فردوس لہلہاتے پہلو
رقصاں شعلہ لچکی لچکی سی کمر
کُندل پر کنول ہے یا دمکتا پیڑو

﴿۳۵۳﴾

وہ چہرہ کہ برقِ طور آنکھیں جھپکائے
وہ ماتھا چندرلوک جس سے شرمائے
وہ ناف کہ کوثر میں بھنور پڑ پڑ جائے
وہ ران کہ خورشید کو آئینہ دکھائے

﴿۳۵۴﴾

گنگا وہ بدن کی جس میں سورج بھی نہائے
جمنا بالوں کی تان بنسی کی اُڑائے
سنگم وہ کمر کا آنکھ اوجھل لہرائے
تہہ آب سرسوتی کی دھارا بل کھائے

﴿۳۵۵﴾

انگڑائی سے نیند آفتابوں کو بھی آئے
وہ چال کہ ٹھوکر آسمانوں کو لگائے
وہ قد کہ جھنجھوڑ کر قیامت کو جگمگاتے
وہ شوخ ادا کی برق آنکھیں جھپکائے

﴿۳۵۶﴾

سورج کو بھی روپ کا جھمکڑا جھپکائے
وہ اَدھ کھلی آنکھ سوتے فتنوں کو جگائے
چٹکی میں ہے رشتۂ نظام شمسی
سو جائے زمانہ جب وہ انگلی چٹکائے

﴿۳۵۷﴾

رنگین فضا سنگار درپن کی مثال
بول اُٹھنے کو ہے سکوت، اُچھلتا ہے گلال
یہ شام، یہ بزمِ ماہ، یہ عہدِ وفا
جے مال پنھاتے وقت سیتا کا جمال

﴿۳۵۸﴾

امرت سے دُھلی جبین، ابرو کے ہلال
گردن کا یہ خم یہ چھب، یہ حسنِ خدو خال
ہر عضو میں یہ لچک، یہ نکھ سکھ کا رچاؤ
دب جاتا ہے صنعتِ اجنتا کا کمال

﴿۳۵۹﴾

گنگا میں چوڑیوں کے بجنے کا یہ رنگ
یہ راگ، یہ جل ترنگ، یہ رو، یہ اُمنگ
بھیگی ہوئی ساڑیوں سے کوندے لپکے
ہر پیکر نازنین کھنکتی ہوئی چنگ

﴿۳۶۰﴾

گنگا اشنان، یہ چمکتے بجرے
ناؤوں میں سوار مہ جبینوں کے پرے
سنگم میں لگا کے غوطہ اُٹھتا ہے یہ کون
موجوں کے بھنور سے جیسے زُہرہ اُبھرے

﴿۳۶۱﴾

مکھڑا دیکھیں تو ماہ پارے چھپ جائیں
خورشید کی آنکھ کے شرارے چھپ جائیں
رہ جانا وہ مسکرا کے تیرا کل رات
جیسے کچھ جھلملا کے تارے چھپ جائیں

﴿۳۶۲﴾

سنگیت کی پنکھڑی کو شبنم دھو جائے
جیسے شعلوں کی جگمگائے کھو جائے
پچھلے کو خمارِ جسم رنگیں جیسے
کلیوں کے لبوں پہ مسکراہٹ سو جائے

﴿۳۶۳﴾

حسنِ خوابیدہ میں بھی ایسی سج دھج
زنجیر ہو بجلیوں کی جیسے کچھ کج
یہ بسترِ نرم و صاف، یہ جسم کی جوت
تکیوں پر بادلوں کے جیسے سورج

﴿۳۶۴﴾

کچھ نیند سی کل رات تجھے آتی ہوئی
سکمار بدن پہ بے خودی چھاتی ہوئی
تاروں کی بھی ہو چلی تھیں پلکیں بھاری
باتیں تری کچھ آنکھ سی جھپکاتی ہوئی

﴿۳۶۵﴾

کچھ ہجر و صال کا معمہ نہ کھلا
جل میں کب بھیگتے کنول کو دیکھا
بیتی ہوں گی سہاگ راتیں کتنی
لیکن ہے آج تک کنوارا ناتا

﴿۳۶۶﴾

سوتے جادو جگانے والے دن ہیں
عمروں کی حدید ملانے والے دن ہیں
کنیا، اب کامنی ہے ہونے والی
آنکھوں کو نین بنانے والے دن ہیں

﴿۳۶۷﴾

پروائی جس گھڑی ہو سنکی سنکی
زنجیر سحر جب کہ ہو چھنکی چھنکی
ایسے میں آرتی اُتارے اُوشا
رس میں ڈوبے ہوئے کنوارے پن کی

﴿۳۶۸﴾

آجاتا ہے گات میں سلونا پن اور
چنچل پن، بال پن، انیلا پن اور
کٹتے ہی سہاگ رات دیکھیں جو اُسے
بڑھ جاتا ہے رُوپ کا کنوارا پن اور

﴿۳۶۹﴾

ہے وجد میں رہ گزر یہ گاتی ہوئی چال
لپکے ہوئے رُوپ سے اُچھلتا ہے گلال
آئینۂ صبح میں تموج ہے تمام
بل کھایا بدن ہے یا ہے قوسِ سیال

﴿۳۷۰﴾

حمال میں زیرِ آب جسم جاناں
جگمگ جگمگ یہ رنگ و بو کا طوفاں
ملتی ہیں سہیلیاں جو مہندی رچے پاؤں
تلووَں کی گدگدی ہے چہرے پہ عیاں

﴿۳۷۱﴾

یہ رات! فلک پہ تھرتھراتا سا غبار
شیشے پر نرم نرم پڑتی ہے پھوار
یا بیٹھ کے ماہِ نو میں دیوی کوئی
چھیڑے ہوئے راگنی بجاتی ہے ستار

﴿۳۷۲﴾

آئینۂ در آئینۂ ہے شفاف بدن
جلوے کچھ اس انداز سے ہیں عکس فگن
اک خوابِ جمال ہے کہ بندھتا ہے طلسم
وہ رُوپ جھلکتا ہوا جادو درپن

﴿۳۷۳﴾

پیکر ہے کہ چلتی ہوئی پچکاری ہے
فوارّۂ انوار سحر جاری ہے
پڑتی ہے فضا میں ساتھ رنگوں کی پھوار
آکاش نہا اُٹھتا ہے، بلہاری ہے

﴿۳۷۴﴾

امرت میں دُھلی ہوئی فضائے سحری
جیسے شفاف نرم شیشے میں پری
یہ نرم قبا میں لہلہاتا ہوا رُوپ
جیسے ہو صبا کی گود پھولوں سے بھری

﴿۳۷۵﴾

آواز میں وہ لوچ کہ بلبل چہکے
رفتار میں وہ موج کہ سبزہ لہکے
زُلفوں سے چمک مانگتی ہے شامِ بہار
عارض میں غنا کا نرم شعلہ دہکے

﴿۳۷۶﴾

جوڑے میں سیاہ رات کنڈلی مارے
ماتھے کے عرق میں جھلملاتے تارے
عارض میں سحر کے چھلکے چھلکے ساغر
ٹھوڑی میں قمر کے جگمگاتے پارے

﴿۳۷۷﴾

جوبن رس پگھلے چاند سورج چھلکائے
سانسوں کی شمیم فصلِ گل کو لہکائے
وہ زُلف کہ لے چھیڑے ہوئے شام بہار
وہ رنگ بدن کہ آنکھ دن کی کھل جائے

﴿۳۷۸﴾

چھل بل سے بھری نار، دئی کی ماری
رنگین اداؤں کی شگوفہ کاری
چھلکا چھلکا شباب بدمست و خراب
مدپی کے سیاہ لمبی پلکیں بھاری

﴿۳۷۹﴾

سرشار جمال سے شبستاں نکھر آئے
رُخسار میں بجلیوں کا مسکن نظر آئے
گفتار سنے تو راگنی تھام لے دل
اُٹھتے ہی قدم، نسیمِ جنّت تھرائے

﴿۳۸۰﴾

وہ چہرہ قمر میں سرخ لہریں جو اُٹھائے
وہ گردن و سینہ، مے کدہ وجد میں آئے
وہ حسنِ شکم کہ جان سورج میں پڑے
بل کھاتی کمر، آکاش گنگا لہرائے

﴿۳۸۱﴾

وہ اک گہرا سکوت کل رات گئے
طاقوں پہ دیے نیند میں ڈوبے ڈوبے
پلکیں جھکا رہی تھیں جب ٹھنڈی ہوائیں
آنا ترا اک نرم اچانک پن سے

﴿۳۸۲﴾

جب پریم گھاٹیوں میں ساغر اُچھلے
جب رات کی وادیوں میں تارے چھٹکے
نہلاتی فضا کو آئی رس کی پتلی
جیسے شِو کی جٹا سے گنگا اترے

﴿۳۸۳﴾

جب کھول رہی ہوں پہلی کرنیں پلکیں
جب رات سمیٹتی ہو مہکی الکیں
جو ذرّے کنمنا کے آنکھیں کھولیں
تیری آوازِ پا کے ساغر چھلکیں

﴿۳۸۴﴾

جب تاروں نے جگمگاتے نیزے تولے
جب شبنم نے فلک سے موتی رولے
کچھ سوچ کے خلوت میں بصد ناز اس نے
نرم انگلیوں سے بند قبا کے کھولے

﴿۳۸۵﴾

جب چاند نے امرت کی گگر چھلکائی
جب ہم گر نے سرد ہوا سنکائی
لرزش تنِ نازک میں ہوئی رات گئے
یا چاندنی پڑتے ہی لتا لہرائی

﴿۳۸۶﴾

جب تاروں کے کارواں ہوں ٹھہرے ٹھہرے
جب کشتی ماہِ نو ہو لنگر ڈالے
جب نیند کی سانس کہکشاں لیتی ہو
ایسے میں کاش تری آہٹ آئے

﴿۳۸۷﴾

جب تاروں بھری رات نے لی انگڑائی
نمناک مناظر نے پلک جھپکائی
جب چھاگئی پُرکیف اُداسی ہر سمت
سرشار فضاؤں کو تری یاد آئی

﴿۳۸۸﴾

جب آجاتا ہے دھیان ترا اے دوست
جب بزمِ خیال ہوں سجاتا اے دوست
اپنے کو بہت اُس سے بڑا پاتا ہوں
خود کو سمجھے ہوئے تھا جتنا اے دوست

﴿۳۸۹﴾

جب زُلف شبِ تار ذرا لہرائی
جب تاروں نے پور انگلیوں کی چٹکائی
جب چاند کی بل کھائی جبیں اُبھری ذرا
ایسے میں تری نیند بھری انگڑائی

﴿۳۹۰﴾

جب جلوہ نما چاند لبِ بام ہوا
جب ساغرِ شب چھلکا ہوا جام ہوا
تو سامنے آیا کہ مری آنکھوں کو
اس پردۂ دیدار میں الہام ہوا

﴿۳۹۱﴾

جب رات ہو جگمگاتی چادر اوڑھے
جب چاند کی آنکھ سے بھی غفلت ٹپکے
جب سازِ سکوت رات ہو، ایسے میں
گاتے قدموں کی گنگناہٹ آئے

﴿۳۹۲﴾

جب زُہرہ لیے ہوئے ہو ہاتھوں میں ستار
جب چرخ پر اُڑ رہے ہوں نغموں کے شرار
جھپکاتے ہوں آنکھ جب ستاروں کے چراغ
ایسے میں ہو کاش مجھ کو ترا دیدار

﴿۳۹۳﴾

جب پچھلے پہر پریم کی دُنیا سولی
کلیوں کی گرہ پہلی کرن نے کھولی
جوبن رس چھلکاتی اٹھی چنچل نار
رادھا گوکل میں جیسے کھیلے ہولی

﴿۳۹۴﴾

جب سورج جگمگاتے ساغر چھلکائے
رنگین شفق کی کور شعلوں میں نہائے
وہ عالمِ رنگ و نور بر خطِ اُفق
تیرے آنچل کا جیسے لچکا لہرائے

﴿۳۹۵﴾

جب تاروں کا کارواں نگاہوں سے چھپا
ایک ایک ورق رات کا چہرہ اُترا
ملتی تھی ابھی آنکھ ہی دوشیزہ کرن
ایسے میں دبے پاؤں وہ تیرا آنا

﴿۳۹۶﴾

جب کرنیں ہمالیہ کی چوٹی گوندھیں
سوئے ہوئے آبشار آنکھیں کھولیں
جب کنچن نیر سی جھلکتی ہو فضا
ایسے میں کاش تیری آہٹ پائیں

﴿۳۹۷﴾

جب چاند کی وادیوں سے نغمے برسیں
آکاش کی گھاٹیوں میں ساغر اُچھلیں
امرت میں دُھلی ہو رات اے کاش ترے
پائے رنگیں کی چاپ ایسے میں سنیں

﴿۳۹۸﴾

جیسے شب تار میں ستارے ٹوٹیں
جیسے گلزار سے شرارے پھوٹیں
جس طرح سے جھلکیاں دکھاتا ہے خیال
یہ آنکھیں یوں ہی تیرے نظارے لوٹیں

﴿۳۹۹﴾

جس طرح ندی میں ایک تارا لہرائے
جس طرح گھٹا میں ایک کوندا بل کھائے
برمائے فضا کو جیسے اک چندر کرن
یوں ہی شامِ فراق تیری یاد آئے

﴿۴۰۰﴾

آجا کہ کھڑی ہے شام پردا گھیرے
مدت ہوئی جب ہوئے تھے درشن تیرے
مغرب سے سنہری گرد اُٹھی سوئے قاف
سورج نے اگنی رتھ کے گھوڑے پھیرے

﴿۴۰۱﴾

دامن قوسِ قزح، گھٹائیں زُلفیں
دمکے ہوئے دھڑ میں برق نیساں کی رگیں
یہ جیون دان، یہ چمکتے قطرے
رہ رہ کے حلق میں جو پپیہے کے پڑیں

﴿۴۰۲﴾

جیسے ہو کوئی چراغ دھادے پہ رواں
جیسے بن میں ہو ایک شعلہ رقصاں
جس طرح دبی چوٹ اُبھر آتی ہے
یوں ہی نظر آئے ترا رُوئے خنداں

﴿۴۰۳﴾

جس طرح رگوں میں خونِ صالح ہو رواں
جس طرح حیات کا ہے مرکز رگِ جاں
جس طرح جدا نہیں وجود و موجود
کچھ اس سے زیادہ قرب اے جانِ جہاں

﴿۴۰۴﴾

کھلتا ہی نہیں، حسن ہے پنہاں کہ عیاں
دیکھے تجھے کیسے کوئی اے جانِ جہاں
بندھ جاتا ہے اک جلوہ و پردہ کا طلسم
یہ غیب و شہود! آنکھ مچولی کا سماں

﴿۴۰۵﴾

یہ خنکی، یہ رت جگا، یہ بھاری پلکیں
شبنم سے دُھلے برگِ چمن، بھیگی مسیں
تاروں بھری رات کو جماہی آئی
رُوئے عرق آلود پہ لہرائیں لٹیں

﴿۴۰۶﴾

ماں اور بہن بھی اور چہیتی بیٹی
گھر کی رانی بھی اور جیون ساتھی
پھر بھی وہ کامنی سراسر دیوی
اور سیج پہ بیسوا وہ رس کی پتلی

﴿۴۰۷﴾

منڈلاتا ہے پلک کے نیچے بھونرا
گلگوں رُخسار کی بلائیں لیتا
رہ رہ کے لپک جاتا ہے کانوں کی طرف
گویا کوئی رازِ دل ہے اُس کو کہنا

﴿۴۰۸﴾

ثانی نہیں تیرا، نہ کوئی تیری مثال
کس خواب کی تعبیر ہے یہ شانِ جمال
سینے میں یکسوئی کے پلتے پلتے
جیسے صورت پکڑلے یزداں کا خیال

﴿۴۰۹﴾

پھولوں کی سہاگ سیج یہ جوبن رس
سونے میں سہاگنی لٹاتی ہوئی جس
کروٹ کروٹ ہے لہلہاتے جنّت
یہ رات یہ کچھ ہلتے ہوئے رُوپ کلس

﴿۴۱۰﴾

ہے تیر نگاہ کا کہ پھولوں کی چھڑی
قطرے ہیں پسینے کہ موتی کی لڑی
کومل مسکان اور سرکتا گھونگھٹ
صبح الست ہے اُمیدواروں میں کھڑی

﴿۴۱۱﴾

شبنم میں نہائی صبح نکھری نکھری
ہے رنگ بدن کہ مسکراتی ہے کلی
تصویرِ شگفتگی صباحت اس کی
ہے کھلتے ہوئے کنول کی خوشبو سے لدی

﴿۴۱۲﴾

بن باسیوں میں جلوۂ گلشن لے کر
تاریکیوں میں شعلۂ ایمن لے کر
وہ ہنستی ہوئی رُوپ کی دیوی آئی
کانٹوں میں کھلے پھول سا جوبن لے کر

﴿۴۱۳﴾

آواز کی نغمگی پپیہے کو دی
تقلید خرامِ ناز ہنسوں نے کی
ہے نازُ کی کانپتی لتاؤں میں تری
معصوم نظر ہرن کے بچّے کوملی

﴿۴۱۴﴾

کومل مُسکیاں جھلملاتے تارے
رُخساروں کے تازہ پھول پیارے پیارے
ترشی ہوئی مہکی راتیں زُلفوں کی لٹیں
انگ انگ سے گیت کے اُبلتے دھارے

﴿۴۱۵﴾

اے رُوپ کی لکشمی یہ جلووں کا راگ
یہ جادوئے کام رُوپ، یہ حسن کی آگ
خیر و برکت جہان میں تیری دم سے
تیری کومل ہنسی محبّت کا سہاگ

﴿۴۱۶﴾

جوبن رس سے رُوپ کی کھیتی ہے ہری
لہراتی ہوئی شفق میں کم کم سی تیری
آنکھوں میں سہاگ رات سنگار کیے
موتی سے مانگ، گود پھولوں سے بھری

﴿۴۱۷﴾

مہکے ہوئے بن سے زُلف کھاتی ہوئی میل
آنکھوں میں ہرن کے بچّے کرتے ہیں کلیل
جیسے مری لے تاروں کو چھو لیتی ہے
پروان چڑھے تو یوں ہی اے پریم کی بیل

﴿۴۱۸﴾

دن ڈوب چکا ہے، یہ اداہٹ، یہ بدن
آکاش ہے سر بسر جھلا جھل درپن
جلتے جاتے ہیں چاند تاروں کے چراغ
اب رُوپ کی آرتی سجاتا ہے گگن

﴿۴۱۹﴾

خوشبو دیتی ہے رات رانی تیری
کٹتی ہوئی رات ہے کہانی تیری
تاروں کے بھی پڑ چلے ہیں موتی ٹھنڈے
چٹکاتی ہے انگلیاں جوانی تیری

﴿۴۲۰﴾

کس بادہ سے چور ہے جوانی تیری
کن شعلوں کا نور ہے جوانی تیری
جیسے جوالا مکھی ہو پھٹنے والا
کتنی بھرپور ہے جوانی تیری

﴿۴۲۱﴾

دوشیزہ کرن کلی کو جیسے اُکسائے
رس، رنگ، سگندر، کے چراغوں کو جلائے
اس چندر مکھی کی مسکراہٹ میں وہ لوچ
شبنم میں پگھل کے جیسے کوندا بل کھائے

﴿۴۲۲﴾

یہ نرم ہوائیں، لہلہاتا ہوا باغ
دو وقتوں کے مل جانے کا دیتے ہیں سراغ
یہ نکھرا ہوا رُوپ، یہ سکومل مُسکیاں
جس طرح شفق کے پیچھے جلتا ہو چراغ

﴿۴۲۳﴾

جھرمٹ میں گلوں کے جیسے جگنو چمکے
شفاف صدف میں جیسے موتی دمکے
اُوشا کا سہاگ مسکراہٹ کی یہ لو
گھونگھٹ سے شفق کے جیسے تارا جھمکے

﴿۴۲۴﴾

جیسے ہیرے کی آنچ کا دل دھڑکے
پو، اوٹ سے لالما کی جیسے پھوٹے
کومل اُدھروں پہ مسکراہٹ کی یہ چھوٹ
کرنوں پر جیسے کوئی دیوی ناچے

﴿۴۲۵﴾

لو جیسے سکوت کی ہو مدھم مدھم
لہروں پہ چاند جیسے ناچے جھم جھم
نورس ہونٹوں پہ مسکراہٹ کم کم
جیون آنند جیسے لیتا ہو جنم

﴿۴۲۶﴾

دوشیزہ شفق کا سینہ دھڑکا دھڑکا
لہروں پہ کنول کا شعلہ بھڑکا بھڑکا
کومل اَدھروں پہ یہ سہانی مسکان
جس طرح جھلک دیتا ہو پہل تڑکا

﴿۴۲۷﴾

بل کھائی کرن نے جیسے پھینکی ہو کمند
کلیوں کی چولیوں کے کھلنے لگے بند
سر کے گھونگھٹ سے مسکراہٹ کی جھلک
یہ نرم دمک، یہ رنگ، یہ رس، یہ سگند

﴿۴۲۸﴾

شعلوں میں برگِ گل ہو دُھلتا جیسے
شبنم میں ہو شرار گھلتا جیسے
ہونٹوں کی پنکھڑی پہ کومل مسکان
لودے اُٹھے رُوپ کی مردُ لتا جیسے

﴿۴۲۹﴾

کھلتے ہوئے گلزاروں کے رس اور سگند
ست رنگے دھنش کی لوچ، بجلی کی کمند
رُت راج کی انگڑائی اُوشا کے سنگیت
کومل مسکان تیری چٹکی میں ہیں بند

﴿۴۳۰﴾

آنکھوں میں کنمنا رہی ہے بجلی
وہ دھج کہ ہو جیسے راگنی آ کے کھڑی
وہ رُوپ کہ جیتا جاگتا جیون سوپن
وہ رنگ اُوشا کے جیسے اَدھروں پہ ہنسی

﴿۴۳۱﴾

ہر سانس میں گلزار سے کھل جاتے تھے
ہر لمحہ میں جنّت کی ہوا کھاتے تھے
کیا تجھ کو محبّت کے وہ ایام ہیں یاد؟
جب پردۂ شب بجتے تھے دن گاتے تھے

﴿۴۳۲﴾

وہ آنکھ کھلی، دن کی کرامات ہوئی
ہر مست نگہ رمز و کنایات ہوئی
چھلکاتا ہوا مے کدہ دن ڈوب گی
گیسوئے سیہ تاب کھلے، رات ہوئی

﴿۴۳۳﴾

جس طرح اساوری کے دل کی دھڑکن
جیسے پچھلے پہر کا مہکا ہوا بن
جیسے کھلتے کنول کے سینے کی اُمنگ
چھلکا پڑتا ہے مد میں ڈوبا جوبن

﴿۴۳۴﴾

ان انکھڑیوں میں سرور ہلکا ہلکا
مکھڑے میں بہاگ راگ دہکا دہکا
جیسے دیوی کھڑی ہو جھرمٹ مارے
ماتھے کا چندر لوک دمکا دمکا

﴿۴۳۵﴾

ہونٹوں پہ لرز رہے ہیں پیغامِ حیات
انفاس کی لے میں جذب روحِ نغمات
آنکھوں میں پلک کھولے ہوئے صبح بہار
زُلفوں کی اوٹ کنمنا برسات

﴿۴۳۶﴾

وہ چہرہ ستا ہوا وہ حسن بیمار
بے چینی کی روح کو بھی آتا تھا پیار
دیکھا ہے کرب کے بھی عالم میں تجھے
ہوتا تھا سکون لاکھ جانوں سے نثار

﴿۴۳۷﴾

وہ نبض کی موجِ دود، وہ سوز دروں
نرم اُلٹی سانسیں اور وہ حالِ زبوں
ہے شیو کا رقص حسن کا عالم نزع
رگ رگ میں موج کرب، چہرہ پہ سکوں

﴿۴۳۸﴾

افسردہ فضا پہ جیسے چھایا ہو ہراس
دُنیا کو کوئی ہوا بھی آتی نہیں راس
ڈوبی جاتی ہو جیسے نبضِ کونین
کس باپ پہ حسن آج اتنا ہے اُداس

﴿۴۳۹﴾

دل کس لیے بے قرار سرتا سر ہے
کیوں تو کبھی مرہم ہے، کبھی خنجر ہے
ہے عشق تو ماورائے آلام و نشاط
اور حسن وفا جفا سے بالا تر ہے

﴿۴۴۰﴾

رہ رہ کے کوئی قدر جمال آنکتا ہے
رنگیں فضاؤں کو کوئی سانکتا ہے
پڑتی ہے تیرے چہرہ پہ یہ نرم سی چھوٹ
یا وقت کے رُخنوں سے ابد جھانکتا ہے

﴿۴۴۱﴾

ہیں ایک شہود و غیب، ان دونوں کی
ہر خطِ بدن میں سرحدیں ملتی ہوئی
سرتا بقدم عالمِ اسرار ہے حسن
معنیِ صورت ہے اور صورتِ معنی

﴿۴۴۲﴾

کہتی ہیں یہی تیری نگاہیں اے دوست
نکلیں نئی زندگی کی راہیں اے دوست
کیوں حسن ومحبّت سے نہ اونچے اُٹھ کے
دونوں اک دوسرے کو چاہیں اے دوست

﴿۴۴۳﴾

کیوں ہمت آسماں سے ہاریں اے دوست
کیوں ہم سے چلیں زمیں کی گھاتیں اے دوست
ہم بیٹھ چکے ہیں تیرے قدموں میں کبھی
ہم دیکھے ہوئے ہیں تیری آنکھیں اے دوست

﴿۴۴۴﴾

غافل کشش حسن سے بچنا بے سود
کھنچتے آتے ہیں بزمِ امکاں کے حدود
چٹکی میں جماہی کی ہے دامانِ عدم
انگڑائی کے ہاتھوں میں گریبانِ وجود

﴿۴۴۵﴾

پڑنے لگا ماند چندر ماں کا آکار
دھند لانے لگا فلک پہ تاروں کا غبار
جھلمل پروائی میں پون رس ڈولے
چٹکاتی ہے پور انگلیوں کی صبحِ بہار

﴿۴۴۶﴾

چتون میں ہے سادگی بھی پرکاری بھی
آنکھیں کچھ ڈھیٹھ اور کچھ چونکی ہوئی
چڑھتے دن میں سحر کی جیسے نرمی
جوبن رس میں جھلک ہے بالے پن کی

﴿۴۴۷﴾

کرونڑا رس کی سریلی کرتا ہے بدن
اُٹھتے ہوئے درد کا ترانا ہے بدن
رادھا کے آنسوؤں کے ہلتے ہوئے تار
کل گوپیوں کے برہ کی پیڑا ہے بدن

﴿۴۴۸﴾

کتنا بھرپور دن تھا تو تھا جب پاس
گاتے ہوئے لمحوں کا وہ رنگیں احساس
جاتے ہی ترے ہوا وہ عالم جیسے
تہوار کے بعد شام سونی اور اُداس

﴿۴۴۹﴾

زنجیرِ حیات بحر و بر ہلتی ہے
اُپ ون بن میں کلی کلی کھلتی ہے
بزمِ فطرت کو اے بہاروں کی بہار
تیرے ہاتھوں سے زندگی ملتی ہے

﴿۴۵۰﴾

بن بن کے مٹے ہیں اور مٹ مٹ کے بنے
جینے مرنے کے گر سبھی نے سیکھے
تو جانِ ممات تو حیاتوں کی حیات
شائستۂ مرگ و زیست انساں کو کرے

﴿۴۵۱﴾

یکسر وہ تبسم ہے، تمام آنسو ہے
ہمہ شبنم و گل، تمام رنگ و بو ہے
پلکوں کی اوٹ میں طلسم ہستی
آنکھیں ہیں کہ کام رُوپ کا جادو ہے

﴿۴۵۲﴾

کشتی پہ چاندنی میں سیرِ دریا
آئینۂ نما یہ نرم شفاف ہوا
پیدا حرکت سے ہے سکوں کی تصویر
چپو چلنا، بدن کا کم کم ہلنا

﴿۴۵۳﴾

یہ عالمِ رنگ و بو یہ قدِ رعنا
وہ آمد سوئے جاں نثارِ شیدا
رفتار میں وہ لہک، وہ جست اور اُبھار
جس طرح گگن کھیلتا جائے دریا

﴿۴۵۴﴾

وہ رُوپ کہ کامدیو جس کا ہو شکار
وہ رنگ اُوشا نے جیسے چھیڑا ہو ستار
وہ ہونٹوں کا رس، جانِ طراوت ہر بوند
وہ گات کہ سر سے ایڑیوں تک چمکار

﴿۴۵۵﴾

رُخساروں پہ زُلفوں کی گھٹا چھائی ہوئی
آنسو کی لکیر آنکھوں میں لہرائی ہوئی
وہ دل اُمڈا ہوا، وہ پریمی سے بگاڑ
آوازِ غم و غصہ سے بھرائی ہوئی

﴿۴۵۶﴾

ہیں اُٹھتی جوانیاں کہ جیون کا اوج
الکوں میں پھنسے دلوں کی ملتی نہیں کھوج
وہ رس جو چھلک کے کم نہ ہونے پائے
ایسے رس سے بھرے ہیں آنکھوں کے سروج

﴿۴۵۷﴾

گیسو کے بناؤ میں لہکتے ہیں بھجنگ
پیکر کے رچاؤ میں کھنکتی ہوئی چنگ
آنکھوں کے جھکاؤ میں ہے خلوت کی اُمنگ
سینے کے تناؤ میں پکھاوج کی ترنگ

﴿۴۵۸﴾

انگ انگ میں لے بجتے ہوئے سازوں کی
سرتا بقدم کاہکشاں گاتی ہوئی
یہ رات گئے رُوپ کے سنگیت کا لوچ
آواز میں جیسے لگ گئی ہو پتی

﴿۴۵۹﴾

ہونٹوں پہ پیام لطف آنے بھی نہ دے
دم بھر کر حجاب ناز اُٹھانے بھی نہ دے
یہ عشقِ حزیں پہ مہربانی کیسی
جو حُسن کو کھل کے مسکرانے بھی نہ دے

﴿۴۶۰﴾

وہ ہونٹ ڈرے ڈرے نگاہوں سے دُعا
معصوم آنکھوں میں اشک چھلکا چھلک
زہر ابِ وفا کو حسن کرتا ہے قبول
یا بس کا پیالہ شیو نے ہاتھوں میں لیا

﴿۴۶۱﴾

یہ چیت کی چاندنی میں آنا تیرا
انگ انگ ہے نکھرا ہوا لہرایا ہوا
رس اور سگندھ سے جوانی بوجھل
اک باغ ہے بور آئے ہوئے آموں کا

﴿۴۶۲﴾

رگ رگ میں تھرتھراتے رس کا یہ اُبال
جس طرح چھلک رہا ہو مینائے جمال
یہ بل کھاتی ہوئی سنہری لہریں
شفاف بدن ہے یا طلوعِ سیال

﴿۴۶۳﴾

رنگیں جبیں صبحِ چمن کا عالم
بالوں میں اُمنڈتے ہوئے گھن کا عالم
سرتاسر روکش بہارِ فردوس
برسات میں لہلہے بدن کا عالم

﴿۴۶۴﴾

آنچل کے تلے دمکتے جوبن کی یہ لو
ساڑی کے چناؤ میں لچکتے مہ نو
تھوڑی پر جگمگاتی کرنوں کی یہ چھوٹ
محرم کے گھاٹ پر یہ پھٹتی ہوئی پو

﴿۴۶۵﴾

پلکوں سے پڑرہی ہے امرت کی پھوار
جوبن میں بسنت کی ترنگوں کا اُبھار
یہ دیپ شکھاسی ناک، کلیکا سے اَدھر
وہ رنگ کہ کررہی ہے اُوشا سرنگار

﴿۴۶۶﴾

منہ اُٹھائے ہرن کے بچّے کومل لوچن
پوپھٹنے کی جھنکار لیے مدھر بچن
کمپت ہے اساوری کہ الکوں کی لٹیں
دیپک کا نرم راگ سکمار بدن

﴿۴۶۷﴾

تو ہر لحظہ کچھ اور آتا ہے نظر
ہر جلوہ ہے پہلے جلوے سے نازک تر
ہر خط بدن میں جذب نغمے، جیسے
سوتی ہیں حقیقتیں لبِ شاعر پر

﴿۴۶۸﴾

بل کھائی ہوئی کرن ہے، نازک قامت
دیپک کی نرم لو سی ہنستی صورت
تارے کی طرح حسین، جب ایک ہی ہو
دن ڈوبے جبینِ آسماں کی زینت

﴿۴۶۹﴾

رس میں ڈوبی تو اور نکھری شوخی
دُھل کر شبنم سے جیسے کھلتی ہو کلی
معصوم ہے کتنی رُوٹھ جانے کی ادا
آنکھوں میں سرشک اور ہونٹوں پہ ہنسی

﴿۴۷۰﴾

رنگت تری کچھ اور نکل آتی ہے
یہ آن تو حوروں کو بھی شرماتی ہے
کٹتے ہی شبِ وصال ہر صبح کچھ اور
دوشیزگیٔ جمال بڑھ جاتی ہے

﴿۴۷۱﴾

چھن چھن کے پڑے جہاں ستاروں کی کرن
پریاں دیں خود جسے ہوائے دامن
وہ رُوپ نگر کا بن ہے رمنا تیرا
چرتے ہیں جہاں چاند کی دیوی کے ہرن

﴿۴۷۲﴾

موتی کے ہار بن کے پھولوں میں رہی
راتوں کا چراغ بن کے تا صبح جلی
پر لگ گئے جب سحر کے غنچے چٹکے
پڑتے ہی کرن اُڑی وہ شبنم کی پری

﴿۴۷۳﴾

یہ پچھلی رات! رُوپ بے سُدھ ہے نپٹ
آتی ہے کانپتی لتاؤں کی لپٹ
یہ آدھے بدن تک کھلے الکوں کی لٹیں
یہ رنگ بدن، یہ مہکی مہکی کروٹ

﴿۴۷۴﴾

آہٹ ہے نسیم کی حضوری کا پیام
جھکتے ہیں چمن والے، ادب کا ہے مقام
پھولوں میں کھڑا جام بکف وقتِ سحر
گلزارِ جہاں کا کوئی لیتا ہے سلام

﴿۴۷۵﴾

مشرق سے جوئے شیر بہنے لگی جب
کافور ہوئی دہر سے تاریکیٔ شب
اُٹھا کوئی نیند سے سمیٹے گیسو
اک نرم دمک لیے جبیں کا پورب

﴿۴۷۶﴾

کیا رات گئے رنگ ہیں گلزاروں کے
گل بھیگے ہوئے شعلے ہیں انگاروں کے
یہ گیسوئے پر خم، یہ شبستانِ جمال
یہ جلتے دیے چمپئی رُخساروں کے

﴿۴۷۷﴾

لہرائی ہوئی شفق میں اُوشا کا یہ رُوپ
یہ نرم دمک مکھڑے کی، سج دھج ہے انوپ
تیرا بھی اُڑا اُڑا سا آنچل زر تار
گھونگھٹ سے وہ چھنتی ہوئی رُخساروں کی دھوپ

﴿۴۷۸﴾

مہکا مہکا چمکتے بالوں کا بن
نکھرا نکھرا دمکتے چہرے کا چمن
سمٹا سمٹا حیا سے ہر عضو بدن
چونکے چونکے سیاہ آنکھوں کے ہرن

﴿۴۷۹﴾

یہ پو پھٹتی ہوئی، شفق کے شعلے
پنکھڑیوں پر گلوں کی، نم کے قطرے
یہ نرم صباحتِ لقائے رنگیں
یہ چہرۂ تر، یہ ہونٹ بھیگے بھیگے

﴿۴۸۰﴾

تارے چھپتے چلے، جھلا جھل ہے فضا
رفتار سکوں نما سے چلتی ہے ہوا
حسن خوابیدہ ہے کہ پھولی ہے شفق
ہے رُوپ کہ صبح کا سہانا تڑکا

﴿۴۸۱﴾

افلاک پہ جب پریم شب لہرایا
ساقی نے بھرا ساغرِ مہ چھلکایا
کچھ سوچ کے، کچھ دیر تامل کر کے
اُس نے بھی ذرا پردۂ رُخ سرکایا

﴿۴۸۲﴾

یہ موج نسیم، یہ سہانا تڑکا
دامانِ شفق فضا میں لٹکا لٹکا
پورب کو منہ کیے سہاگن ہے کھڑی
آنچل دوشِ حسن سے ڈھلکا ڈھلکا

﴿۴۸۳﴾

جیسے کوئی چھلکائے ساغر بھر کے
رُخساروں کو خواب روز روشن کرکے
بادل کی تہوں سے ماہِ کامل نکلا
امرت میں دُھلی جبیں سے گیسو سر کے

﴿۴۸۴﴾

افلاک کو کچھ آئی ہوئی انگڑائی
رگ رگ میں کسک، چلتی ہوئی پروائی
آنکھوں میں نکلتے پیٹھتے دن کی بہار
ایسے میں دبے پاؤں جوانی آئی

﴿۴۸۵﴾

کچھ بڑھتا ہوا شفق کے دل کا دھڑکا
کچھ شعلۂ سازِ صبح بھڑکا بھڑکا
وہ جسم کی نرم جوت، کپڑوں کے تلے
آنکھوں کے پیام کا سہانا تڑکا

﴿۴۸۶﴾

یہ سناٹا، سماں کی یہ بو العجبی
تاروں کا یہ ترنم زیر لبی
اک نغمۂ راز ہے نگاہوں کا سکوت
یہ ادھ کھلی آنکھ جادوئے نیم شبی

﴿۴۸۷﴾

جاڑوں میں منہ اندھیرے سنگم کا سماں
جلوے گنگ و جمن کے کہرے میں نہاں
مکھڑے پر جھٹپٹے میں تاروں کی وہ چھاؤں
وہ گیسوئے خم بہ خم کی خوشبو کا دھواں

﴿۴۸۸﴾

وہ مطلع صبح رقص کرتی کرنیں
دوشیزہ فضا میں جیسے کلیاں سی کھلیں
لو دیتی جبیں ناز حسنِ مطلع
خوشبو اور کمسنی کی نازک موجیں

﴿۴۸۹﴾

یہ رُوپ کی موہنی، یہ ابرو کے ہلال
انگ انگ کی یہ لچک، یہ گاتی ہوئی چال
یہ لوچ ہوائے شام جس پر ہو نثار
آنچل میں لیے ہزاروں تاروں کا جمال

﴿۴۹۰﴾

دھیما دھیما سا نور جیسے تہہِ ساز
بڑھتا جاتا ہے چھلکے تاروں کا گداز
لیتی ہیں جماہیاں یہ باتیں تیری
سرگوشیاں جس طرح کرے عالم راز

﴿۴۹۱﴾

پورے جوبن پہ جیسے مہکی ہوئی رات
کلیوں میں جیسے موجزن رُوحِ نبات
وہ عالمِ رنگ و بو ہے تجھ پر اے دوست
شاعر کے لبوں پہ جیسے پیغامِ حیات

﴿۴۹۲﴾

ڈھلکا آنچل، دمکتے سینے پہ الک
پلکوں کی اوٹ مسکراہٹ کی جھلک
وہ ماتھے کی کہکشاں، وہ موتی بھری مانگ
وہ گود میں چاند سا ہمکتا بالک

﴿۴۹۳﴾

آنگن میں لیے چاند کے ٹکڑے کو کھڑی
ہاتھوں پہ جھلاتی ہے اُسے گود بھری
رہ رہ کے ہوا میں جو لوکا دیتی
گونج اٹھتی ہے کھلکھلاتے بچّے کی ہنسی

﴿۴۹۴﴾

نہلا کے چھلکے چھلکے نرمل جل سے
اُلجھے ہوئے گیسوؤں میں کنگھی کرکے
کس پیار سے دیکھتا ہے بچّہ منہ کو
جب گھٹنوں میں لے کے ہے پنہاتی کپڑے

﴿۴۹۵﴾

دیوالی کی شام گھر پتے اور سجے
چینی کے کھلونے جگمگاتے لاوے
وہ رُوپ وتی، مکھڑے پر اک نرم دمک
بچّے کے گھروندے میں جلاتی ہے دیے

﴿۴۹۶﴾

گل ہیں رخِ گرم کے ہیں انگارے
بالک کے نین سے ٹوٹتے ہیں تارے
رحمت کا فرشتہ بن کے دیتی ہے سزا
ماں ہی پکارے اور ماں ہی مارے

﴿۴۹۷﴾

کس پیار سے دے رہی میٹھی لوری
ہلتی ہے سڈول بانہہ گوری گوری
ماتھے پہ سہاگ، آنکھوں میں رس، ہاتھوں میں
بچّے کے ہنڈولے کی چمکتی ڈوری

﴿۴۹۸﴾

آنگن میں ٹھنک رہا ہے، ضدیا یا ہے
بالک تو ہئی، چاند پہ للچایا ہے
درپن اُسے دے کے کہہ رہی ہے یہ ماں
دیکھا آئینے میں چاند اُتر آیا ہے

﴿۴۹۹﴾

کس پیار سے ہوتی ہے خفا بچّے سے
کچھ تیوری چڑھائے ہوئے منہ پھیرے ہوئے
اس روٹھنے پر پریم کا سنسار نثار
کہتی ہے کہ جا تجھ سے نہیں بولیں گے

﴿۵۰۰﴾

رکشا بندھی کی صبح، رس کی پتلی
چھائی ہے گھٹا گگن پہ ہلکی ہلکی
بجلی کی طرح لچک رہے ہیں لچھے
بھائی کے ہے باندھتی چمکتی راکھی

﴿۵۰۱﴾

دوشیزہ فضا میں لہلہایا ہوا رُوپ
آئینۂ صبح میں جھلکتا ہوا رُوپ
یہ نرم نکھار، یہ سجل دھج، یہ سگندھ
رس میں ہے کنوارے پن کے ڈوبا ہوا رُوپ

﴿۵۰۲﴾

منڈپ کے تلے کھڑی ہے رس کی پتلی
جیون ساتھی سے پریم کی گانٹھ بندھی
مہکے شعلوں کے گرد بھاونر کے سمے
مکھڑے پر نرم چھوٹ سی پڑتی ہوئی

﴿۵۰۳﴾

آنکھوں میں سرشک جگمگاتا مکھڑا
وہ جشنِ رُخصتی سہانا تڑکا
جھرمٹ میں سہیلیوں کے اُٹھتے ہیں قدم
وہ گھر کی عورتوں کا بابل گانا

﴿۵۰۴﴾

تکیوں کے آس پاس الکوں کی لٹک
آنچل کے تلے کچوں کے جلتے دیپک
وہ سیج پہ جگمگاتی کرنوں کی چھوٹ
وہ ماتھے پر سہاگ تارے کی جھلک

﴿۵۰۵﴾

یہ راز و نیاز اور یہ سمے خلوت کا
یہ آنکھ میں آنکھ ڈال دینا تیرا
ہرنی ہے ڈری ڈری سی اور کچھ مانوس
یہ نرم جھجک، سپردگی کی یہ ادا

﴿۵۰۶﴾

انگ انگ کی لوچ میں وہ شانِ تسخیر
جھم جھم بجتی ہوئی کمر کی زنجیر
ہنگام وصال پینگ لیتا ہوا جسم
بے لاک ہنڈول راگ کی ہے تصویر

﴿۵۰۷﴾

جب رات گئے سہاگ کرتی ہے نگاہ
دل میں شبِ ماہ کے اُترتی ہے نگاہ
رتنار نین سے پھوٹتی ہیں کرنیں
یا کاہکشاں کی مانگ بھرتی ہے نگاہ

﴿۵۰۸﴾

ہے بیاہتا پر رُوپ ابھی کنوارا ہے
ماہ ہے پر ادا جو بھی ہے دوشیزا ہے
وہ مود بھری، مانگ بھری، گود بھری
کنیا ہے، سہاگن ہے جگت ماتا ہے

﴿۵۰۹﴾

یہ ہلکے سلونے سانولے پن کا سماں
جمنا جل میں اور آسمانوں میں کہاں
سیتا پہ سوئمبر میں پڑا رام کا عکس
یا چاند سے مکھڑے یہ ہے زُلفوں کا دھواں

﴿۵۱۰﴾

مدھوبن کے بسنت سا سجیلا ہے وہ رُوپ
برکھا رُت کی طرح رسیلا ہے وہ رُوپ
رادھا کی جھپک کرشن کی برزوری ہے
گوکل نگری کی راس لیلا ہے وہ رُوپ

﴿۵۱۱﴾

تو ہاتھ کو جب ہاتھ میں لے لیتی ہے
دُکھ درد زمانے کے مٹا دیتی ہے
سنسار کے تپتے ہوئے ویرانے میں
سکھ شانت کی گویا تو ہری کھیتی ہے

﴿۵۱۲﴾

لچکا لچکا بدن مجسم ہے نسیم
مہکا مہکا وہ چہرہ سانسوں کی شمیم
دوشیزگیٔ جمال صبحِ جنّت
گاتے ہوئے نرم گام موجِ تسنیم

﴿۵۱۳﴾

لچکیلا گات اور اوستھا ہے کشور
وہ چال کہ جیسے مل کے ناچیں سومور
کوک اُٹھتی ہیں کوئلیں، وہ کالی زُلفیں
منہ تکتا ہے چندر ماں کے دھوکے میں چکور

﴿۵۱۴﴾

چھڑکاؤ ہوئے چبوترے پر کچھ نم
بیٹھی ہے سہاگنی، بدن میں کچھ خم
چٹکی سے شعاعِ نور برساتی ہوئی
ہے دیدنی چوک پورنے کا عالم

﴿۵۱۵﴾

ہے مانند فلک پہ کہکشاں کا بھی نکھار
یوں پور رہی ہے چوک وہ جانِ بہار
بل کھائی لکیریں ہیں کہ چلتا جادو
بڑھتی ہوئی چٹکیوں کی جنبش کے نثار

﴿۵۱۶﴾

چوکے کی سہانی آنچ، مکھڑا روشن
ہے گھر کی لکشمی پکاتی بھوجن
دیتے ہیں کرچھلی کے چلنے کا پتہ
سیتا کی رسوئی کے کھنکتے برتن

﴿۵۱۷﴾

کس درجہ سکوں نما ہیں ابرو کے ہلال
خیر و برکت کے دھن لٹاتی ہوئی چال
جیون ساتھی کے آگے دیوی بن کر
آتی ہے سہاگنی سجائے ہوئے تھال

﴿۵۱۸﴾

پریمی کے ساتھ کھانے کا وہ عالم
چھلکے پہ وہ ہاتھ، جسم نازک میں وہ خم
لقمے کے اُٹھانے میں کلائی کی لچک
دلکش کتنا ہے منہ کا چلنا کم کم

﴿۵۱۹﴾

جب جھولا جھولنے میں ساون وہ گائے
کروٹ قوسِ قزح کو رہ رہ کے دلائے
وہ پینگ بڑھانے میں لچکتا ہوا جسم
آئینۂ نیلگوں میں بجلی لہرائے

﴿۵۲۰﴾

اُودی اُودی گگن پہ چھائی ہے گھٹا
ساجن کے بیوگ میں، ستاسا مکھڑا
اب سوچ سنگار کی کہ آتے ہیں پیار
پڑنے لگی رس کی بوند کاگا بولا

﴿۵۲۱﴾

ہودی پہ کھڑی، کھلا رہی ہے چارا
جوبن رس انکھڑیوں سے چھلکا چھلکا
کومل ہاتھوں سے ہے تھپکتی گردن
کس پیار سے گائے دیکھتی ہے مکھڑا

﴿۵۲۲﴾

وہ گائے کو دوہن، سہانی صبحیں
گرتی ہیں بھرے تھن سے چمکتی دھاریں
گھٹنوں پہ کلس کا وہ کھنکنا کم کم
یا چٹکیوں سے پھوٹ رہی ہیں کرنیں

﴿۵۲۳﴾

متھتی ہے جسے دہی کو رس کو پتلی
الکوں کی لٹیں کچوں پہ لٹکی لٹکی
وہ چلتی ہوئی سڈول باہوں کی لچک
کومل مکھڑے پر اک سہانی سرخی

﴿۵۲۴﴾

آنکھیں ہیں کہ پیغام محبّت والے
بکھری ہیں لٹیں کہ نیند میں ہیں کالے
پہلو سے لگا ہوا ہرن کا بچّہ
کس پیار سے ہے بغل میں گردن ڈالے

﴿۵۲۵﴾

کروٹ سے سو رہی ہے کھولے گیسو
پوپھٹتی ہے یا جھلک رہا ہے پہلو
پل کر مانوس ہوگیا ہے کتنا
تلوؤں سے مل رہا ہے آنکھیں آہو

﴿۵۲۶﴾

حمام میں عریانی تن کا عالم
پیکر کا دُھندلکے میں جھلکنا کم کم
اک ہلکی تھرتھری سی سر سے پا تک
شبنم سے دُھلی شفق بھی کھاتی ہے قسم

﴿۵۲۷﴾

نرمل جل سے نہا کے رس کی پتلی
بانوں سے ارگجے کی خوشبو لپٹی
ست رنگ دھنش کی طرح بانہوں کو اُٹھائے
پھیلاتی ہے الگنی پہ گیلی ساڑی

﴿۵۲۸﴾

نکھری نکھری نئی جوانی دم صبح
آنکھیں ہیں سکوں کی کہانی دم صبح
آنگن میں سہاگنی اُٹھائے ہوئے ہاتھ
تلسی پہ چڑھا رہی ہیں پانی دم صبح

﴿۵۲۹﴾

آنگن میں سہاگنی نہا کے بیٹھی
رامائن زانوؤں پہ رکھی ہے کھلی
جاڑے کی سہانی دھوپ، کھلے گیسو کی
پرچھائیں چمکتے صفحے پر پڑتی ہوئی

﴿۵۳۰﴾

معصوم جبیں اور بھوؤں کے خنجر
وہ صبح کے تارے کی طرح نرم نظر
وہ چہرہ کہ جیسے سانس لیتی ہو سحر
وہ ہونٹ طمانیت کی آبھاجن پر

﴿۵۳۱﴾

امرت وہ ہلاہل کو بنا دیتی ہے
غصّے کی نظر پھول کھلا دیتی ہے
ماں لاڈلی اولاد کو جیسے تاڑے
کس پیار سے پریمی کو سزا دیتی ہے

﴿۵۳۲﴾

پیاری تری چھب دل کو لبھا لیتی ہے
اس رُوپ سے دُنیا کی ہری کھیتی ہے
ٹھنڈی ہے چاند کی کرن سی لیکن
یہ نرم نظر آگ لگا دیتی ہے

﴿۵۳۳﴾

زُلف پرِ خمِ عنانِ شب موڑتی ہے
آوازِ طلسمِ تیرگی توڑتی ہے
یوں جلووں سے ترے جگمگاتی ہے زمین
ناگن جس طرح کینچلی چھوڑتی ہے

﴿۵۳۴﴾

وہ کالی رات کمندیں ٹوٹیں
رنگیں شعاعیں تیر بن کر چھوٹیں
وہ جوڑے گیسوئے پریشاں کے بندھے
وہ نرگس سرمگیں سے کرنیں پھوٹیں

﴿۵۳۵﴾

اُڑکر وہ کبوتروں کی ٹکڑی اُتری
وہ رُوپ کی لکشمی ہے سواگت کو کھڑی
دیکھے چہرے پہ پھڑ پھڑاتے ہوئے پر
کاندھوں پر، سینہ اور سر پر بیٹھی

﴿۵۳۶﴾

آنسو سے بھرے بھرے وہ نینا رس کے
ساجن کب اے سکھی تھے اپنے بس کے
یہ چاندنی رات، یہ برہ کی پیڑا
جس طرح اُلٹ گئی ہو ناگن ڈس کے

﴿۵۳۷﴾

پریمی کو بخار، اُٹھ نہیں سکتی ہے پلک
بیٹھی ہے سرھانے، ماندمکھڑے کی دمک
جلتی ہوئی پیشانی پہ رکھ دیتی ہے ہاتھ
پڑ جاتی ہے بیمار کے دل میں ٹھنڈک

﴿۵۳۸﴾

چہرے پہ ہوائیاں نگاہوں میں ہراس
ساجن کے برہ میں رُوپ کتنا ہے اُداس
مکھڑے پہ دھواں دھواں لٹاؤں کی طرح
بکھرے ہوئے بال ہیں کہ سیتا بن باس

﴿۵۳۹﴾

پنگھٹ پر گگریاں چھلکنے کا یہ رنگ
پانی ہچکولے لے کے بھرتا ہے ترنگ
کاندھوں پہ سروں پہ، دونوں باہوں میں کلس
مدانکھڑیوں میں، سینوں میں بھرپور اُمنگ

﴿۵۴۰﴾

یہ ایکھ کے کھیتوں کی چمکتی سطحیں
معصوم کنواریوں کی دلکش دوڑیں
کھیتوں کے بیچ میں لگاتی ہیں چھلانگ
ایکھ اتنی اُگے گی جتنا اونچا کو دیں

﴿۵۴۱﴾

یہ رُوپ! مدن کے بھی خطا ہوں اوسان
یہ سج جو توڑ دے رتی کا ابھمان
پھیکی پڑتی ہے دھوپ، یہ جوبن جوت
یہ رنگ کہ آنکھ کھول دے جیون گان

﴿۵۴۲﴾

لہروں میں کھلا کنول نہائے جیسے
دوشیزۂ صبح گنگنائے جیسے
یہ رُوپ، یہ لوچ، یہ ترنم، یہ نکھار
بچّہ سوتے میں مسکرائے جیسے

﴿۵۴۳﴾

اُوشا پچھلے کو کنمنائے جیسے
رس گل کی رگوں میں تھرتھرائے جیسے
یہ پیکرِ نازنین کا عالم دمِ صبح
انگڑائی سی شفق کو آئے جیسے

﴿۵۴۴﴾

دوشیزۂ بہار مسکرائے جیسے
موجِ تسنیم گنگنائے جیسے
یہ شانِ سبک روی، یہ خوشبوئے بدن
بل کھاتی ہوئی نسیم گائے جیسے

﴿۵۴۵﴾

غنچے کو نسیم گدگدائے جیسے
مطرب کوئی ساز چھیڑ جائے جیسے
یوں پھوٹ رہی ہے مسکراہٹ کی کرن
مندر میں چراغ جھلملائے جیسے

﴿۵۴۶﴾

نگ لعل یمن کا جگمگائے جیسے
دیپک کا شرار تھرتھرائے جیسے
ماتھے پر وہ سہاگ بینڈی کی جھلک
تارا سر چرخ جھلملائے جیسے

﴿۵۴۷﴾

پچھلے کو چراغ لڑکھڑائے جیسے
بزم مہ کو جماہی آئے جیسے
یہ انگڑائی، یہ پیکرِ خواب آلود
رنگینی چھلک چھلک سی جائے جیسے

﴿۵۴۸﴾

جادو وہ جھلی پلک جگائے جیسے
پڑتے ہوں کھلی فضا پہ سائے جیسے
ہیں فرش سے تا عرش دو عالم مخمور
کونین کو میٹھی نیند آئے جیسے

﴿۵۴۹﴾

تاریخ نقابِ رُخ اُٹھائے جیسے
جھرمٹ تاروں کا، مل کے گائے جیسے
یہ کشف و کرامات دمِ نظارہ
صدیوں کا حجاب ٹوٹ جائے جیسے

﴿۵۵۰﴾

تھی گیسوئے شب میں تھرتھراہٹ کم کم
نمناک فضاؤں میں اداہٹ کم کم
وہ جوت بدن کی پیرہن میں جیسے
تاروں کی کرن میں لپلپاہٹ کم کم

﴿۵۵۱﴾

تھی سرد ہوا میں سنسناہٹ کم کم
خوابیدہ فضا میں کنمناہٹ کم کم
وہ بھینچ کے چوم چوم لینا تیرا
وہ نرم قبا کی سرسراہٹ کم کم

﴿۵۵۲﴾

چھپتے تارے، سحر کی آہٹ کم کم
سینے میں اُفق کے کپکپاہٹ کم کم
بستر سے ترا وہ منہ اندھیرے اُٹھنا
تازہ پیکر میں لہلہاہٹ کم کم

﴿۵۵۳﴾

ملتی تھی ابھی سحر کی آہٹ کم کم
تھی اُودی فضا میں جگمگاہٹ کم کم
پہلو سے مرے وہ تیرا سوکر اُٹھنا
اُجلے کپڑوں کی ملگجاہٹ کم کم

﴿۵۵۴﴾

رگ رگ میں جوانی کی سلگتی ہوئی آگ
رتنار آنکھوں کا رس مچاتا ہوا پھاگ
ہر خط بدن کی جگمگاتی ہوئی لو
وہ رُوپ وتی پاؤں سے سرتک ہے سہاگ

﴿۵۵۵﴾

ہر عشوہ کا کچھ بھید بھرم لینے دے
ہر لائے ہوئے رنگ کو جم لینے دے
اے پریم کے سیج کی رسیلی پتلی
اتنا بھی نہ چھیڑ، کچھ تو دم لینے دے

﴿۵۵٦﴾

خاموش لبوں سے گلستاں جھڑتا ہے
دیدہ ہے کہ سوسے کدوں سے لڑتا ہے
اے رشکِ چمن! لہلہے جوبن پہ ترے
سو گلشنوں کا رنگ پھٹا پڑتا ہے

﴿۵۵۷﴾

رفتار میں منڈلاتی گھٹاؤں کا اُبھار
گفتار میں دوشیزہ شگوفوں نکھار
پیکر کی لے لحن داؤد کے بول
فردوس نظر، لہلہے جوبن کی بہار

﴿۵۵۸﴾

مدھ ماس میں جیسے جاگ اُٹھتا ہے چمن
جس طرح پھٹا پڑے پھبکتا ہوا بن
ہشیار و مست آنکھیں ہیں، جوبن چپ چور
مستی میں شرابور خود آگاہ بدن

﴿۵۵۹﴾

آنکھیں کہ کھلے کنول میں جلتے ہیں دیے
رُخسار کہ نرم بھیرویں کے شعلے
ظلمات کی منجدھار خمِ گیسو میں
ہونٹوں کے گوشوارے کوندے کے سرے

﴿۵٦۰﴾

پلکوں کی اُوٹ میں ہیں اسرارِ حیات
سانسوں کی نرم لے میں روحِ نغمات
اے مست شباب! حُسنِ کافر کی ترے
مستی ہے کہ بال کھولے برسات کی رات

﴿۵٦۱﴾

معصومیٔ حسن چھیڑ جائے جس کو
نرمیٔ جمال گدگدائے جس کو
کچھ پوچھ نہ ایسی لاجونتی کی حیا
شرماتے ہوئے بھی شرم آئے جس کو

﴿۵٦۱﴾

ان آنکھوں کے نشے نہ بڑھیں اور نہ گھٹیں
وہ نرم صباحت کہ پوئیں جیسے پھٹیں
وہ مست خرامی کہ فضا گائے ملہار
وہ آدھے بدن تک گھنی زلفوں کی لپٹ

﴿۵۶۳﴾

آنکھوں میں بہار کی ہیں صبحیں پلتی
زُلفوں میں ہیں مے کدے کی راتیں ڈھلتی
وہ چال کہ آکاش کلس ہلتے ہیں
تلووں سے قیامتیں ہیں آنکھیں ملتی

﴿۵۶۴﴾

کیا تیرے خیال نے بھی چھیڑا ہے ستار
سینے میں اُڑ رہے ہیں نغموں کے شرار
دھیان آتے ہی صاف بجنے لگتے ہیں کان
ہے یاد میں تیرے وہ کھنک وہ جھنکار

﴿۵۶۵﴾

گورے ماتھے کی یہ سہانی مہتاب
لیتی ہے رگوں میں کروٹیں روحِ شباب
زُلفوں میں ڈھل رہی ہے میخانے کی رات
آنکھوں سے چھلک چھلک سی جاتی شراب

﴿۵۶۶﴾

محرم سے چھن رہی ہے جوبن کی دھوپ
یہ نرم دمک مکھڑے کی، سج دھج ہے انوپ
اِک ہوک سی اُٹھ جاتی لگ جاتی ہے آگ
کوئل کی کوک، لہلہاتا ہوا رُوپ

﴿۵۶۷﴾

کھلتی کلی، مسکراتے ہونٹوں کی مہک
منڈ لاتی ہوئی گھٹائیں الکوں کی لٹک
جوبن کے مدھ کلس بھی چھلکے چھلکے
ماتھے کے چندر لوک کی نرم دمک

﴿۵۶۸﴾

بالوں میں خنک سیاہ راتیں ڈھلتی
گالوں کی شفق کی اُوٹ شمعیں جلتی
تاروں کی سرکتی چھاؤں میں بستر سے
اِک جانِ بہار اُٹھتی ہے آنکھیں ملتی

﴿۵۶۹﴾

لہرائے سروں سے سر کے سر کے آنچل
منڈ لائے گیسوؤں کے کالے بادل
یہ کس نے پریم کے ترانے چھیڑے
روشن ہوتے چلے ہیں گالوں کے کنول

﴿۵۷۰﴾

میرے منہ سے میرے ترانے سُن لے
الفاظ کے ساز سے وہ شعلے دہکے
رُخسار تہِ نقاب جگمگ جگمگ
دیپک گانے سے جیسے جل جائیں دیے

﴿۵۷۱﴾

پہلے مصرعے میں حُسن کا خط جبیں
اور دوسرے مصرعے میں لٹوں کی تزئیں
چوتھا ہو نکلتا ہوا یوں تیسرے سے
جیسے بھیگی مسیں ہوں ابرو سے حسیں

﴿۵۷۲﴾

ہر بیت کے ٹھاٹھ میں سمندر لہرائے
ہر لفظ میں وہ لچک کہ بجلی بل کھائے
اُردو کو شگفتگی ملی وہ مجھ سے
پچھلے کو کنول فضا کا جیسے کھل جائے

﴿۵۷۳﴾

آنکھیں ہوں تو دیکھ ان ترانوں کا کمال
الفاظ کے زیر و بم سے اُڑتا ہے گلال
اوروں کے یہاں کہاں یہ تیور، یہ رچاؤ
کیا سے کیا کردیا ہے اُردو کا جمال

﴿۵۷۴﴾

لَے میں مری گونجتا ہے سورج منڈل
میرے سوزِ دروں میں پڑ کر ہوئی حل
دُنیا میں جب آدمی نے آنکھیں کھولیں
اس وقت سے آج تک کی تاریخ ملل

﴿۵۷۵﴾

صبح صادق میں جیسے گلزارِ جہاں
بیداری و زندگی کا دیتا ہے نشاں
آتا ہے نظر میرے ترانوں میں یوں ہی
انگڑائیاں لیتا ہوا حُسنِ جاناں

﴿۵۷۶﴾

ہے غازۂ رُوئے دوست شاعر کا خیال
جذب اس میں مشاہدے کے بیسوں مہ وسال
جلوہ دہِ حُسن ہر ترانہ ہے مرا
آئینہ در آئینہ ہے یہ بزمِ جمال

﴿۵۷۷﴾

کرائے گُلِ تازہ کچھ تو شاعر کا بھی پاس
معراج ہے آب و گل کی رُوحِ حسّاس
کیا سے کیا کردیا ہے پیکر کو ترے
پہلے تھا کہاں یہ رنگ، یہ رس، یہ باس

﴿۵۷۸﴾

جز میرے یہ رنگ حُسن اُچھالے کس نے
سانچے میں یہ خط و خال ڈھالے کس نے
سازِ بے نغمہ تھا یہ جسم رنگیں
اس ساز سے یہ بول نکالے کس نے

﴿۵۷۹﴾

پیغمبرِ عشق ہوں سمجھ میرا مقام
صدیوں میں پھر سنائی دے گا یہ پیام
وہ دیکھ کہ آفتاب سجدے میں گرے
وہ دیکھ اُٹھے دیوتا بھی کرنے کو سلام

❑❑❑

چین

﴿۵۸۰﴾

منڈ لائی کئی کروڑ ہاتھوں کی گھٹا
گلزار کئی کروڑ چہروں کا کِھلا
جل اُٹھے کئی کروڑ سینوں میں چراغ
پردہ سا کئی کروڑ آنکھوں سے اُٹھا

﴿۵۸۱﴾

وہ کشتِ بہارِ عصر لہکی لہکی
کھیتوں کی سہانی سانس مہکی مہکی
سازِ امروز میں وہ سوزِ فردا
وہ آتشِ انقلاب دہکی دہکی

﴿۵۸۲﴾

یہ ولولہ یہ اُمنگ دریا دریا
یہ شعلۂ بے رنگ صحرا صحرا
یہ پرِ توِ انقلاب عالم عالم
یہ جلوۂ انقلاب دُنیا دُنیا

﴿۵۸۳﴾

دشت و گلزار کوہ و دریا آزاد
گوشہ گوشہ و خِطّہ خطّہ آزاد
میخانہ و بزم و جام مینا آزاد
دورِ مہ و سال و لمحہ لمحہ آزاد

﴿۵۸۴﴾

ہاتھوں میں عنانِ وقت لینے والے
بیڑے تاریخِ نو کے کھینے والے
صف اندر صف اُبھرے ہیں قلعہ شکن
روئی سے پہاڑ توڑ دینے والے

﴿۵۸۵﴾

آپس میں نئے قول و قسم لیتے ہیں
پھر جائزہ ہائے کیف و کم لیتے ہیں
سنسار کی سب سے بڑی آبادی میں
باہم نئے سمبندھ جنم لیتے ہیں

﴿۵۸۶﴾

وہ مطلعِ ایشیا یہ ست رنگ سحر
دامانِ فضا میں بارش لعل و گہر
وہ لاکھوں نگوں کی تھرتھراتی ہیں لویں
مشرق کے ملاٹ کا چمکتا جُھومر

﴿۵۸۷﴾

وہ ایک ارب ہاتھ لُٹا تے ہوئے جَس
اس رازِ حیات پر نہیں موت کا بس
یہ نسخۂ کیمیا اثر سے جس کے
کنکر کنچن ہو اور پتّھر پارس

﴿۵۸۸﴾

وہ گاؤں وہ شہر وہ ادارے ذیشان
علم و فن و فلسفہ پہ چڑھتی ہوئی سان
وہ کھیت وہ گھر وہ لہلہاتے ہوئے باغ
وہ چاندسی کنیائیں وہ سورج سے جوان

﴿۵۸۹﴾

وہ یونیورسٹیاں وہ لاکھوں اسکول
ہر سُو نئی زندگی کے کھلتے ہوئے پُھول
وہ گاتی ہوئی نئی مشینوں کی لے
وہ اک نئی تہذیب کے آئین و اصول

﴿۵۹۰﴾

کُھلتا ہے اہم ترین بابِ تاریخ
یہ شعلۂ نغمہ رباب تاریخ
یہ سینۂ وقت میں دہکتی ہوئی آگ
کروٹ لیتا ہوا شبابِ تاریخ

﴿۵۹۱﴾

وہ چین وہ امن ایشیا کا ضامن
وہ چین کہ ایک جس کا ظاہر باطن
پیغمبرِ صلح کُل امامِ تہذیب
وہ چین کہ مشرق کے پھرے جس سے دن

﴿۵۹۲﴾

شائستہ انقلاب انساں کا وطن
اُگتے سورج کا جگمگاتا درپن
وہ نغمۂ زندگی کا بجتا ہوا ساز
وہ سارے ایشیا کے دل کی دھڑکن

❑❑❑

کتابیات

''روپ'' فراقؔ گورکھپوری سنگم پبلشنگ ہاؤس، الہ آباد 1946ء

''شاہکار'' فراقؔ نمبر ممتاز باغ، لوکر گنج، الہ آباد 1964ء

''اُردو کی عشقیہ شاعری'' فراقؔ گورکھپوری رام نرائن لال، ارن کمار، الہ آباد 1997ء

''فراقؔ گورکھپوری'' سیدہ جعفر ساہتیہ اکادمی، نئی دہلی 1996ء

''رباعیاتِ فراقؔ'' فراقؔ گورکھپوری ملک بک ڈپو، نئی دہلی 2011ء

''الہ آباد یونی ورسٹی اُردو میگزین''، پروفیسر سید محمد عقیل، اینگل پرنٹرس، الہ آباد 1983ء

''فراقؔ گورکھپوری: شاعر دانشور''، پروفیسر علی فاطمی ایم آر پبلی کشن، نئی دہلی 2007ء

''رباعیاتِ انیسؔ'' سید تقی عابدی شاہد پبلی کشن، دہلی 2012ء

''رباعیاتِ دبیرؔ'' سید تقی عابدی شاہد پبلی کشن، دہلی 2008ء

''رباعیاتِ رشیدؔ لکھنوی'' سید تقی عابدی شاہد پبلی کشن، دہلی 2014ء

❑❑❑

Mutala-e-Rubaiyat

FIRAQ GORAKHPURI

By

Dr. Syed Taqi Abedi

EDUCATIONAL
PUBLISHING HOUSE
New Delhi , INDIA

ISBN 978-93-90789-21-4

978-93-90789-21-4

www.ephbooks.com